دل کی آہٹ



بلقیس ظفر

دل کی آہٹ

بلقیس ظفر

القریش پبلی کیشنز

ملک جلال دین (وقف) ہسپتال بلڈنگ سرکلر روڈ، چوک اردو بازار۔ لاہور۔ ۲۔ فون: 7668958

معیاری اور خوبصورت کتابیں

باہتمام...... محمد علی قریشی

بار اوّل — 2007ء

مطبع — نیر اسد پریس

کمپوزنگ — کلاسکس گرافکس

قیمت — [illegible]پے

انتساب

حُسنِ نظر کے نام......!

وقار
عظمت

”سیفو!......“ مطالعے کے کمرے سے پرنسپل جہاں زیب کی بھاری آواز آئی۔

اس پر ان کی بیوی نفیسہ خانم نے جو چوکی پر بیٹھی سلائی کر رہی تھیں۔ چونک کر پریشان نگاہوں سے سیفو کی طرف دیکھا۔ جو انہی کے پاس بیٹھی نٹنگ میں مصروف تھی۔ بظاہر اس پر آواز کی جبروت کا کوئی اثر نہ ہوا۔

”بیٹی! کیا آج چھٹی منانے کا ارادہ ہے؟“ پرنسپل صاحب نے پھر پکارا۔

”نہیں ابا جان! آ رہی ہوں ابھی۔“ سیفو نے یہ کہہ کر اطمینان سے سلائیاں ٹوکری میں رکھیں۔ ایک طویل انگڑائی لی۔ اور کاہلی سے چپل پہننے لگی۔

نفیسہ خانم نے جو یہ سارا عمل بڑی بے صبری سے دیکھ رہی تھیں۔ آہستہ آواز سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

”سیفو رانی!......جلدی سے پڑھنے چلی جاؤ۔ نہیں تو تمہارے ابا ناراض ہوں گے۔“

سیفو نے اچٹتی سی ایک نگاہ ماں پر ڈالی۔ جس پر فکر مندی اور شوہر کی ناراضگی کے ڈر کی واقعی چھاپ تھی۔ وہ زیر لب مسکرائی۔ ”ایک تو ہماری امی نے ڈر ڈر کر ابا جان کا مزاج بگاڑ رکھا ہے۔“ اس نے سٹڈی روم کی طرف جاتے ہوئے سوچا۔

ان کی ایسی خوف زدہ صورت دیکھ کر تو نہ غصہ آنا ہو تب بھی آ جائے۔ اور وہ دوپٹہ قرینے سے سر پر ڈالتی ہوئی مطالعے کے کمرے میں داخل ہو گئی۔

نفیسہ خانم کی نگاہیں جو تردد سے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ مطمئن ہو کر اپنی جگہ واپس لوٹ آئیں۔ اور وہ پھر سے اپنے کام میں جت گئیں۔

نفیسہ خانم کے اس خوف اور دبے رہنے کا پس منظر یہی تھا کہ وہ اپنی مرضی کے خلاف' اپنے رشتہ داروں کی مرضی کے مطابق اس گھر میں لائی گئی تھیں۔ ان کے ابا ظہیر احمد اور پرنسپل جہاں زیب کے والد جہانگیر دونوں سگے بھائی تھے۔ ظہیر احمد انجینئری پاس کرنے ولایت گئے تو واپسی پر اپنے ہمراہ ایک عدد سکاچ بیوی بھی لیتے آئے۔ جس کی آنکھیں گہری فیروزی اور بال شاہ بلوط کے رنگ کے تھے۔ خاندان میں اس پر بہت لے دے ہوئی۔ اور اہل کنبہ اپنی ناراضگی کے اظہار کے طور پر ان سے بائیکاٹ کرنے کی سوچ ہی رہے تھے کہ وہ بچاری دو بچیوں کو جنم دینے کے بعد اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔

غیر ملکی کانٹا نکل جانے پر اقربا بہت خوش ہوئے اور ظہیر احمد کو پھر سے گلے لگا لیا۔ مگر وہ مرحوم بیوی کی یاد نہ بھلا سکے۔ اور انہوں نے عزیزوں کے کہنے کے باوجود دوسری شادی نہ کی۔ دونوں کمسن بچیوں کی پرورش اور غور و پرداخت کے لیے ان کی بیوہ بہن سنجیدہ خانم گھر میں آ گئیں۔ انہی کے زیر سایہ یہ دونوں بہنیں نفیسہ اور بخیہ پلی بڑھیں اور پھر جوان ہوئیں۔

اتفاق سے انہی دنوں جہانگیر صاحب کے بڑے بیٹے جہاں زیب (جو نئے نئے پرنسپل مقرر ہوئے تھے) کی بیوی بھی انہیں داغ مفارقت دے گئیں۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد رشتے کی تلاش شروع ہوئی۔ بخیہ بیاہی جا چکی تھیں۔ ان کی جزرس نظر نفیسہ پر پڑی۔ پھوپھی کو وہ بڑے عزیز تھے۔ ظہیر احمد بھی بس لڑکی کو بیاہ دینے کے قائل تھے۔ یہ نہیں کہ اِدھر اُدھر سونگھتے پھرتے کہ لڑکے کی عمر زیادہ ہے۔ مزاج کڑوا ہے۔ وغیرہ جیسی غیر اہم باتوں پر نظر ڈالتے۔ چنانچہ انہوں نے حامی بھر لی۔ اور یوں نازک مزاج' دھان پان نفیسہ خانم جہاں زیب کے گھر آ گئیں۔ جو عادات و اطوار' صورت شکل' غرضیکہ ہر بات میں ان کی مکمل ضد تھے۔ وہ ڈرپوک اور متلون مزاج تھیں۔ یہ دبنگ اور فیصلہ کن عادت کے مالک۔ وہ حکم ماننے کی عادی تھیں تو یہ حکم منوانے کے۔ وہ چنبیلی کی کلی کی طرح نازک اندام اور گڑیا کی طرح ہلکی پھلکی تھیں تو وہ بھاری تن و توش اور چھ فٹ قد کے مالک ہونے کے علاوہ چہرے پر بڑی خوفناک قسم کی مونچھیں بھی رکھتے تھے۔ نفیسہ خانم کی نیلی آنکھیں رحمدلی اور ڈر کی مظہر تھیں۔ تو ان کے شوہر کی گہری

براؤن آنکھیں تند خوئی اور قہر و غضب کی چنگاریاں چھوڑتی ہوئی...... چنانچہ اس تضاد کا نتیجہ وہی نکلا' جو نکلنا چاہئے تھا۔ نفیسہ خانم اس گھر میں محض تابع مہمل بن کر رہ گئیں۔ گھر کے سارے انتظامات کی باگ ڈور عملی طور پر پرنسپل صاحب کے ہاتھ میں تھی۔

وہ جو چاہتے کرتے۔ نفیسہ خانم کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ ویسے پرنسپل صاحب نے ان کے لیے کئی ایک نوکر بھی رکھ چھوڑے تھے۔ جن کے ذمہ گھر کا کام تھا۔ نفیسہ خانم تقریباً بیکار رہتی تھیں۔ لیکن یہ عیش بھی ان کے زخمی دل پر مرہم نہ رکھ سکا۔ جس میں پرنسپل صاحب کی تلخ کلامی کے نشتر ہمہ وقت چبھتے رہتے تھے۔

شادی کے دو سال بعد ان کے ہاں سیفو پیدا ہوئی اور اس کے بعد نفیسہ بیگم اک دم بیمار پڑ گئیں۔ آپریشن' ٹیکے' دوائیوں وغیرہ کے بعد افاقہ ہوا۔ چلنے پھرنے کے قابل تو ہو گئیں۔ مگر صحت پوری طرح بحال نہ ہوئی۔ اسی بیماری کے ساتھ ہی ساتھ انہیں دل کے دورے بھی پڑنے شروع ہو گئے۔ چنانچہ اب تقریباً ہر ماہ انہیں انجکشن دیئے جاتے۔ تب وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوتیں۔ ورنہ بستر پر پڑ جاتیں۔ وہ دائم المریض بن چکی تھیں۔

سیفو بچپن ہی سے ماں کا سہمے سہمے رہنا اور باپ کی درشت مزاجی دیکھتی آئی تھی۔ اور اب جبکہ وہ بڑی ہو گئی تھی۔ ان سولہ سالہ واقعات نے مجموعی طور پر اس پر جو اثر چھوڑا تھا۔ وہ یہ تھا کہ وہ اپنی ماں پر بے حد ترس کھاتی۔ اسے اس مجبور ہستی پر رحم آتا۔

لیکن اس کے ساتھ ہی باپ کی طرف سے بھی اس کی فطرت میں ایک ردعمل پیدا ہوا تھا۔

سونے کا نوالہ کھلانے اور شیر کی نظر دیکھنے والے باپ سے وہ بچپن میں بہت خائف رہتی تھی۔ لیکن جوں جوں بڑی ہوتی گئی...... اس نے دیکھا کہ ان کی عادت ہی اسی طرح ہے تو اس سے کیا ڈرنا۔ چنانچہ بڑی ہونے پر اچانک اس نے ڈر اور سہم کا وہ بوجھ جو سولہ سال سے کندھے پر لادے تھی۔ اتار کر پھینک دیا۔

اب وہ ان کی ہر بات پر لرزنا چھوڑ چکی تھی۔ ہر جا و بیجا حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنا بھی اسے کھلتا تھا۔ ماں کی بے دست و پائی پر بھی اس کا خون کھول اٹھتا تھا۔ مگر باپ کی بالادستی اور قہر و ستم کے تناور درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا تقریباً ناممکن تھا۔ تاہم

وہ ان کی تندخوئی کا مداوا سوچتی رہتی تھی۔ وہ نفیسہ خانم نہ تھی کہ بالکل دب جاتی۔ وہ جہاں زیب کی اپنی فطرت اور خمیر کا عکس تھی۔ یہ سب کچھ تھا۔لیکن پرنسپل صاحب کا سکہ اب بھی اس گھر میں اسی شان وشوکت سے چلتا تھا۔

جمائیاں لیتی ہوئی سیفو سستی سے آ کر ماں کے پاس کوچ پر بیٹھ گئی۔نفیسہ خانم نے فکرمندی سے بیٹی کے چہرے کی طرف دیکھا۔ ''کیا آج بہت محنت کی ہے؟''

''جی......'' سیفو نے کنپٹیوں کو دباتے ہوئے سر ہلایا۔ ''آج ابا جان نے الجبرا کی پوری مشق حل کرائی ہے۔'' اور کشن پر کہنی ٹیکتے ہوئے نیم دراز ہوگئی۔

''تمہیں اتنی محنت نہیں کرنی چاہیے۔صحت خراب ہو جائے گی۔'' نفیسہ خانم نے ایک مبہم سی آہ کے ساتھ کہا۔ ''مجھ سے پوچھو صحت کتنی قیمتی چیز ہے۔''

''لیکن ان سے کہے کون۔'' ان کا اشارہ غالباً اپنے شوہر کی طرف تھا۔

''نہیں امی! آپ خواہ مخواہ پریشان ہوتی ہیں۔ان دنوں تو پڑھائی زیادہ سے زیادہ کرنی چاہیے۔تین ماہ بعد امتحان ہے۔ابا جان ٹھیک ہی تو کرتے ہیں۔''

''اچھا بھئی تمہاری مرضی۔'' پھر انہوں نے نوکر کو آواز دی۔

''کرم داد! چھوٹی بی بی کے لیے نعمت خانے میں سے انڈوں کا حلوا نکال لا۔''

تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کھلا اور بوڑھا کرم داد کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ٹرے اٹھائے داخل ہوا۔سیفو نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔ بوڑھا منہ ہی منہ میں کچھ ناقابل فہم الفاظ بڑبڑا رہا تھا۔ پاس والی چھوٹی تپائی سرکا کر اس نے حلوے کی پلیٹ اس پر رکھ دی اور کھڑا ہو کر ہاتھ ملنے لگا۔

''کہو۔'' نفیسہ خانم جانتی تھیں کہ اس طرح ہاتھ ملنا بوڑھے کے کچھ کہنے کی تمہید ہوا کرتی ہے۔

''بیگم صاحب! وہ سفید لگ ہارن مرغی جو پچھلے ہفتے صاحب لائے تھے...... وہ......اسے...... وہ ہکلانے لگا۔

''ارے کہہ بھی چکو اب۔'' سیفو نے اُکتا کر کہا۔

''وہ مرگئی ہے...... آج صبح میں نے جب ڈربہ کھولا تو دیکھا کہ۔'' کرم داد

اپنی دھن میں کہتا جا رہا تھا۔ اس نے نفیسہ خانم کے چہرے پر پریشانی کا وہ سایہ نہیں دیکھا۔ جو اس خبر سے ان کے حسین چہرے پر چھا گیا تھا۔ وہ خاموش بیٹھی سوچ رہی تھیں۔

''اب کیا ہو گا؟'' یہ مرغی تو انہوں نے بڑے شوق سے منگائی تھی۔ کہیں گے تمہیں نے احتیاط نہ کی۔ اس کو ٹیکہ لگوانے میں چوک ہو گئی اور اس لیے وہ مرگئی۔ غلطی میری ہی ہے۔''

کرم داد جا چکا تھا۔ سیفو اس اثنا میں حلوہ کھاتے ہوئے بڑے غور سے ماں کے چہرے کا اُتار چڑھاؤ دیکھ رہی تھی۔ اس کی ذہین آنکھوں نے ان کی پریشانی تاڑ لی تھی۔ پھر بھی اس نے پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔ ''امی جان! کیا بات ہے؟ کیا سوچ رہی ہیں آپ؟'' دھیمی سی آواز میں اس نے پوچھا۔

''کچھ نہیں بیٹی!......'' وہ چونک پڑیں۔ ''بس یہی کہ یہ مرغی جو مرگئی ہے تو تمہارے ابا بہت ناراض ہوں گے۔ وہ اپنی پسند سے لائے تھے۔ کہا تھا کہ اس کے انڈوں میں سے سیفو کے لیے چوزے نکلوائیں گے۔ لگ ہارن کے بچے بڑے خوبصورت ہوتے ہیں اور اب......''

''تو آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں...... آپ نے اسے تھوڑا ہی مارا ہے۔'' سیفو کے ماتھے پر ہلکی سی شکن آ گئی۔ ''اور پھر ابا جان کو کس نے بتایا ہے کہ میں اب بھی مرغی کے بچوں سے کھیلنا پسند کرتی ہوں۔''

فکرمندی کے باوجود نفیسہ خانم کے چہرے کو پیار بھری مسکراہٹ نے جگمگا دیا۔ وہ ادھیڑ عمر ہونے کے باوجود ابھی تک بہت جاذب نظر تھیں۔ نیلی آنکھوں کے ساتھ ان کے نسواری بال اور بے حد سپید رنگ جس میں بیماری کی وجہ سے اب ہلکی سی زردی آ گئی تھی۔ لیکن یہ زردی ایسی ہی دلفریب تھی جیسے پیلے گلاب کی رنگت۔

''جان مادر! ماں باپ کی نگاہوں میں اولاد آخر دم تک بچہ ہی رہتی ہے۔ تم ہمیشہ سے مرغی کے بچوں سے پیار کرتی ہو۔ تمہارے ابا نے سینکڑوں روپے ان پر صرف تمہاری خوشی کی خاطر خرچ کر ڈالے۔ وہ سمجھتے ہیں تم اب بھی انہیں پسند کرتی ہو۔''

''خیر...... آپ انہیں بتا دیجئے کہ میں اب ایسی لغویات پسند نہیں کرتی۔'' سیفو

ابھی تک غصے میں پیچ وتاب کھا رہی تھی۔ نہ جانے یہ ماں باپ کا پیار بھی کیا چوں چوں کا مربہ ہوتا ہے۔ اولاد خواہ جوان ہو جائے۔ خواہ صاحب اولاد ہو کر بوڑھی ہو جائے۔ مگر ان کے چونچلے ویسے ہی رہتے ہیں۔ اس نے چڑ کر سوچا۔

دوسرے روز پرنسپل صاحب نے حسب توقع مرغی کی غور و پرداخت نہ کرنے پر سب کو ڈانٹا۔ حتیٰ کہ نفیسہ خانم کو بھی اور وہ بھی سب نوکروں کے سامنے۔ سیفو نے جب ہلکی آواز میں باپ کو روکا۔ تو وہ بظاہر خاموش ہو گئے۔ مگر ان کی پیشانی کی سلوٹیں دیر تک ان کے غصے کو ظاہر کرتی رہیں۔ سیفو اپنے باپ کے بلاوجہ غصے سے نالاں تھی۔ مگر وہ ان کو سمجھا بھی تو نہ سکتی تھی کہ ایسا نہ کیجئے۔ کم از کم نوکروں کے سامنے تو امی کا لحاظ کیا کیجئے۔ وہ خاموش ہو جاتی اور دل میں ہی کڑھتی رہتی۔

دوپہر ڈھل کر سائے لمبے اور خنک ہو گئے تھے۔ سیفو کوٹھی کے عقب میں بنی سیڑھیاں طے کرنے کے بعد اوپر کھلی فضا میں جا پہنچی۔ جانے کیوں کچھ دنوں سے اسے یہ گھر قید خانہ معلوم ہونے لگا تھا۔ جہاں سب اپنی اپنی مرضی کے خلاف رہ رہے تھے۔

اس نے چھت پر جا کر کھلے آسمان کی طرف دیکھا۔ جہاں طوطوں کا ایک جھلڑ اڑتا جا رہا تھا۔ آسمان کے کاسنی مائل نیلے رنگ کے مقابل ان کا ہرا رنگ کتنا پیارا معلوم ہوتا تھا۔ وہ ہلکی مسکراہٹ سے ہونٹ نیم وا کئے دیر تک انہیں دیکھتی رہی۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو اس کی نگاہیں لوٹ آئیں۔ وہ اپنے دماغ کو ہر قسم کی سوچ سے پاک رکھنے کی خاطر جنگلے پر جھک کر دور تک پھیلے ہوئے کھیتوں کو دیکھنے لگی۔ سبز رنگ کے کھیت جو شام میں پڑنے والی اوس سے بھیگ کر اور بھی گہرے لگ رہے تھے۔ ان کے درمیان کہیں کہیں سرسوں کے زرد قطعات بھی تھے۔

اچانک دور کہیں ایک پٹاخہ چھوٹا۔ وہ چونک پڑی۔ پٹاخے کے ساتھ ہی بینڈ باجے کی آواز بھی آنے لگی۔ شاید کوئی برات آ رہی ہے۔ سیفو یہ سوچ کر کچھ اشتیاق سے سامنے والی تنگ سڑک کی طرف دیکھنے لگی' جو کھیتوں کے بیچوں بیچ لہراتی ہوئی جاتی تھی۔

سڑک پر تھوڑی دیر کے بعد سرخ چمکیلی وردیوں والے آدمی بینڈ بجاتے ہوئے نمودار ہوئے۔ ان کے پیچھے پیچھے براتی گلے میں ہار پہنے بڑی شان سے قدم

اٹھاتے آ رہے تھے۔ ان کے درمیان گھوڑے پر سوار دولہا تھا۔ جس کا سارا چہرہ پھولوں کی لڑیوں اور گنگا جمنی تاروں سے چھپا ہوا تھا۔ ہر طرف مسرور چہرے نظر آ رہے تھے۔ برات کے ساتھ بھاگنے دوڑنے والے بچے قہقہے لگا رہے تھے۔ اچھل کود رہے تھے۔ سچی مسرت ان کے چہروں پر جگمگا رہی تھی۔

''ان لوگوں کی کتنی خالص اور سیدھی سادی خوشیاں ہیں۔'' سیفو نے سوچا۔

برات کا مسرت خیز طوفان گزر گیا تھا۔ لیکن وہ اپنے ساتھ سیفو کے دکھ کو بھی بہا کر لے گیا تھا۔ چنانچہ اس کا دل ایک انجانی سی خوشی سے لبریز تھا۔ وہ خواہ مخواہ مسکرا رہی تھی۔ وہ کافی دیر تک وہیں کھڑی اردگرد پھیلے ہوئے مناظر کو دیکھتی رہی۔ جو اب شام کے بڑھتے ہوئے اندھیرے میں آہستہ آہستہ روپوش ہو رہے تھے۔ خنکی بڑھ رہی تھی۔ جس کا احساس سیفو کے بدن کو بھی ہو رہا تھا۔ لیکن سردی سے کپکپانے کے باوجود اس کا دل نیچے جانے کو نہیں چاہتا تھا۔ آخر جب گہرے نیلے آسمان پر سنہری چاند جگمگانے لگا تو وہ نیچے اتر آئی۔



14

''جہاں نما'' جس کوٹھی کا نام تھا۔ وہ اپنے مالک یعنی پرنسپل جہاں زیب ہی کی طرح ''لمبی چوڑی اور باوقار تھی۔ موٹی موٹی زرد دیواریں جن پر کائی جمی ہوئی تھی اور طویل وعریض کمرے اس کی ہیبت وشوکت میں اضافہ کرتے تھے۔ پرنسپل صاحب نے بڑے شوق سے اس دومنزلہ کوٹھی کو سجایا تھا۔ سجاوٹ اور مکان کی زینت کا شوق انہیں والہانہ حد تک تھا۔ چنانچہ جب تعلیم ہی کے سلسلہ میں وہ لندن گئے تو وہاں کی خوبصورت اشیاء خریدنے کے علاوہ محض سجاوٹ کی نوادرات حاصل کرنے کے لیے انہوں نے ہسپانیہ اور ایران کا سفر اختیار کیا۔ وہاں کے ہاتھی دانت کے بنے نازک ظروف اور چینی کے خوشنما گلدان' پیالے اور سنگ یشب کے کندہ کاری والے چھوٹے چھوٹے برتن ان کے شیشے کی الماریوں اور آتش دانوں کی اوپر والی کارنسوں کی زینت تھے۔ لیکن اتنے نادر ذخیرہ کے مالک ہوتے ہوئے بھی ان کا یہ شوق روز افزوں تھا۔ چنانچہ اب بھی ان کا کوئی دوست جب کہیں مشرق وسطٰی یا چین وغیرہ کے سفر کا ارادہ باندھتا' وہ فوراً اپنی فرمائش اس کے گوش گزار کر دیتے۔ ان کے اکثر نوادرات اس کے عزیز دوست کرنل زیدی بیرونی ممالک سے لائے تھے۔ بتوں اور مجسموں سے انہیں سخت نفرت تھی۔ گو وہ نماز عیدین پر ہی پڑھتے۔ تاہم وہ اپنی مذہبی روایات کے سختی سے پابند تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آرٹ کے بے مثل نمونے ہونے کے باوجود مجسمے ان کی توجہ کو اپنی طرف نہ کھینچ سکتے تھے۔

گھر کی آرائش اور زیب وزینت میں جہاں پرنسپل صاحب کا ذاتی حصہ بہت زیادہ تھا۔ وہاں نفیسہ خانم بھی ان سے کم ثابت نہ ہوئی تھیں۔ انہوں نے اپنی محنت سے اس میں نزاکت اور نسوانیت پیدا کی تھی۔ چنانچہ اب کشنوں پر چھوٹی بڑی میزوں پر'

پایوں طاقچوں وغیرہ پر ان کی کشیدہ کاری کے حسین نمونے بکھرے پڑے تھے۔ اپنی
اس فنکاری میں وہ روم اور اٹلی کے حسن سازوں سے کم نہ تھیں۔ کڑھائی بنائی کا یہی
شوق سیفو کو بھی وراثت میں ملا تھا۔ اس میں باپ کی بالغ نظری اور ماں کی فن کاری
دونوں موجود تھیں۔ چنانچہ اس وقت بھی پڑھائی سے فارغ ہو کر بجائے استراحت کرنے
کے وہ مخملیں دیوان پر بیٹھی ایک میز پوش پر پھول بنا رہی تھی۔ بے شمار رنگوں کے نازک
ریشمی لچھے اس کی نائیلون کی ٹوکری میں پڑے تھے۔ اور وہ بڑے انہماک سے کشیدہ
کاری میں مصروف تھی۔

اچانک دوسرے کمرے سے اس کے باپ کی بھاری آواز اس کے کان میں
پڑی۔ وہ غالباً نفیسہ خانم سے کچھ گفتگو کر رہے تھے۔ سیفو کے ساتھ والے کمرے میں
ہونے کی وجہ سے ان کی آواز بڑی صاف آ رہی تھی۔ شاید وہ پہلے کچھ دبی آواز میں
باتیں کرتے رہے تھے۔ تبھی سیفو کی توجہ ادھر نہ ہوئی۔ لیکن اب مسئلہ معلوم ہوتا کسی
نازک جگہ پہنچ گیا تھا۔ کیونکہ عموماً اس طرح کے موقع پر پرنسپل صاحب کی آواز ان کے
کنٹرول سے باہر ہو کر ان کی تمام احتیاط کو بالائے طاق رکھ دیا کرتی تھی۔

''میں کہتا ہوں انوار! میں آخر برائی کیا ہے؟ جو تم اس وقت سے اس پر نکتہ
چینی کر رہی ہو۔'' سیفو کے کان کھڑے ہو گئے اور وہ اس گفتگو کو غور سے سننے لگی۔
جواب میں نفیسہ خانم کی صاف مگر دھیمی آواز سنائی دی۔

''میری اس سے کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے۔ پھر بھی، ایسے معاملوں میں زبان
خلق کا کچھ لحاظ کرنا ہی پڑتا ہے۔''

''کیوں زبان خلق سے تم نے اس کے متعلق کیا سنا؟'' پرنسپل صاحب نے تیز
لہجہ میں پوچھا۔

''یہی کہ اس کے ماں باپ اور خود انوار بھی لالچی سے ہیں۔ چنانچہ صرف
جہیز کی کمی بیشی کے سوال پر اس نے رشیدہ سے منگنی تڑوالی تھی۔''

''غلط ہے۔'' پرنسپل صاحب جھلا کر بولے۔ ''کسی نے بکواس کی ہے بالکل۔''
رشیدہ سے اس کی منگنی کی تنسیخ محض اس لڑکی کے چال چلن اچھا نہ ہونے کی وجہ سے تھی۔
''پتہ نہیں تمہیں ایسی غلط اطلاعات کون دیتا ہے؟''

''اور پھر جاگیر وغیرہ بھی کچھ نہیں۔ لے دے کر ایک ذاتی مکان ہے تو وہ بھی دو بھائیوں اور دو بہنوں میں تقسیم ہونا ہے۔'' نفیسہ خانم نے خالص ایک ماں کے نظریے سے سوال اٹھایا۔

''تو ہماری کون سی جاگیر ہے۔ یہی ایک کوٹھی اور موٹر اور تھوڑی سی زمین اور پھر یہ جاگیر وغیرہ والی بات ہے بھی بالکل فضول۔ قطعی احمقانہ۔ میں اس قسم کی باتیں پسند نہیں کرتا۔ ہماری سیفو کو اس قسم کی کسی چیز کی ضرورت نہ ہوگی۔''

سیفو کی حیرت اب توجہ میں تبدیل ہو رہی تھی۔ صریحاً یہ باتیں کافی اہم تھیں اور اس کے متعلق تھیں۔

''رہنے کے لیے مکان کی ضرورت بھی نہ ہوگی؟'' نفیسہ خانم نے آہستہ سے پوچھا۔

''کس قدر لغو باتیں ہیں تمہاری۔'' پرنسپل صاحب غصہ سے بولے۔

''ارے بھئی وہ ایگزیکٹو انجینئر بننے والا ہے۔ اس صورت میں ایک کوٹھی سرکاری طور پر اسے ملا کرے گی۔''

''کئی سال سے آپ کہہ رہے ہیں کہ وہ ایگزیکٹو انجینئر بننے والا ہے۔ ابھی تک تو وہ ایس ڈی او ہی ہے اور شاید انجینئر بنے گا بھی نہیں۔ میں نے سنا ہے وہ رشوت بہت لیتا ہے۔ اس صورت میں......''

''پھر وہی سنا ہے...... سنا ہے۔'' پرنسپل صاحب غصے سے گرجے۔ ''تمہاری سنی سنائی باتیں میرے نزدیک قطعاً وقیع نہیں ہیں۔ ایسی باتیں ان لوگوں نے اس کے متعلق پھیلائی ہیں جو اس کی ذہانت' قابلیت اور ہردلعزیزی سے جلتے ہیں۔ وہ حقیقت میں ایک بے حد لائق لڑکا ہے اور میرا فیصلہ اس کے متعلق وہی ہے جو پہلے تھا......'' یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ظاہر ہے اب نفیسہ خانم کے کہنے سننے کی گنجائش نہ تھی۔ وہ خاموش ہوگئیں اور پرنسپل صاحب غصے سے بھرے کمرے سے باہر نکل گئے۔

سیفو ہاتھوں میں ریشمی میز پوش پکڑے منہ میں سوئی دبائے اسی طرح بے حس وحرکت بیٹھی رہ گئی۔ جیسے سنگ مرمر کا مجسمہ ہو۔ اس کی آنکھیں خلا میں کیسی غیر مرئی چیز کو دیکھ رہی تھیں۔ اور دماغ میں خیالات کی یورش تھی۔

تو اس کی مرضی پوچھے بغیر اسے کنوئیں میں دھکیلا جا رہا ہے۔ لیکن ابا سے امید بھی تو اسی چیز کی تھی۔ یہ خطرہ تو کافی عرصہ سے تلوار کی طرح اس کے سر پر لٹکا ہوا تھا۔ حریت نسواں کے جس حد تک وہ قائل تھے اس کا ثبوت ان کے اپنی بیوی سے آمرانہ سلوک سے ملتا تھا۔ اور اب وہ اسی آمریت کو اپنی بیٹی پر آزمائیں گے۔ اور کوئی انہیں روک نہیں سکے گا۔

روکنے والا تھا بھی کون...... اس کی ماں!...... جو تمام عمر اپنے حقوق کو پامال ہوتا دیکھ کر اُف نہ کرسکی۔ وہ بیٹی کے حقوق کی حفاظت کیسے کرسکتی تھی۔

اور انوار!...... وہ گندم نما جو فروش انسان، جس کی ساری زندگی دو رخی تھی۔ تصنع اور اداکاری کا جیتا جاگتا شاہکار۔ جو دنیا کو سفید چمکتا ہوا رخ دکھاتا تھا۔ مگر دوسرا اور اس کا اصلی رخ بے حد گھناؤنا اور تاریک تھا۔

سیفو کو خوب اچھی طرح یاد تھا کہ بچپن میں طالب علمی کے زمانہ میں جب انوار انہی کے ہاں مستقلاً قیام پذیر تھا۔ تو ان دنوں بھی وہ بے حد منافق قسم کا انسان تھا۔ وہ نماز کبھی بھول کر بھی نہ پڑھتا تھا۔ مگر جب پرنسپل صاحب گھر پر ہوتے تو صرف انہیں کو دکھانے کی خاطر وضو کر کے مصلے پر کھڑا ہو جاتا تھا اور وہ اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے۔

سیفو سے وہ پانچ چھ سال بڑا تھا۔ چنانچہ اس کو تنہائی میں خوب مارتا۔ مگر پرنسپل صاحب کے سامنے اس کے آگے پیچھے پھرتا۔ سیفو! سیفو! کہہ کر اس کی خوشامد کرتا۔ وہ اس کے دکھاوے پر دانت پیس کر رہ جاتی۔ اس جادو کا کوئی توڑ اس کے پاس نہ تھا جو ہمیشہ اس کے ابا پر اثر کر جاتا۔ انوار پرنسپل جہاں زیب صاحب کے بے حد عزیز دوست اکرام حسین کا بیٹا تھا۔ اس دوستی کی وجہ سے ہی وہ انہی کے گھر بڑھا، پلا، تعلیم پائی اور جب سے وہ ایس ڈی او بن کر کمانے لگا تھا، سوائے کبھی کبھی کسی کام کے سلسلے میں آ کر پرنسپل صاحب کو سلام کر کے اور کسی چیز کا روادار نہ تھا۔ یہ طوطا چشمی سیفو کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ مگر جلے دل کے پھپھولے سوائے ماں کے آگے پھوڑنے کے وہ اس معاملہ میں قطعی بے دست و پا تھی۔ اس کا بس چلتا تو وہ ایسے کمینے شخص کو کبھی اپنے گھر میں نہ گھسنے دیتی۔ جو دوسروں کے سامنے محض اپنی قابلیت کی ڈینگیں مارا کرتا تھا۔ لیکن

دراصل صفر تھا۔ پھر اس کا اخلاقی پہلو بھی بالکل تاریک تھا۔ وہ اکثر تنہائی میں سیفو کے سامنے بہک جاتا تھا۔ بے ہودہ اشعار پڑھتا۔ آہیں بھرتا۔ سیفو! غصے سے بل کھا کر اسے کمرے سے باہر نکل جانے کو کہتی تو وہ ڈھٹائی سے ہنستا ہوا چل دیتا۔ لیکن ان باتوں کو وہ اپنے منہ سے کیسے ادا کر دیتی؟ کیسے اپنے باپ کو بتاتی جن کے نزدیک وہ تقدس اور پاکیزگی کا مجسمہ تھا۔

اسی منافق' قابل نفرت انسان کو اس کے ابا زندگی بھر کے لیے اس کا ساتھی بنانا چاہتے تھے۔ جو اسے کسی قیمت پر منظور نہیں تھا۔ وہ دیر تک اسی ادھیڑ بن میں بیٹھی رہی۔ سوچ سوچ کر اس کا دماغ شل ہوا جا رہا تھا۔ مگر کوئی راہ فرار سمجھ میں نہ آتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ جس فیصلے پر اس کے ابا اڑ جاتے ہیں دنیا کی کوئی طاقت اسے پورا کرنے سے انہیں نہیں روک سکتی تھی۔ ان کا رویہ اس گھر میں ایک مطلق العنان حاکم کا سا تھا۔ جس کے سامنے سیفو بھی ایک مجبور محض کی حیثیت رکھتی تھی۔ وہ اگر بے حد ہمت سے کام لے کر انہیں انوار کے متعلق کچھ بتاتی بھی تو اسے وہی جواب ملتا جو ابھی اس کی ماں کو ملا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ انوار کی مخالفت میں اس کی ماں اس کے ساتھ ہیں۔ لیکن ان کا ہم خیال ہونا کیا معنی رکھتا تھا۔ جبکہ فیصلہ کن بات اس کے ابا کے ہاتھ میں تھی۔ کئی تجویزیں اس کے ذہن میں بن اور بگڑ رہی تھیں۔ مگر کسی پر اس کا دماغ صاد نہ کرتا تھا۔

پھر اس نے سوچا کہ ابا کے حکم سے انحراف ناممکن ہے اور قدرت کی طرف سے کوئی معجزہ ہی ان کو اس بات سے روک سکتا ہے۔ اپنی بے بسی اور بیچارگی پر اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔ اسی وقت کسی کام کے سلسلہ میں نفیسہ خانم اندر آئیں۔ تو وہ فوراً گردن نیہوڑا کر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

نفیسہ خانم اس کو اس درجہ کشیدہ کاری میں منہمک پا کر مطمئن ہو گئیں۔ انہیں شک تھا کہ کہیں اس نے ان دونوں میاں بیوی کی حالیہ گفتگو نہ سن لی ہو۔ لیکن سیفو کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے خالی نظر آیا۔ وہ اپنا کام کر کے واپس چلی گئیں تو سیفو نے چہرہ دوسری طرف کر کے دیر سے رُکے ہوئے آنسوؤں کو دوپٹے کے دامن میں جذب کر لیا۔

✪......✪......✪

تحصیل دار اکرام حسین اور پرنسپل جہاں زیب نہ صرف خود ہم جماعت اور دوست رہ چکے تھے بلکہ ان کے کنبوں میں بھی بالکل اپنوں جیسے تعلقات تھے۔ چنانچہ ان کا بڑا لڑکا انصار مڈل کرنے کے بعد پرنسپل صاحب کے پاس ہی رہا۔ اور مزید تعلیم وہیں پانے کے بعد انہیں کی سفارش پر محکمہ جنگلات میں ملازم ہو گیا۔ اس کے بعد چھوٹے لڑکے انوار کی باری آئی۔ وہ دس سال کا تھا جب پرنسپل صاحب نے اسے اپنی تحویل میں لیا۔ سیفو ان دنوں چھوٹی سی تھی لہٰذا اس کی تعلیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پرنسپل صاحب نے اپنی تمام تر استادانہ قابلیت انوار پر لگا دی۔ دن کو وہ سکول میں پڑھتا تو رات کو یہ خود اس کو پڑھاتے۔ کورس کی کتابوں کے علاوہ انہوں نے اسے فارسی اور عربی کی اکثر کتب بھی ازبر کرا دیں تھیں۔ ریاضی میں وہ ماہر سمجھے جاتے تھے۔ اسی مضمون میں انہوں نے انوار کو بھی تیز کرنا چاہا۔ مگر وہ ان کی سرتوڑ محنت کے باوجود کبھی پاس مارکس سے زیادہ نہ لے کا۔

پرنسپل صاحب مذہب کے معاملہ میں خود جیسے بھی تھے۔ انہوں نے انوار کی تربیت میں بھی مذہب کو امتیازی حیثیت دی۔ بلاناغہ اسے قرآن پڑھاتے' نماز کی تاکید کرتے۔ وہ بھی ان کو خوش کرنے کے لیے تابڑتوڑ نمازیں پڑھتا۔ مگر اپنی فطرت کا اس کے پاس کوئی علاج نہ تھا۔ جس میں مذہب کے لیے ذرہ برابر محبت نہ تھی۔ چنانچہ جب کبھی پرنسپل صاحب گھر پر نہ ہوتے وہ سارا سارا دن گلی ڈنڈا کھیلتا' پتنگ اڑاتا اور گلی محلے کے لڑکوں کے ساتھ آوارہ پھرتا۔ پرنسپل صاحب اپنی ساری محنت کے باوجود اسے فرض شناس اور راست باز نہ بنا سکے تھے۔

سیفو بچپن سے اسے دیکھتی آئی تھی۔ چنانچہ جب وہ بڑی ہوئی تو اسے پتہ چلا

کہ خود اس کی اور انوار کی طبائع میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ انوار اب نویں جماعت میں پڑھتا اور بچپن کی عادات اب پختہ بن چکی تھیں۔ وہ بات بات پر بے ہودہ شعر پڑھتا اور فارسی کے غلط سلط حوالے دیتا۔ پرنسپل صاحب کے سامنے بے حد مہذب اور خوش اطوار بنا رہتا۔ لیکن سیفو کو اس کی عادات سے نفرت تھی۔ اس کی منافقت اسے ایک آنکھ نہ بھاتی۔ جب وہ دیکھتی کہ انوار ویسے تو اپنے پلنگ پر لیٹ کر کسی بدنام مصنف کا ناول پڑھ رہا ہے۔ ایک ہاتھ میں سگریٹ ہے۔ لیکن پرنسپل صاحب کے آتے ہی سگریٹ مسل کر جیب میں ڈال لیتا۔ ناول تکیے کے نیچے سرکا کر نوکروں پر چلانے لگتا کہ ابھی تک وضو کے لیے پانی نہیں لائے۔ تو اس کا خون کھول اٹھتا تھا۔ یہ بات بھی نہیں کہ انوار کو پرنسپل صاحب کا لحاظ تھا۔ وہ ان کی پیٹھ پیچھے ان کے نظریات کا مذاق اڑاتا تھا۔ لیکن چونکہ اس کے مستقبل کی باگ ڈور انہیں کے ہاتھ میں تھی لہٰذا اپنی ان مکاریوں سے وہ ان کو قابو میں رکھتا۔ سیفو اور اس کی امی کا ذرہ برابر لحاظ نہ کرتا۔ بلکہ کسی وقت تو نفیسہ خانم کو ترکی بہ ترکی جواب دیتا۔ لیکن پرنسپل صاحب کے سامنے وہ بالکل بھیگی بلی بن جاتا۔ نفیسہ خانم خود اسے بالکل پسند نہیں کرتی تھیں۔ لیکن انوار کو یہ راز معلوم تھا کہ یہ ہزار ناپسند کریں اس سے کیا ہوتا ہے۔ اسے ان کے شوہر کی خوشنودی چاہیئے تھی۔ جو اسے سو فیصد حاصل تھی۔

سیفو جب عمر کے اس حصہ میں آئی کہ حالات اور واقعات کو اچھی طرح پرکھ سکے تو اس نے یہی بہتر سمجھا کہ انوار کو بالکل نظر انداز کر دے۔ وہ اس کی عادات درست نہ کر سکتی تھی۔ اور نہ اس کے بارے میں اپنے ابا کی رائے کو بدل سکتی تھی۔ لہٰذا اس نے خود انوار کو کوئی اہمیت نہ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ انوار! سیفو کے اس رویے سے بہت جز بز ہوا۔ جب وہ دیکھتا کہ نفیسہ خانم کے عہد میں تو اسے گھر بار نوکروں وغیرہ پر پورا حکم حاصل تھا۔ لیکن اب سیفو نے خود جائز حاکم بن کر اسے اس کی پوزیشن سے گرا دیا ہے تو اسے آگ لگ جاتی۔ لیکن اس بارے میں وہ بے بس تھا۔ سیفو پرنسپل جہاں زیب کو بہت پیاری تھی۔ اس کے خلاف وہ کسی طرح کا محاذ نہیں بنا سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے خوب سوچ کر ایک نئی چال چلی۔ اس نے خود سر لڑکی پر محبت کا جال پھینکنا شروع کیا۔ لیکن ہر بار اسے ناکامی ہوئی۔ وہ اس کی محبت آمیز باتوں کو جو تھیٹرانہ رنگ میں ہوتیں

مذاق میں اڑا دیتی۔ کسی وقت ڈانٹ بھی دیتی۔ ادھر سے مایوس ہو کر اب انوار کے لیے ایک ہی بات حوصلہ افزا تھی۔ وہ تھی پرنسپل صاحب کی اس کے بارے میں اچھی رائے۔ وہ اس زینے کے سہارے سیفو کی بلندیوں کو چھو سکتا تھا۔

یہ بات نہیں کہ اسے سیفو سے محبت تھی۔ ہرگز نہیں بلکہ وہ صرف ایک مشہور باعزت اور دولت مند آدمی سے ناطہ جوڑنا چاہتا تھا۔ تاکہ لوگوں کی نظر میں اس کے خاندان والوں کا جو وقار گر چکا تھا۔ اسے پھر اپنی جگہ پر لائے۔ کیونکہ یہ بات سب کو معلوم تھی کہ اکرام حسین کے بیٹوں کو اگر پرنسپل جہاں زیب اپنی سرپرستی میں نہ لیتے تو وہ کسی صورت پٹواری کے عہدے سے آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔ یہ انہیں کا فیض تھا کہ بڑا لڑکا انصار اب محکمہ جنگلات میں ایک اچھی پوسٹ پر ملازم تھا اور تیس ہزار تنخواہ لیتا تھا۔ اس کی اور بڑی لڑکی حفیظہ کی شادیاں پرنسپل صاحب کی وسیع دوستی کے باعث اچھے گھروں میں ہو گئی تھیں۔ اور اب انوار کے لیے بھی وہ کسی اچھی ملازمت کی تلاش میں تھے۔

تحصیلداری کے زمانہ میں اکرام حسین بے حد رشوت لیتے تھے۔ مگر حرام کی اس کمائی میں برکت نہ ہوئی۔ چنانچہ اپنی پینتیس سالہ سروس میں وہ صرف ایک مکان بنا سکے اور بس۔ باقی جو کچھ کمایا کھانے پینے میں اڑا دیا۔ اب محض پنشن پر گزارا تھا۔ یا باپ دادا کے وقتوں کی تھوڑی سی زمین تھی۔ اس کی پیداوار کی بدولت وہ اپنی متوسط حیثیت قائم رکھے ہوئے تھے۔

پرنسپل صاحب کے گھرانے کے ساتھ ہمیشہ ان کے تعلقات بہت اچھے رہے۔ سال میں ایک مرتبہ تو ضرور ان کا کنبہ جہاں زیب کے گھر جا کر رہتا۔ ماشاء اللہ دو بیٹے‘ دو بیٹیوں‘ ان کے بال بچوں اور ماں باپ کا یہ قافلہ تھوڑا نہیں تھا۔ پھر رہتے بھی کم سے کم دو‘ تین مہینے‘ مگر نفیسہ خانم کا ظرف اتنا بڑا تھا کہ ان کی خاطر تواضع میں کبھی کمی نہ آنے دیتیں۔ اکرام حسین اور ان کے کنبے کا یہ سالانہ ورود کسی خلوص کی بنا پر نہ ہوتا تھا۔ بلکہ محض اس لیے کہ چلو دو ماہ کا راشن ہی بچ جائے گا۔ اور سیر و تفریح مفت کی رہے گی۔ ان کا سارا کنبہ خود انہیں کی طرح بے حد سیاست دان تھا۔ بیوی‘ نفیسہ خانم کو بہن کہہ کہہ کر اپنی پسند کی ساڑھیاں لے لیتی تو بیٹیاں چچی اور چچا جان کا ورد کر کے بھی

ان کی موٹر موقعہ بے موقعہ اڑائے پھرتیں تو کبھی پکنک کے بہانے ان کا کافی روپیہ ضائع کراتیں۔ لیکن وہ لوگ خود اس قدر چالاک تھے کہ اپنا ایک پیسہ بھی خرچ نہ کرتے۔ نفیسہ خانم جانتی تو سب کچھ تھیں۔ مگر میاں سے کہنے کا حوصلہ نہ تھا۔ کیونکہ وہ بری طرح اپنے دوست اور اس کی اولاد پر فدا تھے۔ لیکن سیفو جب بڑی ہوئی تو اس نے اس لوٹ کھسوٹ کو بڑی عقلمندی سے روکا۔ اب وہ لوگ خود ان کے ہاں آ کر تو نہ رہتے تھے مگر انوار کو مستقلاً انہیں کے سر پر سوار کر رکھا تھا۔ پرنسپل صاحب کی کمزوری انہیں معلوم تھی۔ وہ خوشامد کو پسند کرتے تھے اور یہ ہر وقت ان کی تعلیم و تربیت کی شان میں قصیدے پڑھ پڑھ کر انہیں یقین دلاتے کہ انوار تو بس آپ کا ہو چکا۔ اس کا تعلیمی معیار، اخلاق و عادات اور نظریات اس قدر بلند ہو چکے ہیں کہ وہ ہم میں تو اب کھپ ہی نہیں سکتا۔ یہ آپ ہی کا فیضان ہے کہ اسے ذرے سے آفتاب بنا دیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور گو یہ بات زبانی طور پر اب تک نہ ہوئی تھی۔ تاہم پرنسپل صاحب خود بھی سیفو کے لیے انوار کو پسند کرتے تھے اور انوار کے گھر والے تو ان کی کوٹھی اور موٹر کو ابھی سے اپنا سمجھنے لگے تھے۔

انوار فارغ التحصیل ہو کر نکلا تو پرنسپل صاحب کی سفارش سے فوراً اوورسیر اور کچھ ہی عرصہ میں ایس ڈی او بھی ہو گیا۔ مگر اتنے ہی سے اس نے اپنے آپ کو شہنشاہ سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ بہت کرم کرتا تو کبھی آ کر پرنسپل صاحب کو صورت دکھا دیتا۔ ورنہ ان کی پیٹھ پیچھے اب وہ انہیں اپنا محسن تک ماننے کو تیار نہیں تھا۔ مزاج چونکہ لڑکپن سے عاشقانہ تھا۔ لہٰذا ادھر ادھر نظر بازی بھی کرنے لگا۔ تاہم دور اندیشی کی بنا پر وہ سیفو کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہتا تھا۔ اس لیے چاپلوسی سے کام لیتا تھا۔

گزشتہ دنوں اس نے رخصت لی تو اکرام حسین کے مجبور کرنے اور پرنسپل صاحب کے بار بار لکھنے پر اس نے وہاں جانے کا فیصلہ کر لیا اور اپنی آمد کا تار دے دیا۔

سیفو اپنے کمرے میں تپائی کے قریب کھڑی بیضوی شکل کے سفید گلدان میں عقیق کے نارنجی پھول سجا رہی تھی۔ اور ساتھ ساتھ گنگنا بھی رہی تھی۔ پچھلے مہینہ اس کا میٹرک کا رزلٹ نکلا تھا۔ اور وہ فسٹ ڈویژن میں پاس ہوئی تھی۔ یہ چیز نہ صرف پرنسپل صاحب اور نفیسہ خانم کے لیے بے حد مسرت کا باعث تھی۔ بلکہ وہ خود بھی اس دن سے بہت خوش تھی۔ ارباب علم کا کہنا ہے کہ میٹرک تعلیم کا دروازہ ہے۔ وہ اس میں داخل

ہوگئی تھی۔ اور اب مستقبل کے وسیع امکانات اس کے سامنے تھے۔ گوعلی پور میں رہ کر وہ اپنی یہ خواہش پوری نہ کر سکتی تھی۔ کیونکہ یہاں صرف لڑکوں کے لیے کالج تھا۔ لڑکیوں کے لیے محض ہائی سکول ہی کافی سمجھا گیا تھا۔

نرم نرم سروں میں ساحر کا کوئی مصرع گنگناتے ہوئے سیفو نے دوپٹہ درست کیا جو نیچے قالین پر لوٹ رہا تھا۔ اور ذرا ایک طرف ہو کر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔

''ارے بھئی تم کدھر ہو سیفو بیٹی! تمہاری امی کہاں ہیں؟'' پرنسپل صاحب صحن میں کھڑے ہو کر پکارے۔ سیفو نے اپنے والد کی آواز سنی تو جلدی سے باہر نکل آئی۔

''ابا جان! کوئی کام ہے تو مجھے بتائیے۔ امی تو اندر نماز پڑھ رہی ہیں۔''

''کچھ نہیں بیٹی! کہنا یہ تھا کہ آج شام کی گاڑی سے انوار آ رہا ہے۔ اپنی امی کو بتا دینا۔ میں ذرا علی بخش کو موٹر سٹیشن پر لے جانے کے لیے کہہ آؤں۔'' پرنسپل صاحب یہ کہہ کر باہر چلے گئے۔ مگر سیفو سوچ میں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ کیا ابا جان نے اسے بلایا ہے۔ یا وہ خود آ رہا ہے۔ ان کی آمد کی وجہ کیا وہی ہے جس کے بارے میں ابا نے امی سے باتیں کی تھیں؟ وہ دل ہی دل میں الجھ رہی تھی کہ نفیسہ خانم آ گئیں۔

''بیٹی! کیوں کھڑی ہو یہاں۔'' انہوں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر پوچھا۔

''تمہارے ابا کیا کہہ رہے تھے؟''

سیفو نے گھوم کر ماں کو دیکھا اور سر جھکا کر بیزاری سے بولی۔ ''وہ کہہ رہے تھے کہ آج شام کو انوار آ رہا ہے۔ آپ اس کے کھانے' پینے اور رہائش کا انتظام کر لیجئے۔'' اس نے آہستہ سے بات ختم کی اور بوجھل قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ نفیسہ نے بیٹی کے چہرے پر کوفت کے آثار دیکھ لیے تھے۔ مگر وہ خود مجبور تھیں۔ ان کا بس چلتا تو وہ کسی ایسے شخص کو اپنے گھر نہ آنے دیتیں جو سیفو کی پریشانی کا باعث بنے۔ ان کے منہ سے ایک سرد آہ نکل گئی۔ اور کچھ سوچتے ہوئے انہوں نے باورچی خانے کا رخ کیا۔

شام کو انوار کا کافی انتظار کرنے کے بعد پرنسپل صاحب اپنے کنبے سمیت کھانے کی میز پر بیٹھے ہی تھے کہ باہر سے ہارن کی آواز آئی۔

''میرا خیال ہے انوار! آ گیا۔'' پرنسپل صاحب یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر جانے لگے۔ بادل نخواستہ نفیسہ خانم بھی شوہر کے پیچھے چلیں۔ لیکن سیفو وہیں بیٹھی رہی۔ بلکہ اپنی پلیٹ میں چاول اور سلاد ڈال کر اس نے بڑے اطمینان سے کھانا شروع کر دیا۔

پردہ ہٹا اور خوشی سے منور چہرہ لیے پرنسپل صاحب داخل ہوئے۔ انوار ان کے ساتھ تھا۔ اور نفیسہ خانم عقب میں چلی آ رہی تھیں۔ سیفو نے بڑی بے نیازی سے بیٹھے بیٹھے ہی انوار کو سلام کیا۔ اس نے جوب دیتے ہوئے کہا۔

''واہ بھئی ہمارا انتظار بھی نہیں کیا۔ اور کھانا شروع کر دیا۔''

سیفو نے دیوار پر لگے ہوئے کلاک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ذرا وقت تو دیکھئے ہمارے ہاں آپ جانتے ہیں ساڑھے آٹھ بجے کھانا کھایا جاتا ہے۔ آپ کے انتظار میں ہم نے ساڑھے نو بجائے ہیں۔''

پرنسپل صاحب ہنس رہے تھے۔ ''بیٹھو انوار! ورنہ سیفو سے بحث کرتے رہے تو کھانا بھی نہ کھا سکو گے۔'' انہوں نے شفقت سے کہا۔

''جی شکریہ۔ بیٹھتا ہوں۔'' انوار نے بڑے تکلف سے پرنسپل صاحب کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

پھر انوار سیفو سے مخاطب ہوا۔ ''گاڑی لیٹ ہو جائے تو آدمی کا کیا اختیار۔ یہ تو ایک قسم کی مجبوری ہی سمجھو۔ سائنسدانوں نے گاڑی ایجاد تو کر لی۔ مگر اس کے لیٹ ہو جانے کو نہ روک سکے۔''

یہ کہہ کر انوار نے قہقہہ لگا کر داد طلب نظروں سے پرنسپل صاحب کو دیکھا۔ گویا کوئی نہایت لطیفہ کی بات کہہ دی ہو۔ وہ بھی ہنس پڑے۔

''یہ تو ٹھیک کہتے ہو۔ گاڑی کی اس حماقت کا کوئی علاج اب تک دریافت نہیں ہو سکا۔''

سیفو سنجیدگی سے کھانے میں مصروف رہی۔ اسے انوار کی بے سروپا باتوں سے بخت کوفت ہو رہی تھی۔

''انوار بیٹے! اس دفعہ تم نے رخصت بہت تھوڑی لی ہے۔ کیا کام زیادہ ہوتا

ہے؟'' پرنسپل صاحب نے پوچھا۔ انوار کے منہ میں لقمہ بھرا ہوا تھا۔ وہ چند سیکنڈ کچھ نہ بول سکا۔ جلدی جلدی منہ چلاتے ہوئے اس نے لقمہ ختم کیا۔ اور پھر بڑے انداز سے ابرو چڑھا کر کہنے لگا۔ ''جی وہ تو آپ جانیں۔ اتنا کام ہوتا ہے کہ سر کھجانے کی مہلت نہیں ملتی۔ دراصل وہ لوگ میرے بغیر کچھ عالم بے عمل سے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ مجھ پر تو وہی مصرع صادق آتا ہے

''اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی''

یہ کہہ کر وہ بڑی انکساری سے ہنسے۔ سیفو اور نفیسہ خانم پر ایک نگاہ ڈالی اور پھر سے کہنا شروع کیا۔ ''ابھی اگلے روز کی بات ہے۔ ہمارے ایس ای شبیر حسن صاحب نے مجھے بلایا اور کہنے لگے۔ انوار تم جانتے ہی ہو کہ تم جیسا کارگزار اور ذہین شخص ہمارے پاس اور کوئی نہیں۔ مشرقی نہر سیلاب کی وجہ سے خطرے میں ہے اگر کچھ کر سکتے ہو تو کرو۔ جی تو چاہا کہہ دوں کہ اپنے چہیتے منور سے کروائیے یہ کام۔ جسے آپ نے مجھ پر فوقیت دے کر ترقی دی ہے۔ مگر چپ رہا۔ آپ جانتے ہیں یہ میری کمزوری ہے کہ بزرگوں کی بات نہیں ٹال سکتا۔ وہ تو اپنے افسر بھی تھے۔ لہٰذا حامی بھر لی کہ سچویشن کو جیسے بھی بن پڑا سنبھال لوں گا۔ لیکن آپ جانتے ہیں اس نہر پر بند باندھنا کوئی خالہ جی کا گھر تو نہیں تھا۔ بڑی سرکش نہر ہے۔ بڑے بڑوں کے چھکے چھڑا دیئے ہیں اس نے۔ سینکڑوں مزدور لگوائے مگر کچھ نہ بنا۔ آخر ایک ترکیب اس ہیچ مدان کی سمجھ میں آئی۔ جس نے خطرہ ٹال دیا۔

یہ کہہ کر انہوں نے دزدیدہ نظروں سے سیفو کی طرف دیکھا۔ مگر وہ جذبات سے عاری چہرہ لیے چاولوں پر شوربہ ڈال رہی تھی۔ انوار کے جوش و خروش میں ذرا کمی آ گئی۔

''کیا ترکیب تھی وہ؟'' پرنسپل صاحب جو بڑے غور سے سب کچھ سن رہے تھے بولے۔

''انوار نے بے دلی سے اپنی پلیٹ میں لوکی کا مزیدار حلوہ ڈالتے ہوئے کہا۔

''میں نے اردگرد کے دیہات میں ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ جو شخص ایک بوری ریت کی لائے گا اسے نصف بوری گڑ کی ملے گی۔ آپ جانیں دیہاتیوں کو گڑ جان سے

بھی پیارا ہوتا ہے۔ بس جناب پھر کیا تھا۔ ایک دو دن میں ریت کی بوریوں کے انبار لگ گئے۔ گڑ کی سینکشن میں نے گورنمنٹ سے لے ہی لی تھی۔ وہ ان کو تقسیم کر دیا گیا۔ بوریاں پانی میں پھینک پھینک کر بند باندھا جو اتنا مضبوط ثابت ہو کہ پانی کے زوردار اور شدید ترین ریلوں کے آگے بھی ٹس سے مس نہ ہوا۔ اور اس طرح سیلاب کا خطرہ ٹل گیا۔

''بہت اچھی ترکیب تھی یہ۔'' پرنسپل صاحب اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے بولے۔

''اس کارنامے پر تو تمہیں حکومت کی جانب سے انعام ملنا چاہئے تھا۔'' وہ حسب معمول انوار کی اس گپ پر بھی ایمان لے آئے تھے۔ عالمانہ کتب کے مطالعہ سے انہیں فرصت ہی نہیں ملتی تھی کہ اپنے فارغ وقت میں ذرا اخبار ہی پڑھ لیا کرتے۔ کبھی کبھار دل چاہتا تو سرسری سا دیکھ لیتے تھے اور بس۔ لہٰذا کرنٹ افیئرز کے بارے میں ان کی معلومات بس یونہی سی تھیں۔ لیکن سیفو اس کے برعکس اخبار کی اس قدر شائق تھی کہ ہر قسم کی خبریں تقریباً اسے زبانی یاد ہوا کرتی تھیں۔ چنانچہ اس وقت بھی وہ نہ رہ سکی اور بولی۔

''لیکن انوار بھائی! میں نے تو پڑھا ہے کہ یہ شہرہ آفاق تجویز انجینئر شفیق احمد کی تھی۔''

انوار ایک لمحہ کے لئے گھبرا گیا۔ لیکن پھر فوراً ہی سنبھل کر بولا۔ ''ہاں صاحب اخباروں میں تو اسی کا نام آیا تھا۔ بڑا افسر جو تھا۔ ہم چھوٹے افسروں کو کون پوچھتا ہے۔ ویسے یہ تجویز میری تھی۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو۔'' پرنسپل صاحب سر ہلا کر بولے۔ ''آج کل تو یہی صورتحال ہے کرے کوئی اور نام کسی کا ہو۔'' وہ ان لوگوں میں سے تھے جو حکومت پر بغیر سوچے سمجھے نکتہ چینی کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

''جی ہاں۔'' انوار نے بڑی قناعت سے کہا۔ ''لیکن میں نے تو یہ کام حب الوطنی کے مقدس جذبے کے تحت کیا تھا۔ مجھے اس کے صلے کی نہ کوئی خواہش تھی نہ ضرورت۔''

یہ کہہ کر انہوں نے اس طرح ابرو چڑھائے۔ اور بے نیازی ظاہر کرنے کی خاطر یوں منہ بنایا کہ چہرہ تکونا بن گیا۔ سیفو بڑے غور سے انوار کی صورت دیکھ رہی تھی۔ یہ حلیہ دیکھ کر اسے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ اس نے روکنا چاہا تو اچھو لگ گیا۔ سب اس طرف متوجہ ہو گئے۔ پرنسپل صاحب نے پانی کا گلاس بیٹی کی طرف بڑھایا۔ نفیسہ خانم اس کی پیٹھ ہولے ہولے تھپکنے لگیں۔ انوار ہونقوں کی طرح منہ کھولے پہلے تو اسے دیکھتے رہے۔ پھر آنکھیں گھما کر بڑے بزرگانہ لہجے میں فرمایا۔

''کھانا کھانے میں ہمیشہ احتیاط کرنی چاہیے۔ ورنہ پھر اسی طرح اچھو لگتا ہے۔''

سیفو میز پر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔

''بیٹی! تم نے تو پورا کھانا بھی نہیں کھایا۔'' پرنسپل صاحب نے محبت سے کہا۔ ''اور ابھی سے چل دیں۔''

''ابا جان! میں کھانا کھا چکی ہوں۔'' سیفو نے کہا۔ ''آپ کے آنے سے پہلے شروع کیا تھا۔''

''چینی منگوائے دیتی ہوں وہ کھا لو۔ ذرا گلا ٹھیک ہو جائے گا۔'' نفیسہ خانم بولیں۔

''کرم داد سے منگا کر کھا لوں گی۔'' یہ کہہ کر وہ باہر چلی گئی۔ انوار کی نگاہوں نے حدِ نظر تک اس کا تعاقب کیا۔ تھوڑی دیر خاموش رہ کر انہوں نے پھر ڈینگیں ہانکنا شروع کر دیں۔

✪......✪......✪

سیفو کوٹھی کی دوسری منزل پر بالکونی میں جنگلے کا سہارا لئے گردوپیش کے مناظر کو دیکھ رہی تھی۔ گزشتہ رات کی بارش سے تمام پیڑ دُھلے دُھلے سے نظر آ رہے تھے۔ پھولوں کے تختوں پر نکھار اور تازگی تھی۔

سیفو سوچ رہی تھی کہ خدا جانے انوار کی چھٹی کب ختم ہو گی اور وہ کب واپس تشریف لے جائیں گے۔ یہ شخص مستقلاً اس کے لیے کوفت کا باعث بنا ہوا تھا۔ کبھی اسے مزید تعلیم کا ارادہ ترک کرنے کا مشورہ دیتا' کبھی اس کے جوتوں اور کپڑوں پر اعتراض کرتا' کبھی بالوں کے سٹائل پر نکتہ چینی کرتا تو کبھی اس کی اپنی جانب سے لاپروائی برتنے کو ہدف تنقید بناتا۔ غرض ہمہ وقت ایک عذاب کی طرح اس پر مسلط رہتا۔ وہ دل ہی دل میں انوار پر جھنجلا رہی تھی کہ سیڑھیوں میں کھٹ پٹ کی آواز آئی۔ اس کی توجہ ادھر ہو گئی۔ لیکن یہ کوئی مردانہ چاپ نہ تھی بلکہ اونچی ایڑھی کی تیز اور واضح آواز تھی۔

سیفو جنگلے کا سہارا چھوڑ کر آگے بڑھی ہی تھی کہ تیزی سے اوپر آتی ہوئی عافیہ سے اس کی ٹکر ہوئی۔ یہ اس کی نہایت عزیز سہیلی تھی۔

''یا وحشت کیا بالکل ہی جنگلی ہو گئیں؟'' سیفو نے اپنا ماتھا سہلاتے ہوئے کہا۔

جواب میں عافیہ اس کے گلے سے لپٹ گئی۔ ''تم تو بالکل عید کا چاند ہو کر رہ گئی ہو سیفو! میں نے سوچا خود ہی جا کر تم سے مل آؤں۔ ایمان سے آنکھیں ترس گئیں۔'' وہ بولی۔

''میرا بھی یہی حال تھا۔'' سیفو اس کا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں جاتی ہوئی بولی۔ ''بہت دنوں سے تمہارے ہاں آنے کا سوچ رہی ہوں۔ مگر آج کل ایک حضرت

ہمارے ہاں براجمان ہیں۔ ان کی موجودگی سے جو کوفت ہوتی ہے اس کی وجہ سے کہیں آنے جانے کا موڈ ہی نہیں رہا۔ ناک میں دم آ گیا ہے۔''

''ارے ہاں واقعی۔'' عافیہ نے سیفو کے ساتھ ہی دیوان پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''نیچے ایک محترم سے ہماری مڈبھیڑ ہو گئی تھی۔ غالباً وہی ہوں گے۔''

''اچھا؟'' سیفو ہنس پڑی۔ ''تبھی تم ڈاک گاڑی کی رفتار سے اوپر آ رہی تھیں۔ دم پھلا ہوا۔ بال پریشان' چہرے پر تمتماہٹ''

''جی ہاں آپ تو خوش ہو رہی ہوں گی۔'' عافیہ نے تیوری چڑھائی۔

''قسم خدا کی صرف اسی خیال سے چھوڑ دیا ان حضرت کو کہ تمہارے مہمان ہیں۔ ورنہ ایسا ہاتھ دیتی منہ پر کہ چودہ طبق روشن ہو جاتے۔''

''اچھا تو کوئی ایسی بات ہو گئی تھی؟'' سیفو نے بدستور ہنستے ہوئے کہا۔ ''مگر ہوا کیا آخر؟''

''ہوتا کیا۔'' عافیہ منہ بنا کر بولی۔ ''جونہی میں کار سے اتر کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی' یہ کسی کونے سے نکل کر سامنے آ کھڑے ہوئے۔ صورت اجنبی تھی۔ میں نے چہرے پر نقاب گرا لیا تو کہتے کیا۔ عافیہ غصے سے خاموش ہو رہی۔

سیفو برابر ہنس رہی تھی۔ عافیہ نے اس کی طرف دیکھ کر ملامت آمیز انداز میں کہا۔

''سخت بدتمیز ہو تم۔ بھلا غضب خدا کا میری اتنی توہین اس نے کی اور تم ہنس رہی ہو۔''

''شعر پڑھا ہو گا کوئی۔'' سیفو نے ہنسی روکتے ہوئے کہا۔ اس کا چہرہ گلابی ہو رہا تھا۔

''جی ہاں بڑے ایکٹرانہ انداز سے منہ اٹھا کر فرمانے لگے

اب اس کے بعد تو رُخ سے نقاب اٹھ جائے
کہ دیکھ لی تری زلفوں کی برہمی میں نے

سیفو ہنسی سے بے تاب ہوتے ہوئے بولی۔ ''بھئی شعر تو لاجواب پڑھا اب بھی تم ناراض ہو تو سراسر زیادتی ہے۔''

''عافیہ کھسیانی ہو کر خود بھی ہنسنے لگی۔ ''مگر یہ ہیں کون حضرت؟''

''انوار!......''سیفو نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''اچھا؟'' عافیہ نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کہا۔ ''تو یہ وہ صاحب ہیں جن کے تم قصیدے پڑھا کرتی تھیں۔ مگر یہ کس سلسلے میں آئے ہیں؟'' اس نے شرارت سے کہا۔

''معلوم ہوتا ہے کچھ گڑبڑ ہے۔ ٹھیک کہہ رہی ہوں نا......؟'' اس نے سیفو کی آنکھوں میں جھانکا۔

''تم سے کیا پردہ۔'' سیفو نے دلگیر لہجے میں جواب دیا۔ ''یہ حضرت اسی مقصد کے لیے آئے ہیں۔ جو تم سمجھ رہی ہو۔''

''یعنی تمہارے خواستگار بن کر آئے ہیں؟'' عافیہ نے ہنس کر کہا۔

'' بکو مت۔''سیفو نے جھنجلا کر کہا۔

''بکیں کیسے نہیں۔'' عافیہ چمک کر بولی۔ ''انہی انوار بہادر! کی خاطر تو تم نے ہم نیاز مندوں کو بھی بھلا رکھا ہے۔ نہ کہیں آنا جانا نہ کچھ۔''

''سب کچھ جان کر بھی انجان بنو تو اس کا کیا علاج۔'' سیفو نے افسردگی سے کہا۔ ''میں تو سمجھتی تھی تم کچھ اس مشکل کا حل بتاؤ گی جس میں، میں گرفتار ہوں مگر تم......''

''کیا واقعی کوئی خطرناک بات ہے؟'' عافیہ اک دم سنجیدہ ہو گئی۔

''ہاں......'' اور سیفو نے اپنے ابا اور امی کی وہ باتیں جو اس نے اپنے کمرے سے سنی تھیں عافیہ کو بتا دیں۔ ''اور تم تو جانتی ہی ہو۔'' وہ پریشان لہجے میں بولی۔ ''میں ابا جان کے سامنے زبان تک نہیں ہلا سکتی۔ یہ ٹھیک ہے انہوں نے مجھے لاڈ پیار سے پالا مگر لڑکے اور لڑکی کا فرق وہ کبھی نہیں بھولے۔ ہمیشہ کہتے تھے کہ کاش بیٹی کی بجائے مجھے خدا نے بیٹا دیا ہوتا تو اپنی تمام حسرتیں نکالتا۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنے دوستوں کے لڑکوں کو پڑھانے میں اپنے ارمان نکالے۔ لڑکیوں کے لیے تو وہ تعلیم بھی صرف میٹرک تک کافی سمجھتے ہیں۔ اس سے زیادہ آزادی دینے کے وہ روادار نہیں۔'' سیفو نے رنج سے کہا۔

عافیہ ٹھوڑی کے نیچے ہتھیلی رکھے سوچ میں گم تھی۔ اس نے نگاہ اٹھا کو سیفو کو دیکھا۔

''تو کیا واقعی تم انوار! سے اسی قدر بیزار ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''کیا خوب۔'' سیفو نے جھنجھلا کر کہا۔ ''تمہارا بھی وہی حال ہے۔ ساری رات داستان سناتے رہے اور اب پوچھتی ہو زلیخا مرد تھی یا عورت۔ کیا تم نے اس کے بارے میں میری زبانی سے جو جو باتیں سنی ہیں وہ اس کی نااہلیت بتانے کے لیے کافی نہ تھیں۔ یا دور کیوں جاؤ۔ آج ہی اس کے شعر پڑھنے پر تم جو سیخ پا ہوئی ہو تو کیوں...... عافی! وہ شریف انسان ہے ہی نہیں۔ مگر ابا جان پر تو اس نے جادو کر رکھا ہے۔ انہیں کون سمجھائے۔ وہ ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی۔

''ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔ حضرت کو شرافت چھو نہیں گئی۔'' عافیہ بولی۔

''ہماری طبیعت میں خودداری اور ایک آن بان ہے۔ جب کہ انوار صاحب! ایک ہی بے غیرت ہیں۔ تم تمکنت اور پندار کی تصویر ہو تو وہ......''

''خیر اب میری شان میں قصیدہ تو پڑھو نہیں۔'' سیفو نے کہا۔ ''میں نے یہی سوچا کہ مزید تعلیم کے بہانے کچھ مہلت حاصل کر لوں گی۔ اسی عرصے میں شاید حالات پلٹا کھا جائیں لیکن......''

''تو اس میں مصیبت کونسی ہے؟'' عافیہ نے بالوں کی لٹ پیچھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ ''کیوں نہیں چچا جان سے اس بارے میں بات کرتیں؟''

''اس لیے کہ میں جانتی ہوں کہ وہ کبھی نہ مانیں گے۔'' سیفو نے اداسی سے کہا۔ ''کیا میں نے تمہیں بتایا نہیں وہ لڑکیوں کے لیے مزید تعلیم کے مخالف ہیں۔''

''بھئی تم کہہ کر تو دیکھو۔ کیا خبر مان جائیں۔'' عافیہ بولی۔

''خیر کہوں گی تو سہی لیکن سوچتی ہوں اگر انہوں نے انکار کر دیا تو۔''

''تو پھر کوئی نیا طریقہ سوچیں گے۔'' عافیہ نے لاپروائی سے کہا۔ ''ابھی میں گھر جا کر کچھ بادام وغیرہ کھاؤں گی۔ دماغ میں کچھ تازگی آ جائے گی اس سے ممکن ہے کوئی لاجواب ترکیب سوجھ جائے۔''

سیفو مسکرا دی۔ ''تم نہیں جانتیں عافی! اس شخص کا کردار کتنا گرا ہوا ہے۔ کئی دفعہ تنہائی میں مجھ سے بے سروپا باتیں کر چکا ہے۔ شعر ان کے علاوہ قابلیت صفر ہے۔ مگر دکھاوے کی باتیں کرنا خوب آتی ہیں۔ انہی چکنی چپڑی باتوں سے تو ابا جان کو رام کر رکھا ہے۔''

''تعجب ہے چچا جان کی تربیت بھی اس پر کوئی اثر نہ کرسکی۔ تم کہتی ہو بچپن سے تمہارے ہاں رہا ہے۔ پھر بھی یہ حال ہے۔ حالانکہ جمال ہمنشیں ضرور اثر کرتا ہے۔'' عافیہ نے کہا۔

''لیکن جہاں خمیر ہی غلیظ مٹی سے اٹھایا گیا ہو۔'' سیفو نے حقارت سے کہا۔

''ہاں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ابا جان کی صحبت نے ہمیشہ مٹی کو سونا بنایا۔ مگر ان کی قسمت میں کوئی اچھائی نہ تھی۔ اس لیے کہ فطرت ہی بری ہے۔ ابھی تم ان کی جسارت دیکھ ہی چکی ہو۔''

''لعنت کمبخت پر۔'' عافیہ کا پارہ پھر سے چڑھ گیا۔ ''دل چاہتا ہے چچا جان کو بتا دوں مگر شرم آتی ہے۔''

''یہی لحاظ تو میری زبان بھی پکڑ لیتا ہے ورنہ اب تک ان صاحب کی درگت بن چکی ہوتی۔ ابا جان کے ہاتھوں۔'' سیفو نے کہا۔ ''مگر کیا کروں۔ ایسی بات زبان سے نکل ہی نہیں سکتی۔''

''اچھا خیر سوچیں گے اس بارے میں۔'' عافیہ نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔ ''اب چلوں' مجھے ذرا نمائش دیکھنے بھی جانا ہے۔ چلو گی؟''

''اونہوں ایسی نمائش کا مجھے کوئی شوق نہیں۔'' سیفو نے کہا۔

''یہ نمائش تھوڑی ہے۔ سالانہ میلہ ہے جو حضرت پیر گنجے شاہ کے مزار پر ہر سال منعقد ہوتا ہے۔ اسی میں کچھ مقامی صنعتوں وغیرہ کے دکھانے کی اپج بھی کر لیتے ہیں اور بس۔''

''چلو خیر تھوڑی دیر کی رونق ہی سہی۔'' عافیہ نے اکتاہٹ سے کہا۔ ''مگر میں نے تو سنا ہے وہاں جھولے بھی پڑے ہیں۔ سرکس اور فلم شو بھی ہوگا۔ محفل موسیقی بھی منعقد ہوگی۔''

سیفو ہنس دی۔ ''تم لوگ چونکہ دو ہی سال سے یہاں ہو۔ ہماری طرح ادھر کے طور طریقوں سے واقف نہیں۔ یہ مجھ سے پوچھو۔ بچپن میں یہ ساری چیزیں دیکھ چکی ہوں۔ اس قدر ہلڑ مچتا ہے کہ حد نہیں۔ کسی چیز میں متانت اور وقار نہیں۔ مشاعرہ یا محفل موسیقی ہو تو سارے جہان کے نقال اور بھانڈ جمع کر لیتے ہیں۔ بہت ہوا تو آٹھ دس

قوال بھی بلوا لیے۔ اور ساری رات دھما چوکڑی مچائی۔ فلم شو جو ہوتے ہیں تو حضرت نوح علیہ السلام کے وقت کی بوسیدہ پکچریں سکرین پر دکھائی جاتی ہیں۔ جن کے مکالمے تو سنائی نہیں دیتے جاؤ دیکھ آؤ۔ پھر اپنی رائے سے مطلع فرمانا۔'' سیفو نے بیٹھے بیٹھے کاہلی سے پاؤں جھلاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''بھئی کیا کریں؟'' عافیہ نے شکایتاً کہا۔ ''جب تک پڑھائی اور امتحان کا چکر تھا کسی چیز کا ہوش ہی نہیں آیا۔ اب جبکہ وہ سنہرا زمانہ آیا ہے کہ رزلٹ آؤٹ ہو چکا ہے۔ اور پاس ہو کر بے فکر بیٹھے ہیں تو ہماری قسمت سے سینما میں اس قدر ردی پکچریں لگ رہی ہیں کہ حد نہیں۔ اگلے دن پچھوایا تو پتہ چلا کہ ''حاتم طائی'' چل رہی ہے۔ اس کے بعد ''سوہنی مہینوال'' آئے گی۔ خیال تھا کہ یہ نمائش وغیرہ ہی دیکھ کر دل بہلا لیں گے۔ کچھ تفریح ہو جائے گی۔ مگر اب تم نے ہمارا دل کھٹا کر دیا۔'' اس نے ناک چڑھائی۔

''نہیں ضرور جاؤ۔'' سیفو نے مسکرا کر کہا۔ اور کچھ نہیں تو تجربے میں ہی اضافہ ہو جائے گا۔''

''جاؤں گی تو سہی۔ حمیرا اور سیمیں سے وعدہ کر رکھا ہے۔'' عافیہ نے اٹھ کر برقع اوڑھتے ہوئے کہا۔ ''اچھا بھئی خدا حافظ۔''

''خدا حافظ۔'' سیفو نے اٹھتے ہوئے کہا۔

عافیہ دو تین سیڑھیوں کو ایک ہی جمپ میں چھلانگتی ہوئی نیچے اتر گئی۔

''اے الو کی دم۔'' سیفو نے پکار کر کہا۔ ''اونچی ایڑی کے ساتھ اس طرح چھلانگیں نہ لگاؤ ورنہ ہلدی چونے کی فکر کرنا پڑے گی۔''

نیچے سے عافیہ کی ہنسی کی آواز آئی۔ سیفو مسکرا کر جنگلے کی طرف چل دی۔

شام کو جب آسمان پر سیاہ گھٹائیں چھا رہی تھیں اور ہلکی ہلکی بونداباندی کے بعد بارش تھم چکی تھی۔ تاہم فضا کا حبس مزید بارش کا پیغام دے رہا تھا۔ اس سہانے وقت ''جہاں نما'' کے پائیں باغ میں کرسیاں ڈالے پرنسپل جہاں زیب' ان کی بیوی نفیسہ خانم' انوار اور سیفو بیٹھے چائے پینے کے ساتھ ساتھ باتیں کر رہے تھے۔ انوار حسب معمول گپیں ہانک رہا تھا۔ اس کی ہر بات سیفو کے لیے بیزاری کا باعث اور پرنسپل صاحب کے لیے وجہ مسرت تھی۔ وہ بار بار قہقہے لگاتے اور اس کی پیٹھ تھپکتے۔ گویا اس نے

کوئی نہایت ہی انمول بات کہہ دی ہو۔ سیفو دل ہی دل میں سلگی جارہی تھی۔ ابا جان کے نفیس ذوق کو کیا ہوا؟ اس نے پہلو بدلتے ہوئے سوچا۔

پرنسپل صاحب نے سیفو کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے محبت سے پوچھا۔

''بیٹا کیا سوچ رہی ہے؟''

''کچھ نہیں ابا جان!'' سیفو نے ماندسی مسکراہٹ سے کہا۔ پھر ان کے سامنے ایک پلیٹ سرکاتی ہوئی بولی۔ ''یہ قیمہ بھرے تکونے لیجئے' میں نے خود بنائے ہیں۔''

''بھئی واہ۔'' پرنسپل صاحب نے ایک ٹکڑا اٹھا کر باقی پلیٹ انوار کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ ''انوار میاں! تم بھی کھاؤ۔'' سیفو کے ہاتھ کی بنی چیزیں بہت مزیدار ہوتی ہیں۔''

''واقعی چچا جان! غضب کے تکونے ہیں۔'' انوار نے منہ چلاتے ہوئے کہا۔

''مجھے پتہ ہی نہ تھا سیفو اس قدر مزیدار پکوان پکاتی ہیں۔ میرے سامنے تو یہ کبھی کچن میں گھستیں ہی نہیں۔ تعجب ہے یہ کمال انہوں نے کیسے حاصل کیا؟'' وہ حسب معمول خوشامد پر اتر آیا۔

''پرنسپل صاحب نے خوشی سے مسکرا کر بیٹی کو دیکھا۔ ''بھئی ہر فن مولا ہے ہماری سیفو!''

سیفو خاموشی سے چائے بنانے لگی۔ نفیسہ خانم بھی حسب معمول خاموش تھیں۔ اتنے میں کرم داد نے آ کر کہا۔ ''میاں انوار کو باہر کوئی صاحب بلا رہے ہیں۔''

''چچا جان میں ابھی حاضر ہوا۔'' یہ کہہ کر انوار باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے آ کر کہا۔ ''رؤف آیا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو اس کے ساتھ ذرا گھوم پھر آؤں۔''

''ضرور جاؤ۔'' پرنسپل صاحب نے فراخدلی سے کہا۔ ''لیکن رات کو ذرا جلدی آ جانا۔ ہم لوگ' تمہیں پتہ ہے دس بجے سو جاتے ہیں۔''

''بہتر چچا جان!'' انوار نے بڑی سعادت مندی سے کہا۔ ''جیسے آپ کہیں۔'' اور گیٹ کی طرف چل دیا۔ سیفو بھی نماز پڑھنے کے لیے اندر چلی گئی۔ نفیسہ خانم بھی اٹھنے ہی والی تھیں کہ پرنسپل صاحب نے کہا۔ ''ذرا ٹھہرو بیگم! مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔''

وہ پھر سے بیٹھ گئیں۔ ''کہیے......''

''تم نے کبھی اس بات پر غور کیا ہے کہ سیفو' انوار کی موجودگی میں کچھ خاموش اور خشک مزاج سی ہو جاتی ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟''

''مجھے کیا خبر۔ ہو سکتا ہے وہ شرماتی ہو۔'' نفیسہ خانم نے اٹک اٹک کر کہا۔

''شرمانے کا یہ مطلب تو نہیں کہ انسان چڑچڑا ہو جائے۔'' پرنسل صاحب نے بحث کی۔

نفیسہ خانم خاموش رہیں۔ وہ کیسے کہتیں کہ تم کیسے باپ ہو اپنی اولاد کی نا رضامندی نہیں پہچانتے۔ لیکن ان کے منہ پر ہمیشہ کی طرح مہر لگی رہی۔ وہ کچھ بھی نہ کہہ سکیں۔

''میں دیکھ رہا ہوں کہ تم انوار کے متعلق اپنی ذاتی ناپسندیدگی کو سیفو کے دل میں بھی ٹھونس رہی ہو۔ لیکن یاد رکھو میں تمہاری اس سازش کو کبھی کامیاب نہ ہونے دوں گا۔'' وہ اک دم مشتعل ہو گئے۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' نفیسہ خانم قدرے خوفزدہ ہو کر بولیں۔ ''میں نے تو آج تک اس بارے میں سیفو سے ایک لفظ نہیں کہا۔

''نہیں کہا تو اب کہہ دو۔'' پرنسپل صاحب بدستور غصے میں تھے۔

''اسے سمجھا دو کہ اسے بہرصورت انوار کی شریک زندگی بننا ہے۔ اس کے لیے اپنے دل میں احترام اور انس پیدا کرے۔''

''کہہ دوں گی۔'' نفیسہ خانم نے آنکھوں میں امنڈے ہوئے آنسوؤں کو پینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ان کا دل چیخنا چاہتا تھا کہ تم نے مجھے تمام عمر جلایا۔ اب یہ انمل بے جوڑ شادی کر کے محض اپنی ضد کے باعث لڑکی کو بھی اسی جہنم میں جھونک دو گے...... جہاں وہ تمام عمر جلے اور میری طرح اُف نہ کر سکے۔ مگر وہ ہمیشہ کی طرح کچھ نہ کہہ سکیں اور اس طوفان کو دل ہی میں دبائے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ ان کا خیال تھا کہ طبیعت بحال ہونے پر کسی وقت جا کر وہ باپ کا پیغام بیٹی کو دے دیں گی۔ لیکن اس کی ضرورت نہ تھی۔ سیفو نے ساری باتیں اپنے کمرے کی کھڑکی سے سن لی تھیں۔

✪......✪......✪

ساون اپنے شباب پر تھا۔ مون سون شروع ہو چکی تھیں۔ تمام دن ٹھنڈی ہواؤں کے ساتھ بوندوں کی ٹپ ٹپ جاری رہتی۔ ایسے خوشگوار موسم میں اپنی پریشانیوں کو برائے چندے بھلانے کی خاطر سیفو نے اپنے ہاں عافیہ' حمیرا اور سیمیں کو پارٹی دی تھی۔ شرط یہ تھی کہ پارٹی کی سب چیزیں اپنے ہاتھ سے بنائی جائیں گی۔ عافیہ تو صبح صبح ہی آ گئی تھی۔ حمیرا اور سیمیں کے گھر کافی دور تھے۔ وہ ابھی تک نہ آئی تھیں۔ سیفو اور عافیہ نے ان کا انتظار کئے بغیر کام شروع کر دیا تھا۔

اس وقت کوٹھی کے عقبی برآمدے میں لوہے کی انگیٹھی پر کڑھائی چڑھائے سیفو بیٹھی پوریاں تل رہی ہے۔ گہرے نسواری بالوں کی آوارہ لٹیں گلابی پیشانی پر مچل رہی ہیں۔ ہلکی براؤن آنکھیں دھوئیں کی وجہ سے سرخ ہو گئی ہیں۔ بار بار آنسو پونچھنے اور ناک مسلنے کی وجہ سے اس کا چہرہ بالکل لال ہو رہا ہے۔

عافیہ نے جو ایک طرف کھڑی سٹول پر چنوں کی دیگچی رکھے ان پر لیموں نچوڑ رہی تھی۔ مسکرا کر سیفو کی طرف دیکھا۔

''اور چھوڑو چولہا۔'' وہ بولی۔ ''کہا نہیں تھا کہ شریفن! سے انگیٹھی جلوا لو۔ پھر آرام سے پوریاں تل سکو گی۔ یہ چولہا وغیرہ تم سے نہیں جلنے کا' مگر تم نہ مانیں اور اب......''

''اچھا نصیحتیں رہنے دو اپنی۔'' سیفو نے جھنجھلا کر کہا۔ کچھ دیر کی مزید کوشش کے بعد اس کی انگیٹھی جل گئی اور اطمینان سے پوریاں تلنے لگی۔ عافیہ چنوں کی طرف سے فارغ ہو کر اب سموسے بیلنے بیٹھ گئی تھی۔

''تم نے تو کمال کر دیا۔'' سیفو نے پرستائش نظروں سے عافیہ کو دیکھتے ہوئے

کہا۔ ''اتنی سی دیر میں چنے بھی بنا لئے۔''

''تم جیسی نکمی نہیں ہوں نا......'' عافیہ نے جواب دیا۔ جناب! ہم گھر میں اکثر یہ کام کیا کرتے ہیں۔ اس لیے زبردست ماہر ہو گئے ہیں۔''

''تمہارا خیال ہے میں نہیں کرتی یہ سب کام۔'' سیفو نے سرخ سرخ پوری ایک طرف ڈالتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو اس وقت بوندوں نے سارا کام چوپٹ کر دیا۔ ورنہ......''

''ورنہ آپ تو ماشاءاللہ بہت ماہر ہیں ان کاموں میں۔'' عافیہ نے چڑایا۔

''ابھی پوریوں کے میدے میں نمک کی جگہ چینی میں ہی ڈالنے لگی تھی نا۔'' سیفو ہنس دی۔ ''ڈبے ایک جیسے ہیں۔ پتہ نہیں چلتا۔ ویسے یہ تم نے عقلمندی کی کہ مجھے چکھ لینے کو کہا۔ ورنہ واقعی نمک کی جگہ پسی ہوئی چینی ہی پڑ جاتی اور مزا آ جاتا۔''

''یہ عقلمندیں ابھی تک نہیں آئی ہیں۔'' عافیہ نے کہا۔ ''جب ہم سب کچھ بنا چکیں گے تب آئیں گی۔''

''بھئی کار تو کافی دیر سے بھیج دی ہے۔ ممکن ہے کوئی مجبوری آن پڑی ہو۔ ورنہ دیر کرنے والی تو نہیں ہیں۔'' سیفو نے کہا۔ وہ پوریاں کا تھال ڈھانک کر اب قیمہ پیسنے لگی تھی۔

''سیفو بھئی تمہیں کوئی ملہار آتا ہو تو گاؤ۔'' عافیہ سموسے کے کنارے موڑتے ہوئے بولی۔ ''ایمان سے ایسے سہانے موسم میں گانا بے حد پیارا لگتا ہے۔''

''تم ہی کیوں نہ شروع کر دو۔'' سیفو نے بڑی تندی سے قیمہ پیستے ہوئے کہا۔

''میری آواز تو اللہ ماری بالکل مینڈک جیسی ہے۔ تم ہی گاؤ۔'' عافیہ نے مسکرا کر کہا۔

''خیر اتنی انکساری بھی اچھی نہیں ہوتی۔ تمہیں ایک دفعہ میں نے سکول کی سٹیج پر گاتے سنا ہے۔ کافی اچھی آواز ہے۔ کم از کم مجھ سے ہزار درجہ اچھی ہے۔'' سیفو نے کہا۔

''خدا کے واسطے سیفو! اتنا مت بناؤ۔'' عافیہ نے کہا۔ ''اگر تمہارا اصرار ہے تو

میں ہی گا دوں گی۔ مگر تم سے بھی کچھ سنے بغیر نہیں رہوں گی۔"

"اچھا اچھا تم گاؤ تو سہی۔" سیفو نے ہنس کر کہا۔ "وہ دیکھو سیمیں اور حمیرا آ گئیں شاید۔"

عافیہ نے دیکھا بارش کے پانی سے بچتی بچاتی' پائنچے اوپر چڑھائے دونوں بھاگی چلی آ رہی تھیں۔ برآمدے میں آ کر دونوں نے برقعے اتار دیئے۔

"بھئی معاف کرنا سیفو!" حمیرا! نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "ہم لوگ ذرا دیر سے آئے ہیں۔ مگر میرے ہاں مہمان آئے ہوئے تھے۔ اس لیے دیر ہو گئی اور سیمیں کی امی کی کچھ طبیعت خراب تھی۔ میں نے تو اسے کہا تھا کہ مت چلو۔ خالہ جان کی تیمار داری کے لیے بہرحال بیٹی کو گھر پر رہنا چاہئے۔ مگر خود خالہ جان نے ہی کہہ دیا کہ تم دونوں ضرور جاؤ۔"

"ارے خالہ جان! کی طبیعت کب سے خراب ہے؟" سیفو نے متفکر ہو کر کہا۔ "سیمیں! تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔ تمہیں واقعی انہیں بیمار چھوڑ کر نہیں آنا چاہئے تھا۔ مجھے ایک رقعہ لکھ دینا کافی تھا۔"

"چھوڑو بھئی ......" سیمیں اپنے جوتوں سے کیچڑ چھڑاتی ہوئی بولی۔ "امی! نے خود ہی اجازت دے دی۔ ویسے رات کی نسبت اب ان کی طبیعت کافی بہتر ہے۔ اچھا لاؤ یہ کباب میں تل دوں۔ ایمان سے سخت شرمندگی محسوس ہو رہی ہے۔ سارا کچھ تم دونوں کو کرنا پڑا۔"

"کونسا اتنا بڑا کام تھا؟" سیفو نے مسکرا کر کہا۔ "تم یوں کرو کہ بیسن گھلا پڑا ہے پکوڑے تلنا شروع کر دو۔"

حمیرا! اور سیمیں! دونوں نے جھٹ پٹ ایک اور انگیٹھی سلگائی اور پکوڑے تلنے لگیں۔ سیفو کباب تلنے سے فارغ ہو چکی تھی۔ اس نے ڈش اٹھائی اور برآمدے کے کونے کی طرف بچھی میز پر رکھنے چل دی۔ لیکن وہ آدھے رستے ہی میں رک گئی۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ ہوا یوں کہ برآمدے کے جالی دار حصے میں آنکھیں چپکائے انوار بڑے انہماک سے لڑکیوں کو جھانکنے میں مصروف تھے۔ سیفو نے ذرا قریب جا کر جو گھورا تو کھسیانی ہنسی ہنس کر پرے ہٹ گئے۔

سیفو دوسری جانب سے قریب آ کر دبی آواز میں بولی۔ ''انوار بھائی! آپ کو شرم نہیں آتی۔ اگر اس وقت ابا جان کو بلا لاؤں تو کیسی رہے؟''

''تو اس میں مصیبت کونسی آ گئی؟'' انوار! ڈھٹائی سے بولے۔ ''موم کی گڑیاں تو ہیں نہیں جو میری نگاہوں کی گرمی سے پگھل جائیں گی۔''

''اچھا خیر آپ فوراً چلے جائیے یہاں سے۔'' سیفو نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ ''اگر میری کسی دوست نے دیکھ لیا تو میرے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہوگا۔''

''بیکار ذرا ذرا سی بات پر الجھ پڑتی ہو۔ پتہ نہیں اتنی تنک مزاج کیوں ہو۔'' انوار نے بڑے اطمینان سے کہا۔

''انوار بھائی! آپ فوراً چلے جائیے۔'' سیفو نے غصے سے سرخ ہو کر کہا۔ ورنہ ابھی شریفن کو بلا کر ابا جان سے کہلواتی ہوں۔''

اب یہ چیز ذرا غور طلب تھی۔ پرنسپل صاحب انوار کے لیے اپنی تمام تر محبت کے باوجود اس بات کے روادار نہ ہو سکتے تھے کہ وہ اس طرح ڈھٹائی سے کھڑے ہو کر پردہ نشین لڑکیوں کو جھانکیں۔

''چلا جاتا ہوں مگر تم ذرا تمیز سیکھو۔ ہر بات پر جلی کٹی سنانا بند کر دو۔ ورنہ یہ چیز تمہیں بہت مہنگی پڑے گی۔''

وہ چلا گیا۔ لیکن سیفو وہیں کھڑی رہ گئی۔ پارٹی کا سارا جوش و مسرت رخصت ہو چکا تھا۔ دیر تک وہ اپنی بدنصیبی پر غور کرتی رہی۔ غنیمت تھا کہ لڑکیاں اپنے کاموں کے ساتھ مسلسل باتوں میں جتی تھیں۔ اور اس کی غیر حاضری کو کسی نے محسوس نہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد چہرے پر زبردستی بشاشت لاتے ہوئے وہ ان کے قریب آ گئی۔ اسے کیا حق تھا کہ اپنے دکھ کی وجہ سے دوسروں کو بھی رنجیدہ کرے۔ ان کے رنگ میں بھنگ ڈالے۔

بارش تیز ہوتی جا رہی تھی۔ پانی کی بوندیں اب برآمدے میں آ آ کر گر رہی تھیں۔ آگ میں ان کے گرنے سے چھن چھن کی آواز پیدا ہوتی۔

''ارے آنی!'' حمیرا نے چیخ کر کہا۔ ''یہ انگیٹھی تو ہٹاؤ۔ پانی کی بوچھار اندر آ رہی ہے۔'' سب لڑکیوں نے جلدی جلدی چیزیں ہٹائیں۔ اب تھوڑا ہی کام باقی تھا۔ سیفو نے جا کر میز لگانی شروع کی۔ وہ اب سارا کام خود ہی کرنا چاہ رہی تھی۔ شریفن

نے کئی دفعہ آ کر کہا بھی کہ کم از کم آگ ہی جلوا لیجئے۔ مگر اس نے اسے واپس کر دیا۔
سیمیں اور حمیرا نے سموسوں' کبابوں وغیرہ کی پلیٹیں لا لا کر میز پر رکھیں۔ عافیہ ایک طرف بیٹھی ہری مرچوں' املی اور پودینے کی چٹنی بنا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد سب چیزیں میز پر آ گئیں۔ کچھ پکوان شریفن اور خانساماں کے ہاتھ اندر پرنسپل صاحب' نفیسہ خانم اور انوار کے لیے بھیجا گیا۔ کچھ نوکروں کو دیا گیا۔ اب یہ سب بڑی مستعدی سے کھانے میں جٹ گئیں۔

''تم نے جھولا تو ڈلوایا ہے نا سیفو!؟'' حمیرا نے چٹنی میں پکوڑا ڈبوتے ہوئے کہا۔

''بالکل...... دراصل برسات کی حسین روایات جھولے کے بغیر پوری نہیں ہوتیں۔'' وہ مسکرائی۔

بارش اب ذرا تھم گئی تھی۔ عافیہ بولی۔ ''بھئی ذرا جلدی کرو کہیں بارش پھر سے نہ ہونے لگے۔''

''تو کیا ہوا بلکہ بھیگنے میں زیادہ مزا آئے گا۔'' حمیرا نے کہا۔ ''بارش ضرور ہو گی۔'' سیمیں نے آسمان کو جھانکتے ہوئے کہا۔ ''دیکھتی نہیں ہو' سارا آسمان گرے رنگ کا ہو رہا ہے۔ یہ نشانی ہوتی ہے مزید بارش کی۔''

''دیکھ لیں گے تمہاری پیش گوئی بھی۔'' سیفو! نے ہنس کر کباب چکھتے ہوئے کہا۔ ''ویسے موسم کے پیغمبروں کی پیش گوئیاں اکثر غلط ہوا کرتی ہیں۔''

عافیہ نے چنے اپنی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو ٹھیک کہتی ہے۔ اسی پر مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ ایک دفعہ چند دوست پکنک کے ارادے سے نکلے۔ راستے میں ایک دوست کو خیال آیا کیوں نہ موسمی پیش گوئی کے دفتر والوں سے موسم کے متعلق پتہ لے لیا جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو پکنک کرکری ہو جائے۔ تم جانتی ہو لندن کا موسم گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ ہی رہتا ہے۔''

''اچھا تو یہ قصہ لندن کا ہے خوب۔'' سیمیں اپنی پلیٹ میں سموسہ رکھتے ہوئے بولی۔ ''ہاں خیر بھئی ان لوگوں نے پتہ چلایا تو معلوم ہوا کہ دو تین گھنٹے میں سخت طوفان آنے والا ہے۔ زبردست بارش ہو گی۔ بیچارے مایوس ہو کر واپس لوٹ گئے۔ ایک

دوست کے گھر میں بیٹھ کر سبھی نے تاش کی پھڑ جمائی۔ کھیلتے جاتے اور کھڑکی سے باہر جھانکتے جاتے۔ موسم چونکہ خوشگوار تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ اور یہ چیز لندن میں شاذ ہونے کے باعث بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ لہٰذا لوگ باگ اپنی اپنی ٹفن باسکٹیں اور مچھلی پکڑنے کی ڈوریں وغیرہ لیے ہنستے کھلکھلاتے سڑک پر چلے جا رہے تھے۔ یہ بچارے اپنی حسرت چھپانے کے لیے دل کو یوں تسلی دیتے۔

''ابھی دیکھنا یہ بیوقوف بارش میں بھیگتے آئیں گے۔'' ایک بولتا۔

''چوڑا ہو جائیں گے بالکل۔'' دوسرا تائید میں سر ہلاتا۔

خیر جناب! اسی طرح صبح سے دوپہر' دوپہر سے سہ پہر ہو گئی مگر کہیں طوفان کے آثار تک نہ تھے۔ شام ہوگئی اور آسمان پر ایک بھی بدلی نہ تھی۔ پکنک منانے والوں کی ٹولیاں اب واپس آ رہی تھیں۔ یہ بچارے اپنی قسمت اور موسمی پیش گوئی کرنے والوں کو کوستے اٹھ کھڑے ہوئے۔''

سیفو ہنس ہنس کر دوہری ہوئی جا رہی تھی۔ ''مگر ان کمبختوں کو دیکھو کس طرح موسمیات کے دفتر والوں کا اعتبار کر کے اندر بند ہو کر بیٹھ گئے۔ میں ہوتی تو کبھی یقین نہ کرتی۔''

''مگر لندن والے ہر کام کرنے سے پہلے موسمی پیغمبروں سے پوچھنا ضروری سمجھتے ہیں۔'' عافیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''وہاں اس بات کا کچھ فیشن سا بن کر رہ گیا ہے۔''

حمیرا نے اٹھ کر برآمدے سے نکلتے ہوئے کہا۔ ''بھئی بادل چھٹے جا رہے ہیں جولا جھولنا ہے کہ نہیں۔''

''چلو۔'' سب لڑکیاں میز سے اٹھتے ہوئے بولیں۔

باہر موسم انتہائی خوشگوار ہو گیا تھا۔ بادلوں کے سفید اور سرمئی گالے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ کسی کسی وقت سورج بھی ان کے پیچھے سے جھانک لیتا۔ بارش کے پانی سے نکھرا نکھرا سبزہ بڑا پیارا لگ رہا تھا۔

تھوڑی دیر میں سب لڑکیاں جھولا جھولنے لگیں۔ برآمدے کے ایک چوڑے ستون کے پیچھے کھڑے ہو کر انوار ان سب کو بڑے انہماک سے جھانک رہے تھے۔

✪......✪......✪

اگست کے گہرے نیلے آسمان پر سورج جگمگا رہا تھا۔ گزشتہ پانچ دن کی لگاتار بارش کے بعد دھوپ نکلی تھی۔ فضا میں سفید کرنیں برچھیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ ''جہاں نما'' میں ہر طرف سکون و اطمینان کی عملداری نظر آ رہی تھی۔ ایک طرف مخملی گھاس کے نکھرے نکھرے قطعے پر ٹانگیں پسارے مالی آرام سے سو رہا تھا۔ دوسری طرف آم کی چھاؤں میں شریفن ہمسائے کی نوکرانی سے باتیں کر رہی تھی۔ سبز گھاس اور دھلے ہوئے پودوں کی مہک فضا میں رچی تھی اور سارے ماحول پر ایک خواب ناک سکوت طاری تھا۔

سیفو اپنے ننھے سے کمرے میں نارنجی صوفے پر دونوں پاؤں اوپر سمیٹے بیٹھی مطالعہ میں مصروف تھی۔ اس کی عقبی کھڑکی پر پڑا ہوا سفید پھول دار پردہ ہوا سے آہستہ آہستہ لرز رہا تھا۔ نیچے قالین پر اس کی پالتو بلی قلوپطرہ دم میں منہ سر لپیٹے سو رہی تھی۔ اپنی اس محویت میں سیفو کو پتہ بھی نہ چلا کہ گزشتہ پانچ منٹ سے انوار اس کے کمرے میں آ کر ایک طرف کھڑے اسے گھور رہے ہیں۔

''اہم۔'' آخر تنگ آ کر انوار نے آہستہ سے کھنکھارا۔ سیفو چونک پڑی۔ انوار کو دیکھ کر اس کے ماتھے پر ہلکی سی شکن پڑ گئی۔ گزشتہ ہفتے کا واقعہ اس کے ذہن سے محو نہ ہوا تھا۔ دل ہی دل میں اس کی ڈھٹائی پر جز بز ہوتی ہوئی کتاب کے مطالعہ میں مصروف رہی۔

''بہت مصروف ہو۔'' انوار! نے دونوں بازو سینے پر لپیٹتے ہوئے طنزاً کہا۔

''جی ہاں۔'' سیفو نے کتاب پر سے نظریں ہٹائے بغیر مختصر سا جواب دے دیا۔

''میں نے سوچا۔'' انوار ڈھٹائی سے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔ ''اتنے دن ہو گئے ہیں تم سے کوئی بات کئے۔ نہ جانے تم کہاں غائب رہتی ہو۔ گھر میں خدا کے فضل سے نوکر بھی ہیں۔ پھر بھی تمہاری ہمہ وقت مصروفیت کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ جب سنو یہی بہانہ کہ مصروف ہوں۔''

''کیا کہنا چاہتے ہیں آپ۔'' سیفو نے اکتا کر کہا۔

''کتاب ایک طرف رکھو تو کچھ کہیں بھی۔'' انوار نے کہا۔ ''ایک تو ان کتابوں نے تمہارا دماغ خراب کر رکھا ہے۔ جب دیکھو مطالعہ فرمایا جا رہا ہے۔ آخر کیا کرو گی انہیں پڑھ کر؟ پی ایچ ڈی تو ہونے سے رہیں۔ بیکار مغز مارنا مجھے پسند نہیں۔''

''آپ کی پسند کا کیا کہنا؟'' سیفو نے حقارت سے کہا۔ ''بہر حال کہئے میں سن رہی ہوں۔'' اس نے کتاب بند کر کے ایک طرف رکھ دی۔

''مجھے یہ پوچھنا تھا کہ تم مجھ سے اتنی کھنچی کھنچی سی کیوں رہتی ہو۔ قریب ہوتے ہوئے بھی اتنی دور کیوں ہو...... شاید تم اس نکتے کو جانتی ہو کہ ؎

اتنی ہی کچھ کشش تری بڑھتی چلی گئی
جس نازش ادا سے تو دامن کشاں رہا

''تاہم یہ کھنچاوٹ اگر حد سے بڑھ جائے تو بری لگتی ہے۔'' وہ بڑی ادا سے مسکرائے۔

''آپ چاہتے ہیں کہ ہر وقت آپ ہی کے پاس بیٹھی رہا کروں؟'' سیفو نے غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔

''بالکل تم نے میرے دل کی بات کہہ دی۔'' انوار کی باچھیں کھل گئیں۔

''لیکن ایسا نہیں ہو سکتا۔'' سیفو نے سنجیدگی سے کہا۔ ''آپ کی عادتیں مجھے قطعی پسند نہیں۔ آپ کے پاس بیٹھنا اپنے ذوق سلیم کا خون کرنا ہے۔''

''کیوں؟ کونسی عادت میری تمہیں خراب لگی؟'' انوار نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

''کوئی ایک نہیں سبھی۔'' سیفو نے غصے سے کہا۔ ''آپ نے اس روز میری سہیلی کو نہ صرف دیکھنے کی جرأت کی بلکہ اس کے سامنے شعر بھی پڑھ دیا۔ پھر گزشتہ ہفتے

آپ نے میری سب سہیلیوں کو جھانکا۔ کیا یہی شرافت ہے آپ کی؟''

''اوہ...... وہ بات۔'' انوار پائپ کا کش لگاتے ہوئے لاپروائی سے بولے۔

''تو اگر غلطی سے میں وہاں چلا گیا تھا تو کونسا غضب ہو گیا۔''

سیفو کو اس کی ڈھٹائی پر سخت غصہ آیا۔ مگر وہ ضبط کر کے بولی۔ ''انوار بھائی! اگر یہ غلطی تھی، تو اس پر آپ نے اصرار کیوں کیا؟ کیا نہ اس کے معلوم ہوتے ہی آپ وہاں سے چلے آئے؟''

''اچھا بھائی معاف کر دو......'' انوار نے فارسی پڑھی ہوئی تھی اور وہ خوب سمجھتے تھے کہ

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن
کہ جاہا سپر باید انداختن

''اس شرط پر کہ آپ آئندہ ایسی حرکت نہ کریں گے۔'' سیفو نے ذرا نرم پڑ کر کہا۔

''اچھا نہیں کریں گے بھئی۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ یہ محترمہ ہیں کون؟ کس کی صاحبزادی ہیں؟'' انوار نے سیفو کے رویے میں لچک دیکھ کر بے باکی سے پوچھا۔

''کون...... عافیہ؟'' سیفو نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ہاں ہاں وہی...... تو ان کا نام عافیہ ہے۔ خوب لیکن آفت ہوتا ٹھیک تھا۔ بلکہ آفت جاں۔ بڑی چنچل ہیں۔'' انوار نے مسکرا کر کہا۔

''فضول باتیں مت کیجئے انوار بھائی!'' سیفو نے ترشی سے کہا۔

''آپ کو شرم نہیں آتی کسی غیر لڑکی کے لیے اس قسم کی واہیات باتیں کرتے۔ ابا جان سن لیں تو کیا ہو؟'' وہ غصے سے کھول رہی تھی۔

''تو کیا ہوا؟ خواہ مخواہ ترخ کیوں رہی ہو۔ ذرا تمہاری سہیلی کی تعریف کر دی تو چراغ پا ہو گئیں۔'' انوار نے کہا۔ ''لڑکیوں کو آپس میں حسد نہیں کرنا چاہئے۔ میں تو ویسے ہی کہہ رہا تھا۔ کوئی خاص مقصد تو نہ تھا۔''

''خوب۔'' سیفو نے مسکرا کر کہا۔ مگر غصے سے اس کی براؤن پتلیاں شرارے برسا رہی تھیں۔

''گویا آپ بھی اس قابل ہیں کہ آپ کی وجہ سے رقابت شروع ہو جائے۔ اپنے متعلق اتنی خوش فہمی میں نہ رہیے۔''

''اچھا چھوڑو اس ذکر کو۔'' انوار نے جھنجھلا کر کہا۔ ''تمہیں تو ہر بات سے غصہ آ جاتا ہے۔ پتہ نہیں کیوں اتنی چڑچڑی ہو گئی ہو۔ بچپن میں تو اچھی بھلی ہنس مکھ تھیں۔''

''اگر آپ ایسی ہی شائستہ باتیں کرنے تشریف لائے تھے انوار بھائی!'' سیفو نے غصہ دبا کر کہا۔ ''تو آپ کا مشن پورا ہو چکا۔ اب جائیے یہاں سے۔''

''جب بھی تم سے بات کرنے کی کوشش کرتا ہوں ایسی ہی جلی کٹی سناتی ہو۔'' انوار نے کہا۔ ''آخر کیوں...... تمہیں پتہ ہونا چاہئے کہ آئندہ زندگی میں یہ باتیں کام نہ دیں گی۔ میں زبان دراز عورتوں کو پسند نہیں کرتا۔''

سیفو کی آنکھوں میں بے بسی کے آنسو آ گئے تھے۔ پرنسپل صاحب کے کہے ہوئے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ اس نے کتاب اٹھا لی اور نیچی نگاہوں سے بولی۔ ''انوار بھائی! اب آپ جا سکتے ہیں مجھے زیادہ تنگ نہ کیجئے۔''

''اچھا۔'' انوار نے اٹھتے ہوئے قدرے تلخی سے کہا۔ ''لیکن یاد رکھو جب میں اگلی دفعہ تمہارے ہاں آؤں...... تو تمہارا رویہ بدلا ہوا ہونا چاہئے۔ ایسی تلخ ترش باتیں مجھے پسند نہیں۔ یوں بھی اپنی ہر حرکت سے مجھے چڑاتی ہو۔ تمہیں پتہ ہے مجھے زرد رنگ سے نفرت ہے لیکن اس مرتبہ تم نے محض مجھے چڑانے کیلئے ہر روز زرد لباس پہنا ہے۔ اگلی دفعہ اپنا پسندیدہ قرمزی رنگ کا لباس تمہارے بدن پر دیکھنا چاہتا ہوں۔

''کب جا رہے ہیں آپ؟'' سیفو نے رُکھائی سے پوچھا۔

''بس پرسوں چلا جاؤں گا۔ لیکن شاید چند روز تک امی اور حفیظہ وغیرہ آئیں۔ ان کے آنے پر۔'' مسکراتے ہوئے بقیہ فقرہ انوار نے ادھورا چھوڑ دیا۔

''ان کے آنے میں کوئی خاص بات تو ہے نہیں، ہمیشہ آیا ہی کرتی ہیں۔'' سیفو نے حقارت سے کہا۔

''خیر سب کچھ سمجھ کے بھی نہ سمجھو تو اور بات......'' انوار نے لہک کر کہا۔

''ویسے میں جانتا ہوں کہ تم مجھے جان بوجھ کر چڑاتی ہو۔ خیر یہ بھی حسینوں کی ایک ادا ہے لیکن یاد رکھو اس کا بدلہ ضرور لوں گا۔'' وہ معنی خیز طریق سے مسکراتا ہوا اٹھ کر

چلا گیا۔

خفت، بے بسی اور رنج سے سیفو کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔ بدلہ: اس نے زیرلب دُہرایا۔ قسمت ہی بدلہ لے رہی ہے۔ تم کیا لو گے۔

اس نے کتاب بند کر کے ایک طرف رکھ دی اور سوچنے لگی۔ کیا اس شخص کے ساتھ زندگی گزارنا ممکن ہے جو ہر بات کا بدلہ لینے کا ارادہ رکھتا ہو۔ ہرگز نہیں۔ میں ابا جان سے مزید تعلیم کی اجازت ضرور حاصل کروں گی۔ اس کے بعد ملازمت کروں گی۔ ممکن ہے اس دوران حالات پلٹ جائیں۔ انوار ایسا ڈھل مل یقین شخص کسی بھی وقت اپنا ارادہ بدل سکتا ہے۔ بصورت دیگر کوئی راہ فرار نہ پا کر میں اس زندگی پر موت کو ترجیح دوں گی۔ ابا جان کی عزت کو بٹہ لگتا ہے، لگے۔ انہوں نے کونسی میری زندگی یا خوشی کی پروا کی ہے۔ پرانے زمانے کے لوگوں کی طرح بغیر دیکھے بھالے مجھے اس جہنم میں جھونک رہے ہیں۔

ایک ایسے ذلیل شخص کے پلے باندھنا چاہتے ہیں جو ساری عمر دوسری عورتوں کو تاڑا کرے گا۔ اور مجھے باندی بنا کر رکھے گا۔ میرے تمام شوق اور تمنائیں ختم کر کے ان کے کھنڈروں پر اپنی آرزوؤں کے محل تعمیر کرے گا۔ جس کے نزدیک میں کوئی چیز ہی نہ ہوں گی۔ میں اس سلسلے میں ابا جان کو صاف جواب نہیں دے سکتی۔ لیکن تعلیم کے بہانے مہلت تو حاصل کر سکتی ہوں۔ اور وہ میں حاصل کر کے رہوں گی۔ سیفو نے فیصلہ کر لیا کہ انوار کی روانگی کے بعد وہ مزید تعلیم کے سلسلے میں باپ سے ضرور بات کرے گی۔

✪......✪......✪

مطالعہ کے کمرے میں گہرے نیلے بلیزر سے ڈھکی ہوئی بڑی سی میز کے سامنے گھومنے والی کرسی بچھائے پرنسپل جہاں زیب ایک موٹی سی کتاب پڑھنے میں محو تھے۔ میز پر ایک طرف منقش تمباکو دان پڑا تھا۔ اس کے ساتھ ہی بلوریں قلمدان' برقی گھنٹی اور چھوٹا سا گول واز تھا جس میں گلاب کے سفید پھول لگے تھے۔ دوسری جانب سبز شیڈ والا چاندی کا ٹیبل لیمپ روشن تھا۔

کمرے میں ایک طرف کتابوں والا شیشے کا شوکیس رکھا تھا۔ اس میں سنہری حروف والی موٹی موٹی رنگین جلدوں کی کئی کتابیں سجی تھیں۔ جنہیں قریب سے دیکھنے پر مالک کے صاحب ذوق ہونے کا پتہ چلتا تھا۔

پرنسپل صاحب کے سرخ و سپید' بڑی بڑی رعب دار مونچھوں والے چہرے پر سیاہ فریم کی عینک لگی تھی۔ وہ اس وقت مطالعہ میں غرق نظر آ رہے تھے۔ ان کی عادت تھی کہ صبح نو بجے کالج جاتے۔ واپسی پر دوپہر کا کھانا کھا کر سو جاتے۔ چار پانچ بجے اٹھ کر چھڑی ہاتھ میں لے کر سیر کو نکل جاتے۔ اور اس وقت نکلتے جب رات کا کھانا میز پر لگ جاتا۔ یہ ان کا ایسا معمول تھا کہ کئی سال سے اس میں ذرہ برابر ردوبدل نہ ہوا تھا۔ البتہ سردیوں گرمیوں میں اوقات ضرور بدلتے رہتے۔

کمرے کا دبیز عنابی پردہ اٹھا کر سیفو اندر داخل ہوئی اور ایک لمحہ باپ کی طرف متذبذب سی نگاہوں سے دیکھنے کے بعد ملائم قالین پر آہستہ چلتی میز کے قریب آ گئی۔ پرنسپل صاحب کو اس کی موجودگی کا احساس ہوا تو انہوں نے نگاہیں اٹھائیں۔

''کیوں سیفی بیٹا! کیسے آئی ہو؟'' انہوں نے محبت سے مسکرا کر کہا۔

سیفو نے کونے سے ایک سٹول گھسیٹ لیا اور اس پر بیٹھ گئی۔ ''ایک بات کہنی

تھی ابا جان۔" وہ دھیمے لہجہ میں بولی۔
"کہو۔" انہوں نے کتاب میں فیتہ رکھ کر اسے بند کر دیا اور گھومنے والی کرسی کا رخ سیفو کی طرف کر کے ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھ گئے۔
"ابا جان!" سیفو نے قدرے جھجک کر کہا۔ "مجھے پہلے یہ بتا دیجئے کہ آپ ناراض تو نہیں ہوں گے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوا تو پھر میں کہتی ہی نہیں کچھ۔"
"میں اپنی بیٹی پر کیسے خفا ہو سکتا ہوں۔" انہوں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
"تم بے فکر ہو کر بات کرو۔"
"بات دراصل یہ ہے ابا جان! کہ میں مزید تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہوں۔" سیفو نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "میری کئی سہیلیاں جنہوں نے میٹرک کیا ہے یہاں کالج نہ ہونے کی وجہ سے لاہور، کراچی وغیرہ جیسے شہروں میں جا کر کالج میں داخل ہو گئی ہیں۔ مجھے بھی آپ اجازت دیجئے تا کہ آئندہ تعلیم جاری رکھ سکوں۔"
پرنسپل صاحب بیٹی کی بات سن کر سوچ میں پڑ گئے۔ ان کی کشادہ پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔
یہ چیز وہ خود بھی کئی بار سوچ چکے تھے۔ انوار کے گھر والوں کی جانب سے ابھی تک رشتے کی بات نہیں چلی تھی۔ شاید وہ بیٹے کی کمائی سے اچھی طرح مستفید ہونا چاہتے تھے۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ شادی کے بعد یہ صورت حالات نہ ہو گی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ ابھی تک لیت و لعل سے کام لے رہے تھے۔ حالانکہ اشارۃً کنایۃً کئی بار اکرام حسین کو یہ بات جتائی جا چکی تھی۔ پھر یہ بھی تھا کہ انوار ہنوز مستقل نوکر نہ ہوا تھا۔ کسی وقت بھی افسران بالا اسے رپورٹ کر سکتے تھے۔ یہ ساری باتیں اسی مصلحت کی متقاضی تھیں کہ پرنسپل صاحب خود بھی ذرا کھنچ جاتے۔ تا کہ سیفو اور خود ان کے وقار اور تمکنت پر آنچ نہ آتی۔ وہ ایک جہاں دیدہ اور دُور اندیش انسان تھے اور کسی طرح بھی خود کو ہلکا ثابت نہ کرنا چاہتے تھے۔ اور اس بات کا صرف یہی علاج تھا کہ وہ سیفو کی تعلیم کا بہانہ بنا کر اس بارے میں بہ ظاہر لاپروا ہو جاتے۔ تا کہ ان لوگوں کی طرف سے جو حیرت انگیز سستی اور بے نیازی کا مظاہرہ ہو رہا تھا۔ اس کا مسکت جواب انہیں مل جاتا۔

سیفو کے میٹرک کرنے پر پرنسپل صاحب نے اکرام حسین کے سامنے یہ کہا تھا کہ وہ لڑکیوں کے لیے اس سے زیادہ تعلیم پسند نہیں کرتے۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ ان کی طرف سے سلسلہ جنبانی ہونا چاہیے۔ مگر وہ لوگ گھنگھنیاں منہ میں ڈالے بیٹھے تھے۔ پرنسپل صاحب ان کی اس بے معنی خاموشی سے بہت برافروختہ تھے۔ لیکن اس کا اظہار بھی نامناسب تھا۔ بہر حال وہ اتنے دنوں سے اسی سوچ میں تھے کہ کونسا قدم اٹھائیں جس سے اپنی بات بھی ہیٹی نہ ہو اور سارا کام حسب منشا ہو جائے۔

اس وقت سیفو نے جو یہ بات کہی تو گویا تذبذب کے اندھیرے میں انہیں فیصلے کی کرن نظر آ گئی۔ اس مشکل کا یہی واحد حل تھا۔

انہوں نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔ سیفو جو بڑی فکرمندی سے گزشتہ چند منٹ سے باپ کے چہرے کو دیکھ رہی تھی بے اختیار مسکرا دی۔

باپ کے مطمئن و مسرور انداز نے اس کے دل کی ڈھارس بندھا دی تھی۔

''بیٹی!'' وہ مسکرائے۔ ''تمہاری بات بھلا میں کیسے ٹال سکتا ہوں۔ شوق سے کالج میں داخلہ لو۔ میں تمہیں منع نہیں کرتا۔''

''ابا جان!'' وفور مسرت سے سیفو کی آواز کانپ گئی۔ وہ بے ساختہ اٹھ کر باپ سے لپٹ گئی۔

''دیوانی!'' پرنسپل صاحب نے اس کی پیشانی چوم کر کہا۔ ''اگر تجھے اتنا شوق تھا تو مجھے پہلے کیوں نہ کہا تا کہ سب انتظام کر لیتا۔''

سیفو کا چہرہ مسرت سے گلنار ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں نمی سی آ گئی تھی۔ وہ اس وقت بے حد خوش تھی۔ اسے قطعاً یقین نہ تھا کہ اتنی جلدی اجازت مل جائے گی۔ اسے وہ تائید غیبی سمجھی تھی۔

''میرے خیال میں تمہارے لیے لاہور میں داخلہ لینا مناسب رہے گا۔'' پرنسپل صاحب نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''کراچی میں ہمارا کوئی رشتہ دار ایسا نہیں جس کے ہاں تم رہ سکو۔ ہوسٹل کے قیام کو میں پسند نہیں کرتا۔ لاہور میں البتہ ایسے رشتہ دار ہیں جن کے ہاں تم اطمینان سے رہ سکو گی۔''

''وہاں کونسے رشتہ دار ہیں ابا جان!'' سیفو نے پوچھا۔

''تمہاری پھوپھی رضیہ کی بیٹی نازیہ!......'' انہوں نے پائپ سلگاتے ہوئے کہا۔
''وہ لاہور ہی میں تو ہے۔ اس کے شوہر جمال میاں وہیں ریلوے میں میکینکل انجینئر لگے ہوئے ہیں۔ بڑے اچھے بچے ہیں یہ دونوں۔''
''اچھا نازیہ آپا لاہور میں ہیں؟'' سیفو نے مسرت آمیز حیرت سے کہا۔
''مدت ہوگئی انہیں ملے......وہ واقعی بہت اچھی ہیں۔''
''بس تو تمہارا لاہور جانا طے رہا۔ اب کالج بھی بتاؤ۔ کس میں داخلہ لینا چاہتی ہو......؟''
''یہ تو مجھے معلوم نہیں ابا جان! کہ پڑھائی کے لحاظ سے کونسا کالج بہترین ہے۔ نازیہ آپا خود لاہور میں پڑھتی رہی ہیں۔ وہی بتا سکیں گی کہ کس میں داخلہ لینا چاہیئے۔''
''خیر یہ تو بہت بعد کی بات ہے۔ ابھی داخلے میں دو تین مہینے پڑے ہیں۔'' پرنسپل صاحب پائپ کا کش لگاتے ہوئے بولے۔ ''فی الحال تو مجھے جمال اور نازیہ کو اس بارے میں خط لکھنا ہے۔''
سیفو کھڑی ہوگئی۔ ''اچھا ابا جان! اب میں جاتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل آئی۔

✪......✪......✪

ستمبر کا اخیر تھا۔ ہواؤں میں رطوبت کے ساتھ اب خنکی بھی رچ گئی تھی۔ دن کو آسمان تقریباً صاف رہتا۔ کسی وقت کوئی مٹیالا بادل آ جاتا تو دو چار بوندیں پڑ جاتیں۔ البتہ رات کو خوب اوس پڑتی۔ اور صبح کے وقت جب ساری فضا دھند سے سفید ہو جاتی تو سورج کی جھلملاتی ہوئی شوخ کرنیں اس طلسم کو توڑ دیتیں اور کائنات جیسے انگڑائی لے کر بیدار ہو جاتی۔
علی پور جہاں پرنسپل صاحب رہتے تھے۔ ہر چہار طرف سبزہ سے گھر گیا تھا۔ باہر کھیتوں میں گوبھی، شلغم اور مولی کی کونپلیں نظر آنے لگی تھیں۔ مکئی تو اتنی بڑھ گئی تھی کہ آدمی اس میں چھپ جائے۔

انوار کو گئے ایک ہفتہ ہی ہوا تھا کہ اکرام حسین کا خط آ گیا کہ وہ اپنے کنبے کو دس پندرہ روز کے لیے بھیج رہے ہیں۔ جب سے سیفو بڑی ہوئی تھی اس کی پیہم کوششوں سے ان لوگوں نے اپنا ہر سال دو دو مہینے کے لیے آنا تو بند کر دیا تھا۔ تاہم کبھی کبھار 20' 25 روز کے لیے ضرور آ جاتے۔ اس دفعہ انہیں آئے ہوئے یوں بھی کافی عرصہ گزر چکا تھا۔ دوسرے انہیں سیفو کے رشتے کے سلسلے میں بھی کچھ کرنا تھا۔ پرنسپل صاحب کے نئی موٹر خریدنے سے ان کے ارادوں کو اور مہمیز ہوئی تھی۔

سیفو کافی دن بعد عافیہ کے گھر گئی تھی۔ واپسی پر وہ ابھی اپنے جوڑے میں سے پن نکال رہی تھی کہ شریفن دوڑی ہوئی آئی۔ ''چھوٹی بی بی! مہمان آئے ہیں؟''

''کونسے مہمان؟'' سیفو نے گھوم کر پوچھا۔

''انوار میاں کی امی اور بہنیں ہیں۔ باہر سامان اتروا رہے ہیں۔''

''اچھا تم جاؤ میں ابھی آتی ہوں۔'' شریفن چلی گئی۔ زیرلب بڑبڑاتے ہوئے سیفو نے بال ربن سے باندھے۔ اپنا زریں نائیلون کا دوپٹہ اتار کر ہینگر میں لٹکاتے ہوئے اس نے ململ کا چنا ہوا دوپٹہ اوڑھا اور پاؤں میں چپل پہنتی ہوئی باہر آ گئی۔

اس دفعہ سارے کنبے کی بجائے صرف انوار کی امی' ان کی دونوں بیٹیاں حفیظہ' عطیہ اور ملازمہ بڑی بی ہی آئی تھیں۔ حفیظہ کے بچے بھی ہمراہ تھے۔ انوار کے والد اور بھائی بھاوج ملتان میں ہی رہ گئے تھے۔

سیفو کمرے سے باہر آئی تو حفیظہ برقع اتار کر پلو سے چہرے پر کا پسینہ پونچھ رہی تھی۔ اور عطیہ حسب عادت علی پور کی تعریف کر رہی تھی۔ چچی جان! بس یوں معلوم ہوتا ہے جیسے بہشت میں آ گئے۔ ملتان میں تو آج کل اتنی سخت گرمی اور حبس ہے کہ خدا کی پناہ......''

''بھئی یہاں کی آب و ہوا تو اچھی ہونا ہی چاہئے۔'' حفیظہ کی امی فاضلہ بیگم بولیں۔ ''شوالک جو یہاں سے نزدیک ہے۔''

''ارے سیفو!'' عطیہ سیفو کو دیکھ کر چلائی۔ ''تم کہاں تھیں اتنی دیر سے۔'' اور وہ بھاگ کر اس کے گلے سے لپٹ گئی۔

''ادھر تو آؤ بیٹی!'' فاضلہ بیگم نے ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔ ''اس وقت سے نگاہیں تمہیں ہی ڈھونڈ رہی تھیں۔ شریفن نے بتایا تھا غسلخانے میں ہو۔'' وہ اس کا ماتھا چومنے لگیں۔

''جی ذرا نہا رہی تھی۔'' اس نے کسمسا کر ان کی گرفت سے نکلتے ہوئے کہا۔

''اچھا یہاں کی سناؤ۔'' حفیظہ پاس آ کر گلے ملتے ہوئے بولی۔ ''ٹھیک تو رہیں۔ ماشاء اللہ صحت تو بہت اچھی ہو رہی ہے۔''

''شکریہ آپ سنایئے کیسی رہیں۔ بھابی کو کیوں نہ لائیں؟'' سیفو نے ایک طرف بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ابا جان کی طبیعت کچھ خراب تھی۔ اسی وجہ سے وہ نہیں آئیں اور ہمارا آنا تو بہرحال ضروری تھا......'' یہ کہہ کر وہ معنی خیز انداز سے ہنسی۔

''کیا بات ہوئی بھائی صاحب! کیا بیمار ہیں؟'' نفیسہ بیگم نے فاضلہ بیگم سے پوچھا۔ اور خود نوکروں کو باہر کرسیاں نکالنے کے بارے میں کہنے لگیں۔

''ہاں بہن! وہی جوڑوں کے درد کی تکلیف پھر ہو گئی ہے۔'' وہ بولیں۔

''اچھا یہ بتاؤ سیفو! میرے خطوں کے جواب کیوں نہیں دیئے تم نے؟'' عطیہ بولی۔

''کیا فائدہ پوچھنے سے؟'' حفیظہ نے مسکرا کر کہا۔ ''وہی پرانی سیفو تو ہے۔ جو کسی کو خط نہیں لکھا کرتی۔''

سیفو مسکرا کر خاموش ہو رہی۔ باہر کرسیاں لگائی جا چکی تھیں۔ یہ سب لان میں آ گئیں۔ پرنسپل صاحب ابھی باہر سے نہیں آئے تھے۔

جھولا دیکھ کر عطیہ بہت خوش ہوئی اور بھاگ کر اس طرف چلی گئی۔

''بس آتے ہی کھیلنا شروع کر دیا۔'' فاضلہ بیگم نے تیوری چڑھا کر بیٹی کی طرف دیکھا۔ ''نہ منہ ہاتھ دھویا نہ کچھ۔ عطیہ کسی وقت تو آدمی بنا کرو۔''

''رہنے بھی دو۔'' نفیسہ خانم نے کہا۔ ''لڑکیاں ہیں۔ آپس میں مل کر انہیں کسی اور چیز کا ہوش نہیں رہتا۔''

''یہ تو ٹھیک کہتی ہو بہن!'' فاضلہ بیگم خوش ہو کر بولیں۔ ''اور پھر حفیظہ' عطیہ تو

سیفو کی صورت کی عاشق ہیں۔ بس وہاں بھی یہی رٹ تھی۔ سیفو کے پاس چلو۔ دیر ہوگئی ملے۔ میں تو کہتی ہوں اتنا پیار شاید ہی کسی میں ہو جتنا ماشاء اللہ ان لڑکیوں میں ہے۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔'' یہ کہہ کر انہوں نے سیفو کی طرف دیکھا۔ جو لان میں ایک طرف کھڑی عطیہ کو جھولا جھولتے دیکھ رہی تھی۔ اس وقت سیفو شلوار اور سفید چنے ہوئے دوپٹے کے ساتھ گہری فیروزی قمیص پہنے تھی۔ کاسنی ربن سے بندھے ہوئے بال پشت پر لہرا رہے تھے۔ اس کی گلابی مائل سفید کلائیاں کہنیوں تک برہنہ تھیں۔ اس نے کوئی زیور نہیں پہن رکھا تھا لیکن اس کے باوجود اس کا آتش بداماں حسن نگاہوں کو کھینچے لیتا تھا۔

دیر تک ادھر نگاہیں گاڑ کر دیکھنے کے بعد فاضلہ بیگم نے سیفو کی جانب سے نظریں ہٹائیں اور نفیسہ خانم سے باتوں میں مشغول ہوگئیں۔

تھوڑی دیر بعد نوکرانی نے آ کر کہا۔ ''بیگم صاحب کھانا لگ گیا ہے۔''

نفیسہ خانم نے پوچھا۔ ''صاحب آ گئے کیا؟''

''جی ہاں ان کا کھانا لائبریری میں پہنچا دیا ہے۔ انہوں نے کہا تھا۔ ''وہیں لے آؤ۔''

نفیسہ خانم سب کو لیے ہوئے کھانے کے کمرے میں پہنچ گئیں۔



رات کے نو بجے ہوں گے۔ جہاں نما میں سب لوگ کھانے سے فارغ ہو کر ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ پرنسپل صاحب کو خواتین میں بیٹھنے کی عادت نہیں تھی۔ لہٰذا وہ اس وقت بھی اپنی لائبریری میں مصروف مطالعہ تھے۔

سیفو' عطیہ اور حفیظہ قالین پر بیٹھی گپیں ہانک رہی تھیں۔ حفیظہ کے دونوں بچے دوسرے کمروں میں بھاگتے پھر رہے تھے۔ ایک جانب دیوان پر ریشمی تکیوں کے سہارے نفیسہ خانم اور فاضلہ بیگم بیٹھی باتوں میں مصروف تھیں۔

''جہاں نما'' کا ڈرائنگ روم صاحب خانہ کے خوش ذوق ہونے کا بھرپور احساس دلاتا تھا۔ اس اونچی چھت والے طویل و عریض کمرے میں بادامی رنگ کے پھول دار ایرانی قالین بچھے تھے۔ ہلکے رنگ کی دیواروں کے ساتھ ساتھ لمبے صوفے لگے تھے۔ جن پر سلیٹی پلش منڈھی تھی۔ چاروں کونوں میں ہاتھی دانت کے کام والی آبنوسی تپائیاں تھیں جن پر سبز گلدانوں میں گلاب کے زرد پھول مسکرا رہے تھے۔

کمرے کی سامنے والی دیوار میں شیشے کے شوکیس کے اندر شفاف پانی میں ننھی ننھی رنگین مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ چھت کے عین وسط میں تین بتیوں والا بلوریں فانوس ہر طرف روشنی بکھیر رہا تھا۔

کمرے کے غربی کونے میں سیاہ رنگ کا چینی کا شوکیس پڑا تھا۔ اس کی آبنوسی سطح پر خوبصورت شوخ رنگ میں بے شمار سینریاں بنی تھیں۔ چینی آرٹ کا یہ بے مثل نمونہ تھا۔

کھڑکیوں اور دروازوں پر زرد مخمل کے بھاری پردے پڑے تھے۔ چاروں دیواروں پر عمدہ تصاویر منقش فریموں میں لگی تھیں۔ اس حسین ڈرائنگ روم کی سادگی و

پرکاری ہر آنے والے کو مسحور کر لیتی تھی۔

عطیہ نے نیچی تپائی پر رکھے ہوئے ریڈیو گرام پر آٹھواں ریکارڈ چڑھاتے ہوئے سیفو سے کہا۔ ''معلوم ہوتا ہے تمہارے ہاں سبھی ریکارڈ سہگل کے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' سیفو نے کھڑکی کا پردہ ہٹاتے ہوئے کہا۔ ''اس لیے کہ ابا جان کو کسی زمانے میں سہگل ہی پسند تھا۔ ویسے دوسرے ڈبے میں تمہیں طلعت اور لتا کے ریکارڈ بھی مل جائیں گے۔''

''تو پھر تمہیں ڈھونڈ دونا۔''

سیفو پاس آ کر قالین پر بیٹھ گئی اور ریکارڈ الٹ پلٹ کرنے شروع کئے۔ وہ اس وقت بالکل سفید لباس میں تھی۔ مروارید کے ننھے منے آویزے اس کی مرمریں گردن پر لرزاں تھے۔ گہرے بھورے بالوں کی ایک چوٹی اس کی پیٹھ پر پڑی تھی۔

''باجی آپ نے سیفو کی قمیص کا گلا دیکھا۔ بالکل اسی وضع کا گلا ''ترانہ'' میں مدھوبالا پہنے تھی۔ عطیہ نے جو فلموں کی بڑی شائق تھی کہا۔

''ارے ہاں میں نے تو غور ہی نہیں کیا۔'' حفیظہ بولی۔ ''واقعی بالکل اسی طرح چاندی کے زنجیر دار بٹن لگا رکھے تھے۔''

''اور آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ زیر بحث فلم میں نے دیکھی ہی نہیں۔'' سیفو نے مسکرا کر کہا۔ ''ویسے یہ بٹن تو کافی عام ہیں۔ اکثر لڑکیاں لگائے پھرتی ہیں۔ اس میں کوئی خاص کمال تو ہے نہیں۔''

''ہم نے تو اس سے پہلے دیکھا نہیں۔'' حفیظہ نے کہا۔ ''اچھا پرسوں جو قمیص تم نے پہنی ہوئی تھی۔ سبز رنگ کی جس پر گریبان سے لے کر کمر تک سیاہ رنگ کی ترچھی ٹائیاں سی لگی تھیں بالکل ویسا ہی نمونہ ''شریمتی جی'' میں شیاما کی قمیص کا تھا۔''

''مصیبت یہ ہے جن فلموں کا آپ نام لے رہی ہیں، وہ میں نے آج تک نہیں دیکھیں۔''

سیفو نے ہنس کر کہا۔ ''ویسے اگر آپ میری بقیہ قمیصیں بھی دیکھیں تو شاید ان کو بھی کسی ایکٹریس کے پہنے ہوئے نمونے بتائیں۔''

''بھئی اگر واقعی تم خود ان کی ایجاد کرتی ہو تو تعجب ہے۔'' حفیظہ نے کہا۔ بڑے خوب صورت نمونے ہیں سب۔ میں تو دیکھ دیکھ کر حیران ہوتی ہوں۔ درزی بھی ایسے اچھے گلے نہیں بناتے۔''

''اور پھر سلائی بھی کتنی لیتے ہیں۔'' عطیہ نے ناک چڑھائی۔ ''چار پانچ سو روپے سے کم تو بات ہی نہیں کرتے اور محنت خاک نہیں۔ یاد ہے باجی آپ کو وہ میری کریپ کی سرخ قمیص کس طرح اس درزی نے غارت کی تھی؟''

حفیظہ نے تائید میں سر ہلایا۔ ''اس کا تو ستیاناس ہی کر دیا تھا اس نے۔''

''بس جناب! اسی لیے ہم تو گھر ہی پر سی لیتے ہیں۔'' سیفو نے ماں کے پاس جا کر پاندان میں سے کچھ الائچیاں اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''ویسے امی جان! نے سب کچھ سکھایا ہے مجھے۔ درزی کے سلے ہوئے کپڑے ہمیں تو پسند ہی نہیں آتے۔

''الائچی لیں گی آپ۔'' سیفو آہستہ چلتی حفیظہ کے پاس آ گئی۔ طلعت کا ایک بہت پیارا گیت بج رہا تھا۔ وہ کھڑی ہو کر سننے لگی۔

اتنے میں حفیظہ کا چار سالہ لڑکا حامد بھاگتا ہوا اندر آیا۔ اسے سیفو سے شاید کوئی خاص کد تھی۔ ہمیشہ سب لوگوں کو چھوڑ کر اسی کو جا چمٹتا۔ اور سب کیچڑ مٹی اس کے کپڑوں میں لگا دیتا۔ اس وقت وہ سیدھا سیفو کی طرف لپکا۔ اور سیفو کے پرے ہٹتے ہٹتے بھی اس نے نہ صرف اس کے سفید کپڑوں پر کیچڑ کے داغ لگا دیئے بلکہ منع کرنے پر اس کی کلائی میں اتنے زور سے کاٹا کہ سیفو درد سے بیتاب ہو گئی۔ اور بیساختہ اس نے لڑکے کے منہ پر اس زور سے تھپڑ مارا کہ وہ قالین پر گر پڑا۔

سب کی توجہ ادھر ہو گئی تھی۔ حامد کے گلا پھاڑ کر چلانے پر حفیظہ' عطیہ اور ان کی ماں تینوں لپک کر آئیں۔ ''ہائے ہائے لڑکے کا منہ توڑ دیا واہ بی۔ ہم نے ایسا ظلم کہیں نہیں دیکھا۔'' فاضلہ بیگم لڑکے کو چمکارتے ہوئے بولیں۔

''سیفو اس معصوم نے تمہارا کیا بگاڑا تھا جو تم نے اسے پٹخ دیا۔'' حفیظہ بولی۔ ''وہ نگوڑا تو سارا دن تمہارے آگے پیچھے پھرتا رہتا ہے۔ مگر پتہ نہیں تمہیں اس سے کیا بیر ہے؟''

نفیسہ خانم نے قدرے ترشی سے کہا۔ ''بیر کا اس میں کیا سوال؟ کیسی باتیں کرتی ہو تم حفیظہ؟''

عطیہ نے بڑھ کر بھانجے کو گود میں اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''ایک اسی پر کیا منحصر ہے؟ یہ تو ہم میں سے کسی کو پسند نہیں کرتیں۔ ہم ہی ڈھیٹ ہیں جو پھر یہیں آ مرتے ہیں۔'' ظاہر داری کا ملمع اتر چکا تھا۔ اور اب ان تینوں کا اصلی روپ سیفو کے سامنے تھا۔ وہ کچھ حیران سی کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی۔

نفیسہ خانم نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''مگر آپ سب کیوں بچی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئیں۔ آخر کوئی ایسی ہی شرارت اس نے کی ہو گی جو اس نے ذرا سا تھپڑ مار دیا۔ اس پر کونسی قیامت آ گئی۔''

سیفو کو اب اپنے زخم کا ہوش آیا۔ اس نے کلائی پر سے کپڑا ہٹاتے ہوئے کہا۔ ''یہ دیکھیے اس آپ کے معصوم بچے نے مجھے کس زور سے کاٹا ہے۔''

زخم میں سے خون رس رہا تھا۔ نفیسہ خانم پریشان ہو کر دوائی کی تلاش میں کمرے سے نکل گئیں۔ ان کے جانے پر فاضلہ بیگم بولیں۔ ''اے تو پھر کیا ہوا بچے کاٹا ہی کرتے ہیں۔ پچاسوں دفعہ تو اس نے ہم ہی کو کاٹا ہو گا۔ مگر ہم نے کبھی اس طرح نزاکت نہیں دکھائی۔''

''یہ کمبخت تو جس کسی سے پیار کرتا ہے اسی کو کاٹتا ہے۔'' حفیظہ بولیں۔ ''اب دیکھو انوار کے ہاتھ اور کلائیوں پر اس کے دانتوں کے نشان پڑے ہوئے ہیں۔ مگر وہ اس کی شرارت پر ہمیشہ ہنستا ہی ہے۔ کبھی الٹ کر کچھ نہیں کہا۔ مارنا تو ایک طرف رہا۔''

اب سیفو کی خوداعتمادی بیدار ہو چکی تھی۔ اس نے ذرا تلخی سے کہا۔ ''وہ اس کے ماموں ہیں۔ اس طرح کی بدتمیزی برداشت کر سکتے ہیں میں اس قسم کی باتوں کی عادی نہیں۔''

''تو کیا ہوا تم بھی اللہ رکھے کچھ دنوں کو اس کی ممانی بن جاؤ گی۔''

فاضلہ بیگم نے کہا۔ ''ابھی سے پیار کرو گی تو تم سے مل جائے گا۔ بچے کو تو پیار سے رام کیا کرتے ہیں۔''

سیفو غصے سے تھرا اٹھی۔ ہر قسم کا لحاظ نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔ ''مجھے کچھ ضرورت نہیں اس کے لاڈ اٹھانے کی۔ آپ ہی کو مبارک رہے ایسا کھٹکنا بچہ۔ میرے تو اب نزدیک بھی آیا تو اچھا نہ ہوگا۔''

یہ کہہ کر سیفو وہاں سے نکل کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ تھوڑی دیر میں اس کی امی بھی وہیں آ گئیں۔

''لاؤ بیٹی کلائی ادھر کرو۔'' انہوں نے زخم پر بورک والی مرہم لگاتے ہوئے کہا۔ ''ناس جائے کمبخت کا۔ کس زور سے کاٹا ہے سارے دانت گڑ گئے۔''

''امی دیکھا آپ نے آج ان کا اصلی روپ۔'' سیفو نے کہا۔ ''اوپر سے خوشامد کا ملمع چڑھائے رہتی تھیں ہمیشہ۔ آج کس طرح تینوں کی زبانیں چل رہی تھیں...... ابھی سے یہ حالت ہے تو آئندہ نہ جانے میرے ساتھ کیا سلوک کریں۔ ابا جان نے کچھ نہ سوچا۔ مجھے اس جہنم میں جھونک رہے ہیں جہاں کا ذرہ ذرہ میرا مخالف ہے۔ امی میں سچ کہتی ہوں۔ اس گھر میں میرا گزارہ نہیں ہو سکے گا۔ جیسے اجڈ اور بدتمیز ماں باپ ہیں ویسے ہی بچے۔ ہمہ خانہ آفتاب۔ خدا کی قسم میری اور ان کی طبیعتوں میں اتنا اختلاف ہے کہ قیامت تک دور نہیں ہو سکتا۔ جہاں بچوں کے لاڈ کا معیار یہ ہو کہ وہ اپنے عزیزوں کو کاٹتے پھریں اور بزرگوں کی اخلاقی حالت ایسی ہو کہ بجائے انہیں ڈانٹنے گھرکنے کے اور شہ دیں وہاں مجھ جیسے انسان کا گزارا کسی طرح نہیں ہو سکتا۔''

وہ رنجیدہ سی ہو کر خاموش ہو گئی۔

''میری بچی!'' نفیسہ خانم نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔ ''میرے بس میں ہو تو ان کے منہ میں لوکا لگا دوں۔ کبھی انہیں اپنے گھر میں قدم نہ رکھنے دوں۔ مگر کیا کروں مجبور ہوں۔ میرا کوئی بس نہیں' تم اللہ پر بھروسہ رکھو جس مالک مہربان نے اتنا فضل کیا ہے کہ تمہارے ابا مزید تعلیم کے لیے راضی ہو گئے ہیں وہ آئندہ بھی کرم کرے گا۔ مایوس نہیں ہونا چاہیے۔''

''کسی اور کو کیا کہوں ابا جان ہی میری زندگی برباد کرنے پر تلے بیٹھے ہیں۔'' سیفو نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''اچھا اپنی جان ہلکان مت کرو۔'' نفیسہ خانم نے بیٹی کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔ ''ورنہ یہ اور شیر ہو جائیں گے۔ ان کی پرواہ مت کرو۔ یوں سمجھو جیسے گھر میں ہیں ہی نہیں۔ خدا سے امید ہے وہ تمہارے حق میں بہتری کرے گا۔''

سیفو دیر تک ماں کی گود میں سر رکھے پڑی رہی۔ نفیسہ خانم کا دل جیسے کوئی مسل رہا تھا۔ وہ اپنی بیٹی کی آزردگی کیسے دیکھ سکتی تھیں۔ وہ سوچتی رہیں۔ مگر فی الحال چاروں طرف اندھیرا تھا۔ امید کی ایک ہلکی سی کرن یہ تھی کہ پرنسپل صاحب نے سیفو کو تعلیم جاری رکھنے کی اجازت دے دی تھی۔

سیفو کو سویا ہوا پا کر انہوں نے آہستہ سے اس کا سر تکیے پر رکھا اور خود باہر نکل آئیں۔



موسم دھیرے دھیرے تبدیل ہو رہا تھا۔ دور شوالک کی چوٹیوں پر اب برف کی سفیدی نظر آنے لگ گئی تھی۔ صبح کہرا چھٹ جانے پر جب دھوپ نکھر آتی تو چوٹیوں پر پگھلی ہوئی چاندی جھلملانے لگتی۔ ہواؤں میں نم گھاس کی بو پھیلنے لگی تھی اور شام کو چمن کے گاڑھے اندھیروں میں ہزاروں جگنویوں چمکتے جیسے زمین پر ستارے اتر آئے ہوں۔

اس دن کی بدمزگی کے بعد سیفو ڈرائنگ روم میں کم کم ہی آتی تھی۔ البتہ فاضلہ بیگم اور ان کی بیٹیاں حسب دستور ٹھاٹھ سے شام کی چائے اڑانے کے بعد گپیں ہانکنے کے لیے یہاں آن بیٹھتیں۔ فاضلہ بیگم ان لوگوں میں سے تھیں جو غیرت اور ضمیر وغیرہ جیسی کمزوریوں کو اپنے مشن کے خلاف خیال کرتے ہیں۔ وہ حقیقت میں صرف سیفو کی منگنی کرنے آئی تھیں۔ لیکن چونکہ انگوٹھی پہنا دینے کے بعد ان کا مقصد پورا ہو جاتا تھا اور اس کے بعد ان کے وہاں رہنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ لہٰذا وہ جان بوجھ کر بات چیت کرنے میں دیر کر رہی تھیں۔ جتنے دن بھی اس آرام دہ ماحول میں گزر جائیں اچھا ہے۔

اس وقت وہ نفیسہ خانم سے یوں ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھیں جیسے گزشتہ ہفتے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ پاس ہی حفیظہ' عطیہ بیٹھی خوب مسکرا مسکرا کر باتوں میں حصہ لے رہی تھیں۔ حفیظہ کے دونوں بچے دوسرے کمروں میں اودھم مچاتے پھر رہے تھے۔ نوکروں کے منع کرنے کے باوجود باورچی خانے میں جا جا کر پلیٹیں توڑتے۔ چمن میں کوئی پھول انہوں نے نہیں چھوڑا تھا۔ جھولیاں بھر بھر کر برآمدے میں لا کر الٹ دیتے۔ کچے امرود وغیرہ کتر کتر کے ڈھیر لگا دیتے۔ اپنی بوڑھی انا بڑی بی کا تو وہ کہنا ہی نہیں مانتے تھے۔ دوسرے کس کی شامت آئی تھی جو کچھ کہہ کر اپنی گت بنواتا۔ بدتمیز ہونے

کے علاوہ یہ بچے سخت زبان دراز اور ہتھ چھٹ بھی تھے۔ سیفو نے ان لوگوں سے بلکہ اپنے گھر سے بھی کسی قسم کی دلچسپی لینی چھوڑ دی تھی۔ وہ اکثر اپنے کمرے میں گھسی رہتی۔ نفیسہ خانم اپنی کمزور طبیعت کے باعث خاموش رہتی تھیں۔ گزشتہ کئی سال سے وہ اس طوفان بے تمیزی سے آشنا بھی تھیں۔ چنانچہ حسبِ سابق گھر بھر کو ان لوگوں نے الٹ پلٹ کر رکھا تھا۔ ستم یہ کہ بچوں کے اس طرح نقصان کرنے پر ماں، خالہ یا نانی بجائے ڈانٹنے یا خود شرمندہ ہونے کے الٹا ہنستی اور خوش ہوتی تھیں۔ پرنسپل صاحب کو اکثر مردوں کی طرح گھر کے معاملات سے کچھ مطلب نہ تھا۔ وہ اکثر باہر ہی رہتے۔

فاضلہ بیگم اور ان کے کنبہ کو یہاں آئے اب ایک مہینہ سے اوپر ہو چلا تھا۔ آخر حفیظہ، عطیہ کے بار بار کہنے اور اکرام حسین کی طرف سے کئی خط آنے پر وہ مجبور ہو گئیں کہ سیفو کے بارے میں بات چیت کر کے انگوٹھی پہنا دی جائے اور پھر واپسی کے لیے رختِ سفر باندھا جائے۔

اس وقت چائے کے برتن اٹھائے جا چکے تھے۔ نفیسہ خانم پاندان کھولے سب کے لیے پان بنا رہی تھیں۔ حفیظہ اور عطیہ پاس ہی بیٹھی ہنس بول رہی تھیں کہ فاضلہ بیگم نے موقع دیکھ کر تمہید باندھی۔ ''بہن کئی دنوں سے ایک بات کہنے کا سوچ رہی ہوں۔ یہ تو تمہیں بھی پتہ ہی ہو گا کہ ہم لوگ کس لیے آئے ہیں؟''

''میں بھلا کیسے جان سکتی ہوں؟'' نفیسہ خانم نے قدرے رکھائی سے کہا۔ ''آپ کو جو کچھ کہنا ہے کہہ ڈالیے۔''

فاضلہ بیگم نے الائچی اٹھا کر منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو تم جانتی ہی ہو کہ خدا رکھے انوار کے لیے بچپن ہی سے ہم نے سیفو کو مانگ لیا تھا۔''

''مانگا تو خیر نہیں تھا۔'' نفیسہ خانم نے دبی زبان سے کہا۔

''چلو یوں سمجھ لو کہ دلوں میں تو خیال تھا۔ زبان سے نہیں کہا تھا تو کیا ہوا؟ اپنوں میں یہ باتیں نہیں دیکھی جاتیں۔'' فاضلہ بیگم نے کہا۔ ''تو بہن اب میں اسی واسطے آئی ہوں کہ سیفو کو انگوٹھی پہنا دوں۔ پھر دو چار روز تک مجھے چلے جانا ہے۔ انوار کے ابا کا خط آیا ہے۔ بلا رہے ہیں۔ دیکھو بہن انکار نہ کرنا۔''

نفیسہ خانم سکتہ میں بیٹھی تھیں۔ ان کا دل دھڑک رہا تھا۔ کیا کہیں اور کیا نہ کہیں؟

دل تو چاہتا تھا صاف جواب دے دیں۔ لیکن شوہر کی خفگی کا ڈر تھا۔ آخر انہوں نے خود پر قابو پا کر کہا۔ ''آپ کو تو خبر ہے ہم نے خاندان میں سے کسی فرد سے ابھی تک اس بارے میں بات نہیں کی۔ ہمیں اپنے عزیزوں سے مشورہ کر لینے دیجئے۔ پھر دیکھا جائے گا۔''

''واہ بہن ! یہ کیا بات ہوئی؟'' فاضلہ بیگم نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔

''بھائی جان زیب ! سے کئی دفعہ اشارتاً ذکر ہو چکا ہے اور انہوں نے ہمیشہ ہمیں یقین دلایا کہ سیفو آپ ہی کی ہے۔ یہ اب نئی بات کی تم نے۔ بھلا بیٹی تمہاری ہے۔ اس کی ہر بات کے ذمہ دار تمہیں ہو۔ کسی اور سے کیا مطلب؟''

''چچی جان ہم تو بڑے ارمانوں اور چاؤ سے سیفو کے واسطے انگوٹھی لائے ہیں۔'' حفیظہ بولی۔ ''آپ ٹال مٹول نہ کیجئے گا۔''

عطیہ' نفیسہ خانم کے گلے میں بانہیں ڈال کر لٹک گئی۔ ''اچھی چچی جان انکار نہ کریں۔ رشتہ داروں کو بعد میں اطلاع کرتے رہیے گا۔ ہم تو سیفو کو انگوٹھی پہنا کر ہی جائیں گے۔''

''اچھا اپنے چچا جان ! سے اجازت لے لو۔'' نفیسہ خانم نے زچ ہو کر کہا۔ ویسے بھی وہ یہ ذمہ داری اپنے شوہر کے سر ہی ڈالنا چاہتی تھیں۔ بیٹی کی بربادی میں حصہ لینے کا ان میں حوصلہ نہ تھا۔ اس رشتے کو وہ سیفو کی تباہی سے تعبیر کرتی تھیں۔

''جہاں زیب بھائی ! میری بات رد نہیں کریں گے۔'' فاضلہ بیگم نے بڑے دعوے سے گردن اکڑا کر کہا۔ ''رات کے کھانے پر ہم ان سے پوچھ لیں گے۔'' یہ کہہ کر وہ بڑے اطمینان سے پان چبانے لگیں۔ نفیسہ خانم کا دل خون ہو گیا۔ یہ بھی ان کی قسمت تھی کہ غیر لوگ ان کے شوہر سے بات منوا سکتے تھے۔ لیکن وہ بات منوانا تو کجا کسی اہم کام میں مشورہ تک دینے کی مجاز نہ تھیں۔ سرد آہ بھر کر وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ فاضلہ بیگم کن انکھیوں سے انہیں جاتے دیکھتی رہیں۔ وہ جانتی تھیں کہ اس گھر میں نفیسہ خانم کی آواز کی کوئی وقعت نہیں۔ گھر بھر کے فیصلے پرنسپل صاحب ہی کرتے ہیں۔ ان کے ہونٹوں پر فتح مندانہ مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

رات کے کھانے کے بعد فاضلہ بیگم پرنسپل صاحب کے کمرے میں آ گئیں اور بڑی رقت سے پرنسپل صاحب کے آگے اپنی عرض پیش کی۔ وہ سچ مچ دامن پھیلا کر

کھڑی ہو گئیں کہ سیفو کو مجھے دے دیجئے۔ پرنسپل صاحب کے اطمینان دلانے پر کہ سیفو آپ ہی کی ہے۔ انہوں نے یہ کہا کہ سیفو کو انگوٹھی پہنا لینے دیں۔ دراصل وہ بات پوری طرح پکی کر لینا چاہتی تھیں۔ تاکہ پرنسپل صاحب کی دولت اور سیفو کے حسن پر ریجھ کر کوئی اور نہ سیفو کو لے اڑے۔ غنیمت تھا کہ پرنسپل صاحب کے قریبی عزیزوں میں سے کسی کا لڑکا سیفو سے بڑا کیا معنی ہم عمر بھی نہیں تھا۔ سبھی اس سے کئی کئی سال چھوٹے تھے۔ اور دور کے عزیزوں کی جانب انہوں نے کبھی نگاہ ہی نہ کی تھی۔ دراصل وہ اس قسم کا داماد چاہتے تھے جو ہر طرح ان کے تابع فرمان رہے۔ اور ان کے خیال میں انوار اس میزان پر پورا اترتا تھا۔

پرنسپل صاحب منگنی کی رسم کے قائل نہ تھے۔ وہ پہلے تو مہمل رسم فضول لغو کہتے رہے۔ پھر ان لوگوں کے بے حد اصرار کے آگے تنگ آ کر کہا۔ ''ویسے یہ انگوٹھی وغیرہ پہنانا فضول ہے۔ سیفو تمہاری ہے۔ ان چیزوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''بھائی! آپ کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔ میری تو آپ نے جھولی بھر دی۔'' فاضلہ بیگم خوشامدانہ لہجے میں بولیں۔ پھر جلدی سے حفیظہ کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی پلیٹ سے ایک مصری کی ڈالی اٹھائی اور پرنسپل صاحب کا منہ میٹھا کرایا۔ نفیسہ خانم پاس ہی کھڑی تھیں۔ یوں جیسے سنگ مرمر کی مورت۔ انہوں نے ان کے منہ میں بھی ایک مصری کی ڈلی ٹھونسی۔

''بس اب ایک دو سال کی تو بات ہے۔'' فاضلہ بیگم خوشی سے کھلکھلائیں۔ ''میرا انوار مستقل ہو جائے پھر اللہ نے چاہا تو سیفو کو بیاہ کر گھر لے جاؤں گی۔'' وہ نفیسہ خانم کے ہمراہ کمرے سے نکل آئیں۔

حفیظہ عطیہ کی اتراہٹ قابل دید تھی۔ جلدی سے بھاگ کر سیفو کے کمرے میں گھس گئیں۔ گزشتہ کچھ روز سے پڑھائی کا بہانہ کر کے سیفو تقریباً اپنے کمرے میں ہی بند رہتی تھی۔ ویسے بھی رکھائی سے پیش آتی۔ لیکن ان لوگوں کی ڈھٹائی کا بھلا ہو کہ ایسی باتوں کو شربت کا گھونٹ سمجھ کر پی جاتی تھیں۔ جانتی تھیں کہ آخر کار سیفو مع اپنی دولت و ثروت کے انہی کے گھر آنے والی ہے پھر اس کا مزاج ٹھکانے لگا دیا جائے گا۔ تب تک اس کے نخرے سہہ لینے میں کوئی حرج نہ تھا۔

''ارے سیفو! بھئی کہاں چھپی بیٹھی ہو......'' عطیہ ہانپتی ہوئی پردہ ہٹا کر اندر آئی۔ پیچھے پیچھے حفیظہ تھی۔

''کیوں کیا ہے؟ اتنا شور کیوں مچا رہی ہو؟'' سیفو نے خشک لہجے میں کہا۔ اسے خبر بھی نہ تھی کہ اس کی قسمت کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔

اتنے میں فاضلہ بیگم بھی آ گئیں۔ ان کے پیچھے بڑی بی سر پر خوان اٹھائے اندر آئیں۔ نفیسہ خانم نہیں آئی تھیں۔

فاضلہ بیگم نے ہکا بکا سیفو کا ہاتھ پکڑ کر انگلی میں انگوٹھی پہنا دی اور چٹ پٹ بلائیں لے کر دعا دینے لگیں۔ سیفو اس قدر حواس باختہ تھی کہ کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

حفیظہ نے ماں کو مبارکباد دی۔ بڑی بی اور شریفین بھی مبارک دینے لگیں۔

''خدا خیر سے شادی کی گھڑی لائے۔'' بڑی بی نے سیفو کی بلائیں لے کر کہا۔

''آمین اللہ۔'' فاضلہ بیگم بولیں۔ خوشی سے ان کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں۔ پھر وہ سیفو کے سر پر ہاتھ پھیر کر باہر چلی گئیں۔ نوکروں میں روپے اور مٹھائی تقسیم کی۔ عطیہ' حفیظہ 'سیفو کے پاس ہی تھیں۔ انہوں نے مصری کی ڈلیاں ہنس ہنس کر زبردستی اس کے منہ میں ٹھونسیں۔ سیفو کی زبان گنگ ہو چکی تھی۔ دماغ بیکار تھا۔ وہ وحشت سے آنکھیں پھاڑے خاموش بیٹھی سب کو تک رہی تھی۔

دوسرے روز فاضلہ بیگم نے پرنسپل صاحب کے تمام ملنے جلنے والوں اور دوست احباب کے ہاں منگنی کی مٹھائی بھیجی۔ وہ چاہتی تھیں اس واقعہ کی خواب تشہیر ہو جائے۔ ان لوگوں کے سیفو کو انگوٹھی پہنانے سے مجبور ہو کر پرنسپل صاحب کو بھی انوار کے لیے انگوٹھی خرید کر دینی پڑی۔ ویسے اپنے دل میں وہ اب کچھ مطمئن ہو گئے تھے۔

نفیسہ خانم کھلی آنکھوں سے بیٹی کی تباہی کے سامان دیکھ رہی تھیں۔ مگر اُف نہ کر سکتی تھیں۔ اپنی اکلوتی بچی کے دل کی حالت جانتی تھیں۔ اس کے خیالات سے باخبر تھیں۔ اس کی بے بسی اور اپنی مجبوری کے خیال سے ان کا دل ٹکڑے ہوا جاتا تھا۔ مگر آنسو بہانے کے سوا کچھ نہ کر سکتی تھیں۔ ان کا مان رکھنے والا تو ان کا شوہر ہی تھا۔ مگر کیسا جس نے تمام عمر ان کے دل کی حالت جاننے کی کوشش نہ کی۔ اپنی ضد ہی منوائی۔ اور ان کی

آرزوئیں بڑی بیدردی سے ٹھکرا دیں۔ وہ ساری زندگی یہ ٹھوکریں کھاتی آئی تھیں مگر یہ ضرب بڑی کاری تھی۔ یہ انہی کا حوصلہ تھا جو اسے سہہ گئیں۔ ورنہ بیمار پڑ جاتیں۔ لیکن اب تو انہیں اپنی بیٹی کی خاطر زندہ رہنا تھا۔ اس کی واحد رازدار' غمگسار وہی تھیں۔ انہوں نے خود ایک بے زبان جانور کی طرح ہمیشہ ظلم سہے تھے۔ کیا یہی چیز ان کی بیٹی کے مقدر میں بھی تھی؟ یہ سوچ سوچ کر ان کے دل پر آرے چل رہے تھے۔ وہ تنہائی میں اتنا روئیں کہ ان کا تکیہ بھیگ گیا۔ آخر انہوں نے صبر کی سل سینہ پر رکھ لی اور راضی بہ رضا ہو گئیں۔

شام تک کئی عورتیں اور سیفو کی سہیلیاں بھی یہ خبر پا کر آ گئیں۔ لڑکیوں نے خوب اودھم مچایا۔ نفیسہ خانم کو مبارکباد دی۔ جو انہوں نے زبردستی کی مسکراہٹ سے قبول کی۔ دل کے زخم دوسروں کو دکھانے سے کیا حاصل تھا؟ سیفو پتھر کے بت کی طرح بے حس تھی۔ سہیلیوں کے قہقہے چھیڑ چھاڑ اسے اجنبی سے لگ رہے تھے۔ اس کی حالت جاننے والا کوئی نہ تھا۔ صرف عافیہ ایسی تھی۔ جسے اس کے دکھ کا اندازہ تھا۔ وہ متحیر سی اس کے قریب بیٹھی۔ اس سے سارا واقعہ پوچھ رہی تھی کہ یہ کام آخر ہو کس طرح گیا؟ تم تو اتنی مخالف تھیں۔ مگر سیفو کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ اس کے دماغ کی سوچنے سمجھنے کی قوتیں سلب ہو چکی تھیں۔ وہ ایک ایسی کشتی کی طرح تھی جس کے پتوار کھو گئے ہوں اور بے رحم موجیں اسے اپنی مرضی کے خلاف اندھا دھند مخالف سمت لے جا رہی ہوں۔ اسے سب کچھ اجنبی لگ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا کسی اور دنیا میں ہے۔ اور ان ہنگاموں سے اس کا وجود قطعی لاتعلق ہے۔

اور جب یہ طوفان ختم ہوا۔ سب لوگ چلے گئے اور وہ اپنے بستر پر سونے کے لیے لیٹی تو اس کا سن دماغ آہستہ آہستہ زندہ ہونے لگا۔ چوٹ ٹھنڈی ہونے پر دل میں ٹیسیں اٹھنے لگیں۔

تو یوں ابا جان! نے اس کی قسمت پر مہر لگا ہی دی آخر...... وہ کس سے گلہ کرے کیا کہے؟ کون تھا اس کی فریاد سننے والا؟ امی!؟ وہ خود مردہ بدست زندہ ہیں۔ پھر کون؟ کوئی نہیں...... محض خدا...... ہاں شاید خدا ہی اس پر رحم فرمائے۔" اس کی آنکھوں سے آنسو ڈھلکنے لگے۔ اور وہ نیم غنودگی سے گزرتی ہوئی نیند میں کھو گئی۔ اس کا تھکا ہوا جسم اور خستہ حواس نیند کی آغوش میں گر گئے۔ سوتے ہوئے بھی اس کے رخساروں پر

آنسوؤں کی خشک لکیریں چمک رہی تھیں۔

تیسرے روز فاضلہ بیگم بمع اہل وعیال چلی گئیں۔ ان کی روانگی کے دوسرے دن شام کے وقت پرنسپل صاحب کتابوں کا پارسل لے کر آئے اور چارپائی پر ڈالتے ہوئے بولے۔ ”سیفو بیٹی! یہ تمہاری کتابیں ہیں۔ ایف اے کی۔“

منگنی کے باوجود پرنسپل صاحب سیفو کو آگے تعلیم دلانے کے ارادے پر قائم تھے۔ کیونکہ فاضلہ بیگم کی باتوں سے اس چیز کا اظہار ہوا تھا کہ ایک دو سال تک ان کا شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ عقل مندی اسی میں تھی کہ یہ عرصہ بیکار نہ گنوایا جائے۔ لہٰذا وہ کتابیں لے آئے تھے۔

سیفو پاس آ کر خاموشی سے کتابیں الٹ پلٹ کرنے لگی۔

”ٹھیک ہیں نا؟“ پرنسپل صاحب نے کہا۔

”جی۔“ وہ دھیرے سے بولی۔ ”آپ نے نازیہ آپا کو خط تو لکھ دیا تھا۔ اس کا جواب کیا آیا تھا ابا جان!؟“

”بڑا حوصلہ افزا۔“ پرنسپل صاحب بشاشت سے بولے۔ ”بے حد چاہت سے ان لوگوں نے تمہارے آنے پر اصرار کیا ہے اور یہ بھی کہ انہوں نے تمہارے داخلے کا اسی کالج میں بندوبست کیا ہے جس میں کبھی نازیہ زیر تعلیم تھی۔“

سیفو کے ٹوٹے حوصلے ان کتابوں کو دیکھ کر پھر زندہ ہو رہے تھے۔ وہ مسکرا کر بولی۔ ”ہم کب جائیں گے لاہور؟“

”بس چھ سات روز تک چلیں گے انشاء اللہ۔“ پھر وہ بیوی سے مخاطب ہوئے۔ ”تم اس کے ساتھ لے جانے کے لیے سامان تیار کر لو۔“

نفیسہ خانم بھی بہت خوش تھیں۔ انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ سیفو بڑے اشتیاق سے کتابیں سمیٹ رہی تھی۔ پرنسپل صاحب باہر چلے گئے۔ نفیسہ خانم کو چونکہ ابھی سے سیفو کی روانگی کی تیاری کرنی تھی اور ڈھیر سا کام کرنے کو پڑا تھا' اس لیے وہ اندر چلی گئیں۔

✪......✪......✪

سیفو کے کہیں باہر جانے کا یہ پہلا موقع تھا۔ وہ زندگی بھر کسی رشتہ دار کے ہاں اکیلی جا کر نہیں رہی تھی۔ میٹرک بھی اس نے اپنے ہی قصبے سے کیا۔ اور گو پرنسپل کے اکرام حسین کے ساتھ بے حد قریبی تعلقات تھے تاہم انہوں نے کبھی اس بات کو پسند نہیں کیا کہ سیفو ان کے ہاں جا کر رہے اور اکرام حسین کے بارہا کہنے کے باوجود انہوں نے کبھی بیٹی کو وہاں نہ بھیجا۔

سیفو کی جدائی پر قدرتی بات تھی کہ نفیسہ خانم کو رنج ہوتا۔ ان کے دل کو جیسے کوئی اندر سے مسل رہا تھا۔ بار بار وہ خود کو سمجھاتیں کہ سیفو کی آئندہ بہتری کی خاطر اس کا لاہور جانا ضروری ہے۔ لیکن اپنے دل پر ان کا بس نہ تھا۔ پہلی دفعہ وہ ان سے جدا ہو رہی تھی۔ وہ دن میں کئی دفعہ چھپ کر رو لیتیں۔ پرنسپل صاحب بھی آزردہ تھے۔ سیفو کی جدائی انہیں بے حد شاق تھی لیکن کچھ مصلحت وقت اور کچھ اس کی تعلیم کی خاطر وہ اپنی خوشی کو قربان کر رہے تھے۔

گھر میں سیفو کے جانے کی خوب زور شور سے تیاریاں ہو رہی تھیں۔ کہیں اس کے لیے نئے کپڑے سل رہے تھے۔ تو کہیں نفیسہ خانم ساتھ بھیجنے کے لیے نشاستے کا حلوہ' بادام اور پیٹھے کی مٹھائی تیار کر رہی تھیں۔ پرنسپل صاحب نے نازیہ کے لیے خاص گھی کے دو ٹین اور کچھ خشک میوہ منگا لیا تھا۔ خالی ہاتھ جانا وہ مناسب نہیں سمجھتے تھے۔

خوشی کے مارے سیفو کی راتوں کی نیند اڑی ہوئی تھی۔ اسے یوں لگتا تھا جیسے کسی زندان سے نکلنے والی ہو۔ وہ بے حد مسرور تھی۔ ایک نئی دنیا اس کے تصورات میں اجالا کئے ہوئے تھی۔ وہ اپنا دکھ بھول کر خوش خوش ماں کا ہاتھ بٹا رہی تھی۔

آخر وہ دن بھی آ گیا جب سیفو کو لاہور جانا تھا۔ فقط اسی روز سیفو کو بھی اپنے

ماں باپ اور گھر سے جدا ہونے کا احساس ہوا۔ اور وہ کچھ اداس سی ہوگئی۔ ماں کا رنجیدہ چہرہ دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کیا یہ خودغرضی نہیں کہ میں محض اپنی بہبودی اور دل بہلانے کی خاطر اپنی عزیز ترین ہستی کے رنج کا خیال نہیں کر رہی؟ میرے جانے کے بعد تو کوئی دلچسپی امی کے لیے نہ رہے گی۔ ابا جان یونہی سارا دن غائب رہتے ہیں۔ گھر پر ہوں بھی تو ان کی موجودگی سے ان کو کیا فائدہ؟ ان کا تو جب بھی بس چلے گا امی سے جھگڑیں گے ہی۔ میری موجودگی کی وجہ سے امی کچھ اپنا غم بھول جاتی تھیں۔ لیکن اب انہیں کون دلاسا دے گا۔ وہ ہیں بھی مریض۔ ان کے کمزور دل کو صدمہ پہنچنے کا ہر وقت احتمال رہتا ہے۔ کیا یہ میرا فرض نہ تھا کہ ان کی دلجوئی کو ان کے پاس رہتی۔۔ دنیا میں ماں سے بڑھ کر کونسی چیز ہے۔ خدانخواستہ میرے پیچھے ان کو کچھ ہوگیا تو کیا کروں گی؟ وہ کتنی زرد ہوگئی ہیں؟ ان کو یقیناً میرے جانے کا بہت رنج ہے مگر حسب عادت منہ سے کچھ نہیں کہتیں۔

دیر تک سوچنے کے بعد وہ نفیسہ خانم کی تلاش میں نکلی۔ وہ شریفن کی مدد سے ان کے کپڑوں پر استری کر رہی تھیں۔ سیفو کی اداس صورت دیکھ کر ان کے دل کو دھکا سا لگا۔ پچھلے چند دنوں سے وہ کتنی خوش تھی۔ یک بیک کیا ہوگیا؟ استری کھڑی کر کے انہوں نے سوچ آف کیا اور سیفو کا ہاتھ پکڑ کر اس کے کمرے میں آ گئیں۔

''کیا بات ہے بیٹی!؟ اداس کیوں ہو؟ خیر تو ہے؟'' انہوں نے سیفو کو اپنے پاس پلنگ پر بٹھاتے ہوئے محبت سے پوچھا۔ ''تم تو لاہور جانے سے بڑی خوش تھیں۔''

''امی جان! یہ خیال آتا ہے کہ میری خودغرضی ہے کہ آپ کو آزردہ اور بیمار چھوڑ کر جا رہی ہوں۔'' سیفو نے رنج سے کہا۔ ''آپ کتنی زرد ہو رہی ہیں؟ سوچتی ہوں میرے جانے کے بعد تو آپ کی زندگی اور بھی اجیرن ہو جائے گی۔ ابا جان کی عادت کا مجھے پتہ ہے۔ وہ......''

''واہ بیٹا! بس اتنی سی بات تھی۔'' نفیسہ خانم نے اس کی پیشانی چوم کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میری جان اس میں فکر کی کونسی بات ہے؟ تم جانتی ہو تمہاری اور میری خوشی اسی میں ہے کہ تم لاہور جاؤ۔ تمہاری لاہور کی روانگی میں اپنی کامیابی سمجھتی ہوں اور خدا نے چاہا تو مجھے اُمید ہے کہ آئندہ کوئی بہتر صورت بن جائے گی۔ میرا دل گواہی دیتا ہے

کہ خدا ہماری مدد ضرور کرے گا۔ تو بیٹی ایسے خوشی کے موقع پر بھلا میں کیوں رنجیدہ ہونے لگی۔ اگر ہوئی بھی تو وہ کیفیت محض عارضی ہو گی اور میرے دل کو یہ اطمینان کافی ہو گا کہ تم لاہور میں ہو اور اپنا مقصد حاصل کر رہی ہو۔"

"اچھا امی! آپ وعدہ کیجئے کہ میری غیر حاضری میں خوش رہا کریں گی۔" سیفو نے آنسو پونچھ کر مچلتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ کی صحت ٹھیک رہی تو میں وہاں تسلی اور دلجمعی سے پڑھائی کر سکوں گی ورنہ نہیں۔"

"تم فکر نہ کرو میں خوش رہوں گی اور صحت کا خیال رکھوں گی۔" نفیسہ خانم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اور جب تم آؤ گی تو میں خوب موٹی تازی ہو رہی ہوں گی۔" یہ کہہ کر وہ ہنس دیں۔ "اب تو جانِ مادر مجھے تمہاری خاطر جینا ہے۔" مسکرانے کے ساتھ ساتھ ان کی آنکھوں میں آنسو لرز رہے تھے۔

سیفو کو تو جیسے بہانہ چاہئے تھا۔ آنسو جو دیر سے اس کے سینے میں مچل رہے تھے۔ آنکھوں سے بہہ نکلے۔ وہ بے اختیار اپنی ماں کی گود میں سر رکھ کر رونے لگی۔ اس کا دل پہلے کبھی ایسے غم سے آشنا نہ ہوا تھا۔ آج جب کہ وہ تفکرات اور پریشانیوں کے سمندر میں غوطے کھا رہی تھی۔ اسے محسوس ہوا کہ ماں کی گود بھی دنیا میں کتنی بڑی نعمت ہے۔ رنج اور غم نے دونوں ماں بیٹیوں کو ایک سطح پر لا کھڑا کیا تھا۔ اپنی ماں کے دکھ کی صحیح اہمیت آج اس کے دماغ میں آئی تھی۔

چند منٹ اسی عالم میں گزر گئے۔ نفیسہ خانم کے ضبط کے بندھن بھی ٹوٹ گئے تھے۔ ان کی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کا دھارا بہہ رہا تھا۔ بالآخر انہوں نے خود کو سنبھالتے ہوئے آہستہ سے سیفو کا سر اٹھایا۔

"میری زندگی خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔ تمہارے حصے کے غم بھی مجھے مل جائیں اور تم سدا مسرور رہو۔ مجھ سے وعدہ کرو سیفو کہ آئندہ نہیں روؤ گی کرتی ہو وعدہ......؟"

سیفو! نے سر ہلا دیا اور اٹھ بیٹھی۔

"اچھا اب اٹھو غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ دھوؤ۔" نفیسہ خانم نے زبردستی لہجے میں بشاشت پیدا کرتے ہوئے کہا۔ سیفو اٹھ کر غسل خانے میں چلی گئی۔

دوسرے روز وہ پرنسپل جہاں زیب کے ہمراہ لاہور جانے کے لیے ٹرین پر سوار ہوگئی۔

تیز گام چھوٹے چھوٹے سٹیشن چھوڑتی' بڑی سبک روی سے اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ سیفو زنانہ سیکنڈ کلاس میں کھڑکی کی چوکھٹ پر کہنی ٹیکے خیالات کے سمندر میں غرق تھی۔ گزشتہ زندگی کے سولہ سالہ واقعات اس کی آنکھوں کے سامنے ایک فلم ریل کی طرح گزر رہے تھے۔ روانگی کے وقت اپنی ماں کی افسردہ صورت یاد آتے ہی اس کے دل کو دھکا سا لگا۔ آنسو اس کی آنکھوں میں آ جانے کے لیے بے تاب تھے مگر اس نے خود کو سنبھالا۔

درجے میں اس کے علاوہ ایک بوڑھی انگریز عورت بھی تھی۔ جو بیٹھی بیٹھی اونگھ رہی تھی۔ لہٰذا سیفو کے خیالات میں دخل اندازی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ البتہ جب کوئی بڑا اسٹیشن آ جاتا تو پرنسپل صاحب جو ساتھ کے مردانہ سیکنڈ میں تھے آ کر پوچھ جاتے کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ آرام سے تو ہو۔ بس اس کے بعد پھر وہ ہوتی اور اس کے تصورات۔

ایک ٹھنڈا سانس لے کر اس نے بوڑھی میم کی طرف دیکھا۔ وہ دیوار سے ٹیک لگائے بدستور اونگھ رہی تھی۔ سیفو سوچنے لگی۔ اب میں ایک نئی زندگی کی طرف جا رہی ہوں' نئے لوگ' نیا ماحول میرا استقبال کرینگے۔ نازیہ آپا کو ایک دو دفعہ دیکھا ضرور ہے۔ پھر پھوپھی رضیہ کی ناراضگی کی وجہ سے ملنا جلنا تقریباً ختم ہو گیا۔ میں ان کی عادات سے پوری طرح تو واقف نہیں ہوں۔ اتنا یاد ہے کہ بہت ہنس مکھ اور محبت کرنے والی ہیں اور جمال بھائی' انہیں تو بہت ہی کم دیکھا ہے صورت بھی تھوڑی سی یاد ہے۔ پتہ نہیں کیسے ہوں گے۔ پھر سب سے بڑا مرحلہ کالج کا ہے۔ میں نے تو اب تک ہائی سکول ہی دیکھا ہے اور وہ بھی ایک قصبے کا' کالج تو ایک بہت بڑا ادارہ ہوتا ہے۔ لڑکیاں' پروفیسریں' سنا ہے سبھی بہت مغرور ہوتی ہیں۔ فرسٹ ایئر کی لڑکیوں کو فول بھی بنایا جاتا ہے۔ خیر دیکھا جائے گا۔ اللہ مالک ہے۔

پھر جس بات نے اسے گھر اور ماں باپ ترک کرنے پر مجبور کیا تھا وہ محض تعلیم ہی تو نہ تھی۔ اس سے زیادہ اہم چیز تھی انوار کی پہنچ سے دور ہو جانا۔ اس نے سوچا

کیا ہی اچھا ہو جو میری تعلیم کے دوران وہ کسی اور لڑکی پر ریجھ کر یہ منگنی توڑ ڈالے اور وہ آزاد ہو جائے۔

گاڑی آہستہ ہوتی جا رہی تھی۔ شاید کوئی بڑا اسٹیشن آ رہا تھا۔ اس نے میم کی طرف دیکھا۔ وہ اب جاگ اٹھی تھی اور اپنا اٹیچی کیس کھول کر اس میں کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ایک دودھیا سی شیشی نکال کر تولیہ لیے وہ غسلخانے میں چلی گئی۔

پرنسپل صاحب نے آ کر کچھ مزید پھل اور مٹھائی وغیرہ بیٹی کو دیئے۔

''ابا جان ابھی پہلی چیزیں پڑی ہیں۔'' سیفو نے مسکرا کر کہا۔ ''اور لانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''رکھ لو بیٹی! کام آئیں گے۔ ابھی ایک گھنٹہ کا سفر اور ہے۔'' انہوں نے رومال سے چہرے پر لگی گرد پونچھتے ہوئے کہا۔

سیفو نے ٹوکری لے کر رکھ لی اور بولی۔ ''ابا جان ''مرز'' لا دیجئے۔''

پرنسپل صاحب رسالہ لینے چلے گئے۔ میم اب غسلخانے سے برآمد ہو چکی تھی۔ اس نے مسکرا کر سیفو کو دیکھا۔ بوڑھی ہونے کے باوجود اس نے چہرے پر خوب میک اپ کیا ہوا تھا۔ سیفو نے سوچا یہ لوگ اپنا کس قدر خیال رکھتے ہیں۔ ایک ہمارے ملک کی عورتیں ہیں۔ ذرا بوڑھی ہوئیں اور لباس تک کا خیال نہیں رہتا۔ میلی کچیلی اجاڑ صورتیں بنائے بس سارا دن چارپائی پر بیٹھ کر لوگوں کے گلے شکوے کرنے کے سوا اور کوئی کام نہیں۔ اس عورت کو دیکھو کتنی اپ ٹو ڈیٹ فراک پہنے ہے۔ گو کپڑا معمولی سا ہی ہے۔ تاہم سلائی کتنی عمدہ ہے۔ پھر لباس پر ایک شکن تک نہیں۔ صاف ستھرے موزے ہیں۔ دستانوں کے ساتھ میچ کرتا ہیٹ ہے۔ اس عمر میں میچنگ کا بھی کتنا خیال ہے اسے۔

میم نے انگریزی میں پوچھا۔ ''یہ کونسا اسٹیشن ہے۔''

''رائے ونڈ'' ...... سیفو نے جواب دیا۔

میم ذرا بے تکلف ہوتے ہوئے بولی۔ ''تم بھی لاہور جا رہی ہو......؟''

ہاتھ منہ نہیں دھویا؟ ...... اگر پسند کرو تو مجھ سے یہ لوشن لے لو۔''

اس نے لمبی سی دودھیا شیشی اسے دکھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ بڑا اچھا ہے۔ میں

تو ہمیشہ گاڑی میں پانی کے بجائے اسے ہی استعمال کرتی ہوں۔ گاڑی کے پانی سے جلد خراب ہوکر اگزیما ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔''

''شکریہ'' سیفو نے جواب دیا۔ ''میں تو ہمیشہ گاڑی کے پانی سے ہی منہ دھوتی رہی ہوں۔ آج تک کچھ نہیں ہوا۔ آپ لوگوں کی جلد دراصل حساس زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں کا پانی بلکہ موسم وغیرہ بھی آپ کو موافق نہیں آتے۔''

''ہاں یہ تو تم نے ٹھیک کہا۔'' میم پوپلے منہ سے ہنستے ہوئے بولی۔ ''ہمارے انگلینڈ کی آب و ہوا کا کیا مقابلہ؟ یہاں تو اتنی گرمی پڑتی ہے کہ حد نہیں' موسم اکثر شدید رہتا ہے۔''

''بات یہ ہے۔'' سیفو نے سنجیدگی سے کہا۔ ''کہ ہر شخص کو اپنے ہی ملک کی آب وہوا راس آتی ہے۔ ہم لوگ اگر لندن جائیں تو شاید وہاں ہر وقت کی بارش اور غلیظ دھند سے تنگ آ جائیں جو سنتے ہیں وہاں تقریباً ہمہ وقت رہتی ہے۔''

اتنے میں پرنسپل صاحب ''مرز'' لے کر آ گئے۔ ''لو بیٹی!'' انہوں نے کھڑکی میں سے رسالہ دیتے ہوئے کہا۔ ''میں اب جا رہا ہوں۔ گاڑی چلنے والی ہے۔ خیال رکھنا اگلا ہالٹ لاہور ہوگا۔'' یہ کہہ کر وہ پائدان پر سے اتر کر اپنے درجے میں چلے گئے۔

''یہ تمہارے باپ تھے؟'' بوڑھی میم نے پوچھا۔

''جی ہاں۔'' سیفو بولی۔

''بڑے شاندار آدمی ہیں۔'' میم نے تعریف کی۔ ''بہت کم پاکستانی میں نے اتنے خوبصورت دیکھے ہیں۔ تم خود بھی تو بڑی حسین ہو۔ یہ چسٹ نٹ بال' نازک سفید جلد' اور مخملیں ہاتھ...... پھر تمہاری آنکھیں تو خالص انگلش ہیں۔ ایسی سبزی مائل براؤن آنکھیں میں نے آج تک کسی مقامی لڑکی کی نہیں دیکھیں۔ تمہاری والدہ انگریز تو نہیں؟''

''مجھ میں یہ ساری صفات جو آپ کو غیر معمولی نظر آ رہی ہیں۔ اکثر پاکستانی لڑکیوں میں مل جائیں گی۔'' سیفو نے مسکرا کر کہا۔ ''میری والدہ تو انگریز نہیں' البتہ میری نانی ضرور سکاچ تھیں۔''

''سکاچ......؟'' میم نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ ''پھر تو وارثت میں تمہیں گہری

سبز آنکھیں ملنی چاہیئے تھیں۔ اکثر سکاچ ایسی ہی آنکھیں رکھتے ہیں۔''

''میری آنکھیں ابا جان پر ہیں۔'' سیفو نے ہنس کر کہا۔ ''امی کی آنکھیں بالکل ویسے ہی رنگ کی ہیں جو آپ بتا رہی ہیں۔''

اگلا سٹیشن لاہور تھا۔ لہٰذا سیفو نے آہستہ آہستہ اپنا سامان سمیٹنا شروع کیا۔ کھونٹی سے برقع اتارا۔ غسل خانے میں جا کر منہ دھویا' صابن دانی اور تولیے کو باسکٹ میں رکھ کر جس پلش کے ٹکڑے کو سیٹ پر بچھا رکھا تھا اسے تہ کر کے بستر میں ٹھونسا۔ بیڈ سلیپر واپس اٹیچی کیس میں رکھ کر سفید پمپی پہنی اور سیٹ پر بیٹھ کر بالوں کو پیچھے سمیٹنے لگی۔ گھنگریالی آوارہ لٹیں اس کے کانوں کے پاس جھول رہی تھیں۔ انہیں قابو کرنے کے لیے اس نے پن لگا دیئے۔

اب اس کا دماغ ہر قسم کے خیالات سے پاک تھا۔ ماضی و حال کے اندیشے کہیں تحلیل ہو چکے تھے۔ لاہور پہنچنے کی مسرت اور ہیجان سے وہ گلابی ہوئی جا رہی تھی۔ عجیب قسم کی بچگانہ خوشی سے اس کا رواں رواں ناچ رہا تھا۔ خودبخود ہی ایک دلکش مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ گئی۔

گاڑی آہستہ ہونے لگی تھی۔ لاہور کے مضافات نظر آنے لگ گئے تھے۔ ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ گاڑی لاہور سٹیشن میں داخل ہو کر پلیٹ فارم پر رک گئی۔ قلیوں کی پوری پلٹن منتظر تھی۔ گاڑی رکتے ہی انہوں نے مسافروں پر ہلہ بول دیا۔ سامان کے لیے آپس میں چھینا جھپٹی ہونے لگی۔ پرنسپل صاحب نے دو قلیوں کو بلا لیا اور باقی کو ڈانٹ کر پرے بھگا دیا۔ سامان پلیٹ فارم پر رکھے جانے کے بعد سیفو بھی برقع پہنے درجے سے اتر آئی۔ آدمیوں کی بھیڑ میں میم نہ جانے کہاں گم ہو چکی تھی۔ قلیوں کے سر پر سامان اٹھوائے پرنسپل صاحب اور سیفو لوگوں سے بچتے بچاتے' بھیڑ میں راستہ بناتے پلیٹ فارم سے باہر نکل آئے۔ ٹکٹ دکھا کر بڑھے ہی تھے کہ سامنے ہی تیز تیز قدموں سے جمال آتے دکھائی دیئے۔ قریب آ کر انہوں نے پرنسپل صاحب کو سلام کیا۔ سیفو کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''مجھے افسوس ہے کہ دفتر میں دیر ہو جانے کی وجہ سے ذرا لیٹ پہنچا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولے۔ سیفو انہیں غور سے دیکھ رہی تھی۔ جمال ایک ہنس مکھ' خوش باش

انسان تھے۔ وہ بھی اس طرف متوجہ ہو گئے۔

"ماشاء اللہ سیفو! تم تو بڑی ساری ہو گئیں۔" وہ اس کے سراپا پر نظر ڈالتے ہوئے ہنس کر بولے۔ سیفو جھینپ سی گئی۔ پرنسپل صاحب نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "تمہارا خیال تھا ساری عمر چھوٹی سی رہے گی؟"

جمال ہنس دیئے۔ "میری نظر میں تو وہی ننھی سی بے بی ہے۔ جو قالین پر آلتی پالتی مارے تتلا تتلا کر قرآن شریف کی آیات پڑھتی تھی۔ چچا جان مجھے اس کی بسم اللہ کی رسم ابھی تک یاد ہے۔"

"ہاں ہاں تم آئے تو تھے۔ اس کی بسم اللہ پر۔" پرنسپل صاحب نے کہا۔

پلیٹ فارم کی سیڑھیاں اترتے ہی سامنے جمال کی سبز رنگ کی بیوک کھڑی تھی۔ سب اس میں بیٹھ گئے۔ سامان رکھوا کر جمال کار ڈرائیو کرنے لگے۔



جمال مسعود ریلوے کے محکمہ میں میکینکل انجینئر کے عہدے پر فائز تھے۔ ان کی بیوی نازیہ پرنسپل صاحب کی سگی بھانجی تھیں۔ دونوں میاں بیوی بڑے ملنسار اور مخلص تھے۔ جمال خاص طور پر بڑے خوش مزاج اور زندہ دل انسان تھے۔ انہیں سرکاری طور پر لاہور کی نئی آبادی میں تین بیڈ رومز کا ایک بڑا خوبصورت بنگلہ ملا ہوا تھا۔ جس کے سامنے رنگ برنگے پھولوں اور سرسبز گھاس کا کافی بڑا قطعہ تھا۔ عقبی حصے میں پھولوں اور ثمر وار درختوں کی ریل پیل تھی۔

اس وقت رات کے ساڑھے آٹھ بجے ہوں گے۔ نفاست سے سجے ہوئے صاف ستھرے ڈائننگ روم میں ایک بڑی سی کھانے کی میز کے گرد کرسیاں بچھائے جمال، ان کی بیوی نازیہ، جمال کی والدہ خدیجہ بیگم، سیفو اور پرنسپل جہاں زیب بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں۔ پاس ہی ننھی سی میز کرسی لگائے پانچ سالہ فرح اور اس کا ننھا بھائی توصیف بیٹھے اپنی بنگالی آیا سے ضدیں کر رہے ہیں کہ یہ نہیں کھائیں گے۔ وہ کھائیں گے۔ وہ بچاری منت خوشامد کر کے کچھ نہ کچھ کھلا رہی ہے۔

جمال نے بھنے ہوئے مرغ کی قاب پرنسپل صاحب کے سامنے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "چچا جان! یہ تو آپ نے لیا ہی نہیں......"

''بیٹے! میں زیادہ مرچ نہیں کھا سکتا۔ اسی لیے پلاؤ اور رائتے پر اکتفا کر رہا ہوں۔'' پرنسپل صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ذرا سا لے لیجئے۔ کوئی حرج نہیں۔'' خدیجہ بیگم نے اصرار کیا۔

''خیر لایئے۔ ذرا سا لیے لیتا ہوں......'' انہوں نے قاب لیتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' پرنسپل صاحب نے سر ہلایا۔ ''مجھے تو ڈاکٹروں نے بالکل منع کر رکھا ہے۔ لہٰذا عادت سی پڑ گئی ہے مرچ نہ کھانے کی۔ تمہاری چچی بھی کم ہی کھاتی ہیں۔ ہمارے گھر میں ایک یہ سیفو ہی زیادہ کھاتی ہے مرچیں۔'' ......وہ ہنسے۔

''اچھا؟'' نازیہ نے مسکرا کر سیفو کی طرف دیکھا۔ ''پھر تو خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو...... مجھے بھی کرارا سالن پسند ہے۔''

''کچھ سبزیاں ایسی ہوتی ہیں جن میں اگر کم مرچ ہو تو بری نہیں لگتیں۔'' سیفو نے کہا۔ ''مثلاً کدو ٹینڈے وغیرہ......لیکن آپا سچ کہیے گا اگر کریلے' بھنڈی وغیرہ میں کم مرچ ڈالی جائے تو کیسی عجیب سی لگے۔ پھر قیمہ ہے......''

''قیمہ تو بغیر دوگنی ہری مرچ اور بہت سی لال مرچوں کے اچھا ہی نہیں لگتا۔'' نازیہ بول اٹھیں۔ ''گرم مسالہ اس کے علاوہ ہونا چاہیے۔''

''سنا آپ نے؟'' جمال نے ہنس کر کہا۔ ''یہ حالت ہے......''

پرنسپل صاحب بھی ہنس پڑے۔

کھانے کے بعد یہ سب لوگ گول کمرے میں جا بیٹھے۔ پرنسپل صاحب نے صوفہ پر بیٹھتے ہوئے پائپ سلگایا اور لائٹر جیب میں رکھتے ہوئے بولے۔

''جمال میاں! تمہارے والد آج کل کہاں رہتے ہیں۔''

''سرگودھا میں' ان کی اب پنشن ہو چکی ہے۔'' جمال نے جواب دیا۔

''اچھا۔'' پرنسپل صاحب نے حیران ہو کر کہا۔ ''تو پھر اب بیکار ہی ہیں یا زمینداری کا کام سنبھال لیا ہے؟''

''جی ہاں' زمینداری کا کام ہی کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں مجھ سے بیکار نہیں بیٹھا جاتا۔'' جمال نے ہنس کر کہا۔

''یہ تو ٹھیک ہے۔'' پرنسپل صاحب نے سر ہلایا۔ ''جو آدمی تمام عمر بڑی چستی و

مستعدی سے ملازمت کرتا رہا ہو اور پھر ملازمت بھی پولیس کی وہ واقعی بیکار نہیں رہ سکتا۔"

"اب مزارعوں پر رعب جماتے ہیں۔" جمال ہنسے۔

"عادت جو پڑی ہوئی ہے حکومت کرنے کی۔" پرنسپل صاحب بھی مسکرانے لگے۔

"مجھے تم ان کا ایڈریس دینا۔ کبھی خط ہی لکھیں گے۔ ویسے تو میں خط لکھنے کے معاملے میں کافی سست ہوں۔ دو دو نشستوں میں کہیں ایک خط ختم ہوتا ہے۔"

نازیہ اور سیفو دیوار کے ساتھ بچھے ہوئے تخت پر بیٹھی باتوں میں مشغول تھیں۔ خدیجہ بیگم عشاء کی نماز پڑھنے چلی گئی تھیں۔ بچے آپا کے ساتھ سونے چل دیئے۔ پرنسپل صاحب نے نازیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"نازی بٹیا! میں چاہتا ہوں جلد ہی سیفو کو لے کر کالج چلی جاؤ تاکہ داخلے میں دیر نہ ہو تم ساتھ ہو گی تو پہلے پہل جگہ کا نیا پن اس کو زیادہ نہ کھلے گا۔"

"جی ماموں جان! مجھے خود اس بات کا احساس ہے۔" نازیہ نے ادب سے کہا۔

"ویسے کالج کی کئی لیکچررز میری واقف ہیں۔ انشاء اللہ سیفو کو کوئی تکلیف نہ ہو گی آپ فکر نہ کریں۔"

"فکر تو اسی دن دور ہو گئی تھی جب اس کو تمہارے ہاں بھیجنے کا سوچا تھا۔" پرنسپل صاحب نے شفقت سے کہا۔"اب ذرا کالج سے مانوس ہو جائے گی تو بس ٹھیک ہے۔"

"ابا جان کی باتیں بھی عجیب ہوتی ہیں۔" سیفو نے آہستہ سے کہا۔ "بھلا میں کوئی پہلی جماعت میں داخل ہونے والی بچی ہوں جو استانیوں کی صورت دیکھ کر ڈر جاؤں گی۔"

نازیہ نے مسکرا کر کہا۔ "سبھی ماں باپ کی فکریں ایسی ہی ہوتی ہیں سیف۔ اولاد کو جو باتیں بے حد عام اور ہلکی پھلکی سی نظر آتی ہیں۔ ماں باپ کے نزدیک وہی بے حد وقیع ہوتی ہیں ...... تم ان جذبات کو نہیں سمجھ سکتیں۔"

سیفو دھیرے سے مسکرا دی۔

''اچھا یہ بتاؤ اب کافی پیو گی یا چائے۔'' نازیہ نے پوچھا۔

باتوں میں مصروف ہونے کے باوجود جمال کے کان ادھر ہی لگے ہوئے تھے۔ فوراً بولے۔ ''بھئی آج تو سبز کشمیری چائے پلاؤ۔ شام کو بونداباندی ہو جانے کی وجہ سے اس وقت خوب اوس پڑ رہی ہے۔ ایسے بھیگے ہوئے موسم میں تو کشمیری چائے ہی کچھ لطف دیتی ہے۔ کیوں چچا جان آپ کی کیا رائے ہے؟''

پرنسپل صاحب نے بھی اس تجویز پر صاد کیا۔ تھوڑی دیر بعد چائے آ گئی اور سب پینے لگے۔

دوسرے روز اتوار تھا۔ جمال گھر پر ہی تھے۔ لہٰذا شالامار باغ جانے کا پروگرام بنا۔ صبح ہی صبح نازیہ اور سیفو نے ساتھ لے جانے کے لیے چیزیں تیار کرلیں۔ آٹھ بجے کے قریب سب لوگ چل پڑے۔ خدیجہ بیگم گھر پر رہیں۔

سارا دن شالامار میں گھومنے' تصویریں اتارنے اور اچھی طرح تفریح کرنے کے بعد یہ لوگ عصر کے قریب واپس آئے۔ بادل تمام دن گھرے رہے تھے۔ اس وقت بارش شروع ہو گئی۔ پرنسپل صاحب آتے ہی اپنے کمرے میں آرام کرنے چلے گئے تھے۔ جمال' نازیہ اور سیفو برآمدے میں بیٹھے بارش کا سماں دیکھ رہے تھے۔

''واہ بھئی! معلوم ہوتا ہے یہ بارش جیسے ہماری واپسی ہی کا انتظار کر رہی تھی۔'' جمال اٹھتے ہوئے بولے۔

''شکر کیجئے دن کے وقت نہ ہوئی۔ ورنہ بھیگ جاتے۔'' سیفو نے کہا۔

''اور سارا مزا کرکرا ہو جاتا سیر کا'' نازیہ نے لقمہ دیا۔ ''واقعی یہ تو اچھا ہی ہوا......''

''یہ کیوں نہیں کہتیں کہ سیر کا لطف دگنا ہو جاتا۔'' جمال بارش کا نظارہ کرتے ہوئے بولے۔ ''بھیگنے اور پھر بھاگنے میں جو مزہ ہے وہ خشک موسم میں کہاں۔''

''آپ لوگوں کا کیا ہے۔'' نازیہ نے کہا۔ ''خاکی پینٹ اور سفید قمیض اگر بھیگ بھی جائے گی تو کوئی خاص نقصان نہیں ہوگا۔ مصیبت تو ہم لوگوں کو آئی۔ جارجٹ بھیگنے سے اس طرح سکڑتی ہے کہ حد نہیں اور پھر رنگ بھی اگر کچا ہو تو سبحان اللہ۔''

''تو کس حکیم نے کہا ہے کہ ضرور سج سجا کے جایا کرو۔'' جمال نے کہا۔
''پکنک پر جانے کے لیے تو خاص طور پر سوتی اور سادہ کپڑے پہننے چاہئیں' تا کہ اگر خراب بھی ہو جائیں تو پروانہ ہو۔''
''یہ تو بھائی جان نے ٹھیک کہا۔'' سیفو بولی۔ ''واقعی محض کپڑے خراب ہونے کے ڈر سے ہم لوگ پکنک کا اصل لطف نہیں اٹھا سکتے۔''
''اچھا بقیہ باتیں پھر ہوں گی۔'' جمال نے کہا۔ ''اس وقت تو گرم گرم کافی کے ساتھ نمکین بسکٹ کھانے کو جی چاہ رہا ہے۔ نازی ذرا جلدی سے بھاگ کر باورچی سے پتہ تو لو کہ اس وقت کون کون سی چیزیں ہمارے سامنے حاضر کر سکتا ہے۔''
سیفو اور نازیہ کچن میں چلی گئیں۔
اگلی شام کو سیفو کے بارے میں نازیہ کو کچھ مزید ہدایات دینے کے بعد پرنسپل صاحب واپس علی پور چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد جمال نے ان دونوں کو پکچر دکھائی۔ رات گئے یہ لوگ واپس آئے۔



کالج کے لمبے لمبے ستونوں والے برآمدوں میں سے گزرتے ہوئے سیفو نے دیکھا کہ جگہ جگہ خوشنما کنجوں کے نیچے لڑکیاں بیٹھی گپیں ہانک رہی ہیں۔

''کالج لگا ہوا ہے پھر بھی یہ لڑکیاں یہاں فارغ بیٹھی ہیں۔ یہ کیوں؟'' سیفو نے پوچھا۔

''ان کا کوئی پیریڈ خالی ہوگا۔'' نازیہ نے ساڑھی کا پلو سنبھال کر سیڑھیاں اترتے ہوئے کہا۔

سیفو نازیہ کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی کالج کی عمارت کا جائزہ لیتی جا رہی تھی۔ اس نے ہلکے نیلے لباس کے ساتھ براؤن چپل پہن رکھی تھی۔ جس میں اس کے گلابی پاؤں بڑے ہی خوشنما لگ رہے تھے۔ ایک روش پر چلتے ہوئے اس نے دیکھا کہ ایک لڑکی بالکل اکیلی بیٹھی کتاب پڑھ رہی ہے۔ سیفو اور نازیہ کے نزدیک آ جانے پر اس نے نگاہ اٹھا کر انہیں دیکھا۔ اس کی نظروں میں دوسری لڑکیوں کی طرح اجنبیت نہیں بلکہ ایک طرح کی اپنائیت تھی۔ نکھرے ہوئے رنگ اور بڑی بڑی سیاہ آنکھوں والی اس جاذب نظر لڑکی کے بال بالکل سیدھے اور بھونرے کی طرح سیاہ تھے۔ سیفو کو وہ بے حد اچھی لگی۔ قریب سے گزرتے ہوئے اس نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ لڑکی کی نگاہ دیر تک دور جاتی ہوئی سیفو پر گڑی رہی۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں ستائش تھی۔ پھر اس نے کتاب پر توجہ مبذول کر لی۔

رنگا رنگ پھولوں کے تختوں میں سے ہوتی ہوئی دونوں پرنسپل کے کمرے کے سامنے پہنچ گئیں۔ چپراسی نے اندر جا کر اطلاع دی۔ اذن باریابی ملنے پر دونوں چق اٹھا کر اندر داخل ہوئیں۔

لمبی چوڑی آفس ٹیبل پر ایک طرف ٹیلیفون پڑا تھا۔ باقی جگہ مختلف اشیاء ترتیب سے لگی تھیں۔ پن ہولڈر' سیاہی چوس' پیپر ویٹ وغیرہ ایک جانب گلدان میں لگے سرخ پھول جھوم رہے تھے۔

میز کے عقب میں گھومنے والی کرسی پر کالج کی بوڑھی انگریز پرنسپل بیٹھی کچھ کاغذات دیکھ رہی تھیں۔ ان دونوں کی آمد پر انہوں نے عینک اتار کر ایک طرف رکھ دی اور غائر نظروں سے انہیں دیکھا۔ نازیہ کو پہچان کر وہ مسکرائیں۔

''میں آپ کے لیے ایک شاگرد لائی ہوں۔'' نازیہ نے ادب سے کہا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' پرنسپل نے شفقت سے مسکرا کر کہا۔

دونوں ایک طرف پڑی کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔ سیفو بڑے غور سے پرنسپل اور اس کے کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔

''نام کیا ہے تمہارا بی بی!'' پرنسپل نے سیفو سے پوچھا۔

''صفورا جہاں زیب!'' وہ زیر لب مسکرا کر بولی۔

نازیہ نے متعلقہ کاغذات ان کی طرف بڑھا دیئے۔ پرنسپل نے ایک بار پھر عینک لگا لی اور کاغذات دیکھنے لگیں۔ وہ بوڑھی ہونے کے باوجود بہت صحت مند تھیں اور محکمانہ روایات کے خلاف کافی حد تک خوش خلق بھی تھیں۔

''ہوں' فرسٹ ڈویژن لی ہے۔'' وہ سر اٹھا کر سیفو کو دیکھتے ہوئے مسکرائیں۔ ''لگتی بھی کافی ذہین ہو۔ اچھا کل ٹیسٹ کے لیے نو بجے آ جانا۔''

''بہت بہتر۔'' سیفو نے کہا۔

''اب ہم لوگ جا سکتے ہیں میڈم؟'' نازیہ نے اجازت چاہی۔ پرنسپل نے مسکرا کر کہا۔ ''ہاں' نازیہ تمہارا ریکارڈ اس کالج میں کافی اچھا رہا ہے۔ امید ہے تمہاری بہن بھی اسی روایت کو برقرار رکھے گی۔''

نازیہ مسکرا دی۔ ''جی کیوں نہیں' اللہ نے چاہا تو بہت عمدہ سٹوڈنٹ ثابت ہو گی اور اس کالج کے وقار کی ضامن ہو گی۔''

دونوں سلام کر کے باہر نکل آئیں۔

فرسٹ ڈویژن اور نازیہ کی کالج کے ارباب بست و کشاد کے ساتھ واقفیت

سیفو کے لیے ممد ثابت ہوئی۔ ٹیسٹ میں کامیاب ہوکر وہ کالج سٹوڈنٹ بن گئی۔ اب وہ باقاعدگی سے کالج جاتی تھی۔ کچھ روز تو ذرا سیٹ ہونے میں لگے پھر وہ اس ماحول میں رچ بس گئی۔ سیفو کی دلکش صورت' شائستہ اطوار اور پیاری عادتیں اسے بہت جلد حلقہ موانست میں لے آئیں۔ کلاس سیٹس کے علاوہ بڑی کلاسز کی کئی لڑکیوں سے بھی اس کی شناسائی ہوگئی تھی۔ تاہم اس کی کلاس کی چار لڑکیاں زارا احمد' طاؤسہ کمال' زارا احمد وہی سیاہ بالوں اور سیاہ آنکھوں والی متین سی لڑکی تھی جو پہلے دن سیفو کو اکیلی لان میں بیٹھی نظر آئی تھی۔ اس کی عادات بہت پسندیدہ تھیں۔ وہ کبھی فالتو بات چیت نہ کرتی۔ سیفو اور زارا بہت جلد ایک دوسرے کے قریب آ گئیں۔ طاؤسہ ریحانہ اور برجیس بھی بہت دلچسپ لڑکیاں تھیں۔ ان کی الگ الگ منفرد خصوصیات تھیں جن کی بنا پر وہ سیفو کو بھا گئیں۔ جلد ہی یہ پانچوں لڑکیاں آپس میں گھل مل گئیں۔ وہ دوسروں سے الگ بیٹھ کر باہم دلچسپی کی باتیں کرتی رہتیں۔

آج کالج میں ڈیبیٹ تھی۔ انٹر کالجز مباحثہ ہو رہا تھا۔ اس لیے لڑکیوں میں بڑا جوش و خروش تھا۔ جیتنے والی ٹیم کو ایک سلور کپ دیا جانا تھا۔ کونوں کھدروں میں اور برآمدے کے ستونوں کے ساتھ لگ کر لڑکیاں جلد جلد اپنے پوائنٹس دیکھ رہی تھیں۔ سیفو چونکہ نئی داخل ہوئی تھی ذرا جھجکتی تھی۔ اس لیے اس نے اس مباحثہ میں حصہ نہیں لیا تھا۔ تاہم وہ زارا سے اسی مضمون کے متعلق باتیں کر رہی تھی۔ زارا بڑی سرگرم مقرر تھی۔ وہ حزب موافق کی طرف سے بولنے والی تھی۔ بحث کا عنوان تھا۔ "مذہب ملکی ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں۔"

چنبیلی کے ایک بڑے جھاڑ کے نیچے بیٹھی یہ دونوں تبادلہ خیالات کر رہی تھیں کہ ان کی کلاس کی ایک لڑکی نیلم افتخار ادھر سے گزری۔ یہ حزب مخالف میں سے تھی۔ بے حد امیر گھرانے کی یہ نہایت متکبر لڑکی' سخت الٹرا' ماڈرن تھی۔ چست لباس پہنتی' بالوں کا گنبد سا بناتی اور جینا لولو بریجیڈا کی طرح ٹھیٹ اطالوی لہجے میں انگلش بولتی۔ لوئسٹ ڈانس میں دور دور اس کا کوئی ثانی نہ تھا۔ طبائع کی اسی نمایاں اختلاف کی وجہ سے وہ زارا سیفو اور ان کی دوسری ہمنواؤں سے بہت متنفر تھی۔ اس وقت جو ان کو یہاں بیٹھ کر اپنے پوائنٹس یاد کرتے دیکھا تو طنز سے بولی۔

''اوگوش! زارا بہت رٹا لگا رہی ہو۔ ہم تو اکسٹمپو ر بولیں گے۔''

''بڑی اچھی بات ہے۔'' زارا نے ٹالتے ہوئے کہا پھر ہنس کر بولی۔ ''تم تو حزب مخالف میں سے ہونا؟''

''بالکل! یہ ملا ازم تمہیں کو مبارک رہے۔'' اس نے حقارت سے کہا۔

''بھئی اپنی اپنی پسند ہے یہ تو۔'' زارا نے مسکرا کر دھیرے سے کہا۔

''اور کیا' یہ فاقے کرنا اور بیکار کی ٹکریں مارنا ہمیں تو پسند نہیں وہ ملک بھلا کیسے پروگریس کر سکتا ہے جس کے پاؤں میں مذہب کی زنجیریں ہوں۔ آج کی ماڈرن ورلڈ میں مذہب کا کوئی کام نہیں۔ یہ تو پرانے زمانے کے لوگوں کا ڈھونگ ہے۔''

سیفو خاموش نہ رہ سکی۔ ذرا درشتی سے بولی۔ ''نیلم یقیناً تمہیں یہ حق حاصل نہیں کہ دوسروں کے نظریات کا مذاق اڑاؤ۔ بہتر یہی ہوگا کہ اپنی زبان کے جوہر مباحثے کے لیے اٹھا رکھو۔''

نیلم نے ذرا غور سے سیفو کو دیکھا اور زارا سے مخاطب ہو کر بولی۔ ''ایک نیا حمائتی مبارک ہو......''

سیفو غصے میں کوئی سخت جواب دینے ہی والی تھی کہ زارا نے روک دیا۔ نیلم آگے بڑھ گئی۔

''میں تو اس مباحثے کو معمولی ہی سمجھ رہی تھی زارا۔'' سیفو نے اس کے جانے کے بعد کچھ دیر سوچ کر کہا۔ ''مگر نیلم جیسی لڑکیاں اسے آن کا سوال بنا کر ہی رہیں گی۔ تم ذرا ڈٹ کر بولنا۔''

''تم دیکھنا تو سہی نیلم طنز کے تیر چلانے میں جتنی ماہر ہے۔ اتنی ہی مباحثے کے میدان میں پھسڈی۔'' زارا مسکرائی۔ ''یہ تو چونکہ ذرا بڑے گھر کی لڑکی ہے ٹیچرز ازراہ کرم اسے بھی شامل کر لیتی ہیں۔ ورنہ اس کا تو تلفظ تک صحیح نہیں۔ اکثر موضوع سے بھی بھٹک جاتی ہے۔''

تھوڑی دیر میں طاؤسہ' برجیس اور ریحانہ بھی آ گئیں۔ ''ارے افیم چیو! تم دونوں ابھی یہیں بیٹھی ہو۔ ہال سارا بھر گیا ہے۔ مس میکنزی! اور مس باقر علی! بھی آ گئی ہیں۔ چلو۔'' برجیس نے کہا۔

سیفو اور زارا کا پیاں پن سنبھالتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے طاؤسہ نے پوچھا۔ ''تیاری کیسی ہے زارا!...... آج سنا ہے دشمن نے بڑا زبردست مورچہ بنا رکھا ہے۔''

''جو خدا کو منظور۔'' زارا نے آہستہ سے کہا۔

''زارا تم تو ابھی سے کچھ مرعوب سی نظر آ رہی ہو۔'' سیفو نے متفکر ہو کر کہا۔ ''خدا کے لیے کہیں ہمت نہ ہار بیٹھنا۔''

''تم فکر مت کرو سیفو ......'' برجیس نے ہنس کر کہا۔ ''یہ زارا احمد! ہے۔ اس کی خطابت کا لوہا تو ہر کوئی مانتا ہے۔ اسے یوں چپ چپ نہ دیکھو۔ یہ سمندر کی طرح ہے اوپر سے ہلکی لہریں مگر گہرائی میں طوفان پوشیدہ ...... اسے ذرا آج بولتے ہوئے دیکھنا۔''

''تمہارا چونکہ آج پہلا موقع ہے اس لیے یوں کہہ رہی ہو۔'' ریحانہ نے مسکرا کر کہا۔ ''ہم نے اسے بیسیوں بار مباحثوں سے فاتح لوٹتے دیکھا ہے۔''

سیفو کی تسلی ہو گئی تھی۔ ہال کے دروازے پر انہیں منیرہ حمید اللہ ملی۔ یہ انہی کی موافقت میں تھی۔ اس نے آ کر سرگوشی کی۔ ''زارا آج حزب مخالف کی طرف سے پائنیر کالج کی عذرا نجیب بول رہی ہے۔ قسم خدا کی توپ ہے بالکل۔ اس کی گولہ باری سے بڑے بڑے میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ کہیں خائف نہ ہو جانا۔'' زارا خاموش رہی۔ اتنے میں حزب موافق کی کئی اور لڑکیاں بھی ان کی طرف آ گئیں اور کھسر پھسر ہونے لگی۔

تھوڑی دیر بعد مس مکنیزی نے مائیک پر مباحثہ شروع ہونے کا اعلان کیا۔ جلدی جلدی سب لڑکیوں نے اپنی سیٹیں سنبھال لیں۔ مقررین الگ الگ گروپوں میں سٹیج کے دونوں جانب قطار میں بیٹھی تھیں۔ سٹیج پر ججز متمکن تھیں۔

حزب موافق کی جانب سے پہلے سمیعہ توفیق مائیک پر آئی۔ اس نے بڑے پر جوش انداز میں تقریر شروع کی اور نہایت جچے تلے دلائل دیئے۔

''ارے وہی گھسے پٹے ملائیت کے فرسودہ دلائل۔ ''حزب مخالف'' میں سے کسی نے فقرہ کسا۔ قائد ایوان نے میز پر آہستہ سے ہاتھ مارا۔ فوراً خاموشی چھا گئی۔ اب حزب مخالف کی عتیقہ حسن علی کی باری تھی۔ اس کی تقریر نہایت تند و تیز تھی۔ مارے

جذبات کے خود اس کا چہرہ بھی سرخ ہو رہا تھا۔ دونوں جانب کرسیوں پر بیٹھی ہوئی لڑکیاں جلد جلد کچھ نوٹ کرنے لگیں۔ چار پانچ مزید مقررین کے بعد جن میں نیلم افتخار بھی شامل تھی۔ حزب مخالف کی طرف سے عذرا نجیب آئی اس نے بے شمار شعروں اور تاریخی حوالوں سے پر ایک نہایت مرصع تقریر کی۔ گو اس کی تقریر میں دلائل کی بجائے جذبات زیادہ نمایاں تھے۔ تاہم بولنے کا انداز چونکہ دلکش تھا۔ اس لیے سامعین خاصے متاثر ہوئے اور خوب تالیاں بجائی گئیں۔

اس کی تقریر کے بعد حزب مخالف کے حوصلے بہت بلند تھے۔ چہروں کی تمتماہٹ زبان حال سے متوقع فتح کا اعلان کر رہی تھی۔

عذرا نجیب کے بعد زارا احمد کا نام پکارا گیا۔ سفید لباس میں لپٹی لپٹائی سیاہ بالوں اور سیاہ دلنشین آنکھوں والی یہ پرکشش لڑکی جب مائک کے سامنے آئی تو ہال میں یوں خاموشی چھا گئی کہ سانسوں تک کی آواز سنائی دیتی تھی۔ زارا نے دراز پلکیں اٹھا کر ایک مرتبہ سامعین پر سرسری سی نظر ڈالی اور متوازن آواز میں تقریر شروع کی۔ چند لمحوں کے بعد اس کی آواز اور الفاظ میں سرکشی آ گئی۔ سیاہ آنکھوں میں بجلیاں سی بھر گئیں۔ حاضرین کو یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی سبک خرام نرم روندی ایک متلاطم پر غضب دریا میں تبدیل ہو گئی ہو۔ وہ جچے تلے الفاظ میں حزب مخالف کے دلائل کی دھجیاں اڑا رہی تھی اور ہال میں یوں سب دم بخود بیٹھے تھے جیسے کسی نے جادو کر دیا ہو۔

اس نے ''ملائیت'' کا مذاق اڑانے والوں کو مغرب زدگی کے بھیانک نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ ''وہ لوگ بھی اپنی تمام تر نام نہاد ترقی کے باوجود اب یہ اعتراف کرنے لگے ہیں کہ اس جنسی بے راہ روی اور اخلاق سے عاری معاشرے کو محض خدا کا خوف اور مذہب کی پابندی ہی پھر راہ راست پر لا سکتی ہے۔ ورنہ دنیا کی کوئی طاقت اس سیل گناہ کو نہیں روک سکتی......''

ملکی ترقی کے لیے ہر لمحہ مغرب کی طرف دیکھنے والوں کا تمسخر اڑاتے ہوئے اس نے کہا۔

''ایسے لوگ شدید قسم کے احساس کمتری میں مبتلا ہیں۔ ان عقل کے یتیموں کو اتنی خبر نہیں کہ جو قوم اپنے درخشاں ماضی سے کسب فیض حاصل کرنے کی بجائے غیروں

کی کاسہ لیسی کرے۔ تہذیب علم و ہنر' ثقافت اور روایات میں دوسروں کو امام جانے۔ اس کا سب مذاق اڑاتے ہیں اور اقوام عالم میں اس کی کوئی منفرد حیثیت باقی نہیں رہ جاتی۔ خدا کا شکر ہے کہ ایسے ذہنی یتیموں کی تعداد ہمارے ملک میں بہت قلیل ہے۔ ورنہ آج علامہ اقبال اور چغتائی کی بجائے ہم لوگ ہمینگوے اور پکاسو کو اپنا قومی ہیرو مان چکے ہوتے۔"

تالیوں کی گونج میں زارا احمد سٹیج سے اتر آئی۔ سیفو اور اس کی ہم مشرب لڑکیوں کے چہرے فرط مسرت سے گلابی ہوئے جا رہے تھے۔ حزب مخالف کی زبانیں گنگ اور چہرے فق ہو چکے تھے۔ زارا احمد اپنی روایات پر پوری اتری تھی۔ مباحثہ ختم ہو چکا تھا۔ جج نے کچھ دیر ایک دوسرے سے مشورہ کیا پھر مس باقر علی نے مباحثے کے خاتمے کا اعلان کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے یہ کہتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ عنوان۔ "مذہب ملکی ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں" کی موافقت میں بولنے والی ٹیم جیت گئی ہے۔"

لڑکیوں نے تالیوں سے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ جیتنے والی ٹیم کو پرنسپل نے اپنے دست خاص سے چاندی کا خوبصورت کپ پیش کیا۔

لڑکیاں ہال سے باہر نکل آئیں۔ سیفو' طاؤسہ' ریحانہ وغیرہ کے چہرے مسرت سے گلنار تھے۔ انہوں نے زارا کو مبارکباد دی۔ اتنے میں کہیں سے نیلم افتخار بھی ادھر آ نکلی۔

"ارے یہ مس باقر علی! جج نہ ہوتیں تو دیکھتے تم کس طرح جیت جاتیں۔"

اس نے ناک چڑھا کر کہا۔ "یہ تو صریحاً تمہاری سائڈ لی ہے انہوں نے۔ وہ خود بھی تو ملا ازم کی بڑی طرفدار ہیں۔ خوب نمازیں پڑھا کرتی ہیں۔"

"کتنے پھسپھسے دلائل تھے تمہارے نیلم اوفوہ۔" ریحانہ نے مذاق اڑایا۔

"اور اب کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مصداق ہم سے لڑ رہی ہو۔ بھلا وہ کیوں۔" برجیس نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"پہلی دفعہ کپ جیتا ہے اس لیے جامے میں نہیں سما رہیں تم لوگ۔" نیلم نے قہر آلود لہجے میں کہا۔

''اور تم نے تو بیسیوں دفعہ جیتے ہیں۔'' طاؤسہ نے طنزاً کہا

''ارے ایسے ایسے پھٹیچر کپ تو ہماری نیلم بی بی کی جوتیوں سے لگے پڑے ہیں۔''

اتنے میں عذرا نجیب بھی پاس آ گئی۔ اس نے جو یہ رنگ دیکھا تو بڑے پولیٹیکل طریقے سے مسکرا کر بولی۔ ''سپورٹس مین سپرٹ پیدا کرو نیلم، بہت مسکراتے ہوئے ہارنا چاہیئے۔''

''اور بسورتے ہوئے جیتنا۔'' طاؤسہ نے شرارت سے کہا۔ سب لڑکیاں ہنس پڑیں اور بات آئی گئی ہوگئی۔

کالج بند ہو چکا تھا اس لیے یہ سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلی گئیں۔



اتوار کا دن تھا۔ چمکتی ہوئی دھوپ میں نازیہ گھر کے ریشمی اور اونی کپڑے نکال نکال کر رکھ رہی تھی تاکہ کیڑا نہ لگے۔ سیفو بھی اس کا ہاتھ بٹا رہی تھی۔ ننھا توصیف اور فرح خوب کپڑوں کو الٹ پلٹ کر رہے تھے۔ خدیجہ بیگم پاس ہی تخت پر بیٹھی انہیں بتا رہی تھیں کہ سلمہ ستارے والے کپڑوں میں فینائل کی گولیاں مت ڈالنا۔ تمام مسالہ سیاہ پڑ جائے گا۔ اول تو نیم کے خشک پتے ڈالو۔ اگر وہ نہ ملیں تو سرخ مرچوں کے بیج پوٹلی باندھ کر ایک طرف رکھ دو۔ سب کیڑے مر جائیں گے۔

نازیہ بچوں سے زچ آئی ہوئی تھیں۔ ''اماں جان'' انہوں نے خدیجہ بیگم سے کہا۔ ''ذرا اس فرحی کو تو اپنے پاس بلا یئے۔ تمام کپڑوں کا ناس مار رہی ہے۔ دیکھیں اب میرا کامرانی کا نارنجی دوپٹہ اوڑھے بیٹھی ہے۔''

خدیجہ بیگم نے ہنس کر فرح کو بلایا۔ ''اے فرو! میرے پاس آ جا بیٹی، آ تو چھالیہ الائچی دوں۔''

فرح بھاگ کر دادی کی گود میں جا چڑھی۔ ''دادی اماں کہانی بھی سنائیں گی نا؟''

''نہیں بیٹے دن کے وقت کہانی نہیں سنتے۔ رات کو سناؤں گی۔''

"ارے آپا!" سیفو نے ہنس کر پکارا۔ "اس شریر توشی کو تو آپ نے دیکھا ہی نہیں۔ کس مزے سے آپ کی گوٹے والی کوٹی پہنے بیٹھا ہے۔"

نازیہ بھاگ کر آئیں اور کپڑوں کے ڈھیر پر سے توصیف کو اٹھایا۔ "آپا اسے لے جاؤ بھئی۔" انہوں نے بچے کو اٹھا کر اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "بہت تنگ کر رہا ہے۔"

آپا اپنی سرخ ساڑھی سنبھالتی' چاندی کے کڑے بجاتی آئی اور مچلتے ہوئے توصیف میاں کو اٹھا کر باہر لے گئی۔

نازیہ کپڑے پھیلا کر آرام کرسی پر دراز ہو گئیں۔ "بھئی اللہ" انہوں نے لمبی سانس لیتے ہوئے کہا۔ "یہ کپڑوں کو دھوپ دینا بھی خاصہ تھکا دینے والا کام ہوتا ہے اور ابھی ان کو تہ کر کے پھر سے رکھنا بھی ہے۔"

جمال باہر سے ایک خط لیے ہوئے آئے۔ "لو بھئی یہ رازی کا خط آیا ہے۔" انہوں نے کہا۔

خدیجہ بیگم بولیں۔ "کیا لکھا ہے؟"

"فرماتے ہیں ادھر بہت سیلاب آیا ہوا ہے۔" جمال نے تھکے ہوئے انداز سے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "زمینوں وغیرہ کے لیے ابا بہت پریشان ہیں۔ ان کا ہاتھ بٹانے کو ٹھہر گیا ہوں۔ کوئی دس ایک دن تک آؤں گا۔ میری رخصت منظور کروا لیجیے۔ اب بتایئے صاحبزادے پہلے ہی پندرہ دن کی چھٹی ہضم کیے بیٹھے ہیں۔ اوپر سے اور مانگ رہے ہیں۔"

"تو کوئی مجبوری ہو گی بیٹے۔" خدیجہ بیگم نے کہا۔ "اسے بیکار چھٹیاں لینے کی عادت تو ہے نہیں۔ ایسی ہی کوئی بات ہو گی جو ٹھہر گیا ہے۔"

"جی وہ تو ٹھیک ہے۔" جمال بولے۔ "مگر یہ درخواستیں گزارنے اور چھٹیاں منظور کرانے کا جھنجھٹ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔"

"ارے واہ تو اور کون کرے گا۔" نازیہ نے کہا۔ "اتنی سی بات ہے آپ خواہ مخواہ اس کا بتنگڑ بنا رہے ہیں۔ کوئی آپ کو بنفس نفیس تو جانا نہیں پڑے گا۔ درخواست لکھی اور پرنسپل کو بھیج دی۔

"ہاں وہ تو کروں گا ہی' اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔" جمال نے جھک کر بوٹ کے تسمے کھولتے ہوئے کہا۔ "مگر ذرا ان حضرات کو دیکھو۔ ڈاکٹری کا آخری سال ہے اور نخرے فرما رہے ہیں۔ تایا ابا ہمارے بھی خوب ہیں۔ لڑکے کا سال ضائع کرائیں گے اور کیا......"

"خدا نہ کرے اس کا سال ضائع ہو" خدیجہ بیگم نے کہا۔ "تم فکر نہ کرو' ہونہار لڑکا ہے' نکل جائے گا۔ بچارے منظور بھائی پھنسے بھی تو بہت بری طرح ہیں۔ سیلاب نے چاروں طرف سے زمینوں کو محصور کر رکھا ہے۔ لڑکوں کی امداد کے بغیر اکیلے کچھ کر بھی تو نہیں سکتے ضعیفی ہے۔"

"ابا جان نے کئی دفعہ کہا بھی کہ ادھر سیالکوٹ کی طرف زمینیں مت لیجئے۔ بڑا سیلابی علاقہ ہے مگر توبہ کیجئے انہیں تو دس دس فٹ لمبے گنے اگانے کی پڑی تھی۔ ہماری کیا سنتے۔" جمال نے کہا۔

"ٹھیک تو ہے" نازیہ بولیں۔ "واقعی وہ علاقہ بے انتہا زرخیز ہے' رہا سیلاب تو وہ کبھی کبھی آتا ہے۔ کونسی روز ہی یہ حالت بنتی ہے۔"

"اچھا تو بھگتیں نا اب' ہمیں کیا۔" جمال نے پلنگ پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔ "فرح! ادھر آ بیٹے' ذرا سر تو داب دے۔ تیری ماں تو اپنے کپڑوں میں جتی ہے......" انہوں نے آنکھیں بند کر کے کہا۔ نازیہ مسکرا دی۔ فرح بھاگ کر باپ کے پاس آ گئی اور اپنے ننھے منے ہاتھوں سے اس کا سر دبانے لگی۔

"اچھا اب سویئے گا مت۔" نازیہ نے ہنس کر کہا۔ "کھانا تیار ہوا چاہتا ہے۔" جمال نے ایک آنکھ کھول کر کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔ "ابھی تو بارہ ہیں' آپ کا کھانا ایک بجے سے پہلے ملنے کا نہیں۔ لہٰذا یہ ایک گھنٹہ ذرا سو لوں۔" انہوں نے اطمینان سے کروٹ لیتے ہوئے کہا۔

خدیجہ بیگم کسی کام سے اندر چلی گئی تھیں۔ نازیہ ایک جانب بیٹھ کر سیفو کو رازی کے بارے میں بتانے لگی کہ جمال کے تایا زاد بھائی ہیں۔ یہاں میڈیکل کے آخری سال میں ہیں۔ ہمارے ہی پاس قیام ہے۔ دو بھائی اور دو بہنیں ہیں۔ نہایت پیارے لوگ ہیں یہ جمال اکلوتے ہیں۔ اس لیے انہیں اپنے عم زادوں سے بے حد محبت

ہے۔ میں بھی انہیں دیور اور نندیں سمجھنے کی بجائے بہن بھائی ہی سمجھتی ہوں۔ نازیہ نے غائبانہ تعارف کراتے ہوئے کہا۔

رازی سے چھوٹے اعجاز ہیں۔ وہ ایگریکلچرل یونیورسٹی لائل پور میں زیر تعلیم ہیں۔ دونوں بہنیں ترنم اور تبسم سیکنڈ ایئر میں ہیں۔ سیالکوٹ کالج میں پڑھتی ہیں۔ بڑی اچھی لڑکیاں ہیں۔ دسمبر کی چھٹیوں میں انہیں تم سے ملاؤں گی۔ سیفو دلچسپی سے یہ سب باتیں سنتی رہی۔

ایک بج رہا تھا۔ اب نازیہ نے اپنے میاں کو اٹھایا۔ بچے بھی باہر سے آ گئے تھے۔ سب لوگ کھانے کے کمرے میں چلے گئے۔



سیفو کو کالج جاتے ہوئے تقریباً ایک ماہ ہونے کو تھا۔ اس کا دل پوری طرح کالج میں لگ گیا تھا۔ نازیہ اور جمال کی محبت' خدیجہ بیگم کی شفقت نے اسے اپنا گھر بھلا دیا تھا۔ پھر مختلف وجوہات کی بنا پر اس کو اپنا گھر واقعی اب ایک قید خانہ معلوم ہونے لگا تھا۔ ہر شخص کو اپنا گھر پیارا لگتا ہے مگر اس کے خیالات برعکس تھے۔ وہ اس زندان سے نکلنے پر بہت خوش تھی۔ البتہ نفیسہ خانم اکثر اسے یاد آتی تھیں اور وہ اداس ہو جاتی تھی۔ ان کے حوصلہ افزا اور تسلی بخش خطوط کے باوجود وہ یہ سمجھتی تھی کہ وہ خوش نہیں ہیں۔ وہ اکثر سوچتی' نہ جانے میری غیر حاضری میں بھی ابا جان کا رویہ ویسا ہی ہوگا یا اس میں کچھ تبدیلی آ گئی ہوگی۔ امی جان کو کڑھنے اور آزردہ رہنے سے اب کون منع کرتا ہوگا۔ بعض وقت اسے اپنی منگنی کا خیال آ جاتا تو وہ تڑپ اٹھتی اور اس کا دل آنے والے زمانے کے خیال سے لرزنے لگتا۔ یہ تو عارضی مہلت تھی جو اسے ملی ہوئی تھی۔ ایسے مواقع پر وہ خود کو پڑھائی میں کھو دیتی اور ان خیالات کا اثر دیرپا ثابت نہ ہوتا۔ پھر اسے ایک موہوم سی امید بھی تھی کہ شاید خدا کوئی ایسی صورت نکال دے کہ وہ اس طوق لعنت سے نجات پا سکے۔ وہ کسی معجزے کے انتظار میں تھی۔

اس وقت رات کے آٹھ بجے ہیں۔ سب لوگ کھانا کھا کر اپنے اپنے کام میں لگے ہیں۔ نازیہ اپنے بچے توصیف کا جینز سیٹ بن رہی ہے۔ کیونکہ سردیوں کی آمد آمد ہے۔ فرخ اور توصیف قالین پر بیٹھے تصویروں والی کتابیں دیکھ رہے ہیں۔ خدیجہ بیگم نماز عشاء کے بعد والا وظیفہ پڑھ رہی ہیں۔ جمال اپنے دفتر کی فائلوں میں مصروف ہیں۔ ایک کمرے میں ٹیبل لیمپ کی روشنی میں صوفے پر اکڑوں بیٹھی سیفو اپنے ہوم ورک میں مشغول ہے۔ اتنے میں باہر سے ہولڈال اٹھائے بوڑھا خانساماں ہانپتا کانپتا

داخل ہوا۔ ''صاحب رازی میاں آئے ہیں۔''

''اچھا'' جمال ہڑبڑا کر اٹھے۔ فرح اور توصیف بھی چچا جان چچا جان کہتے باہر بھاگے۔ نازیہ اور سیفو اپنا اپنا کام چھوڑ کر دروازے کی طرف دیکھنے لگیں۔

جمال اور رازی ہنستے اور باتیں کرتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔ دونوں نے پھلوں کی ٹوکریاں، بیگ اور سوٹ کیس اٹھا رکھے تھے۔ دراز قد رازی خدیجہ بیگم کے آگے جھک گئے۔ انہوں نے پیار سے ماتھا چوم کر دعا دی اور گھر کا حال پوچھا۔ نازیہ بھی قریب آ گئی تھیں۔ رازی نے مسکرا کر سلام کیا۔ فرح اور توصیف ان کی ٹانگوں سے لپٹے ہوئے تھے۔ نازیہ نے ہنس کر اس کے سر پر ایک ہاتھ رسید کرتے ہوئے کہا۔

''نالائق کہیں کے اتنی چھٹیاں کیوں لیں۔ خواہ مخواہ وقت ضائع کرتے رہے۔''

رازی نے سر سہلاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ ''بھابھی یہ آتے ہی سزا' مجرم کو اپنی صفائی میں کچھ کہنے کا موقع تو دیجئے۔''

جمال ایک طرف کھڑے تھے' بولے۔ ''بھئی نازو اس کے عذر میں سن چکا ہوں۔ سزا تو اسے بہر حال تفصیلی طور پر دی جائے گی۔ فی الحال اس کے کھانے پینے کا بندوبست کرو۔''

''جناب آپ کے بھروسے نہیں چلا تھا۔'' رازی نے اٹیچی کیس کھول کر بچوں کو کھلونے دیتے ہوئے کہا۔ ''میں کھانا کھا چکا ہوں۔ مجھے پتہ تھا کہ بغیر اطلاع کئے پہنچ رہا ہوں۔ اس وقت کھانے کو کچھ نہیں ملے گا۔''

''اچھا تبسم ترنم کیسی ہیں۔ کب آ رہی ہیں یہاں'' نازیہ نے پوچھا۔

''بتاتا ہوں بھابی ...... پہلے تمہارے ان نورچشموں سے تو نپٹ لوں'' رازی نے ہنس کر کہا۔

توصیف اور فرح کھلونے لے کر اب ضد کر رہے تھے کہ چابی بھی چچا جان ہی بھر دیں۔

''آپ کے حصے کا گاجر کا حلوہ' قیمہ بھرے پراٹھے اور بریانی میرے ہاٹ کیس میں پڑے ہیں'' رازی نے کھلونوں میں کوک بھر کر بچوں کو دیتے ہوئے کہا۔ ''عمر دین سے کہہ کر گرم کروا لیجئے۔ موسم ٹھنڈا ہے خراب نہیں ہوئے ہوں گے۔''

ارے نازی جلدی سے گرم کرالو ذرا چکھے جائیں۔ جمال بولے۔

''ابھی تو کھانا کھایا ہے۔ اس وقت نہ کھائیے۔'' نازیہ نے میاں کو سمجھایا۔

''صبح کھا لیجئے گا۔ تب تک یہ چیزیں ٹھیک رہیں گی۔''

''یہ غلط ہے'' جمال نے سر ہلاتے ہوئے کہا ''ہم تو ابھی کھائیں گے کم از کم گاجر کا حلوا تو اسی وقت گرم کردو......''

نازیہ اٹھ کر باورچی خانے جانے ہی لگی تھی کہ اچانک انہیں سیفو کا خیال آیا۔ اس کا تو تعارف ہی نہیں کرایا تھا۔ کتنی بھول ہوئی' کیا سوچتی ہو گی وہ بھی۔

''بھئی رازی یہ سیفو ہیں'' انہوں نے شرمندگی کے لہجے میں کہا۔ ''معاف کرنا' اس کا تعارف کرانا تو میں بھول ہی گئی۔ یہ میرے ماموں جان جہاں زیب صاحب کی بیٹی ہیں۔ یہیں کالج میں انہوں نے ایف اے میں داخلہ لیا ہے۔''

رازی نے گھوم کر دیکھا اور چند لمحے دیکھتے ہی رہے۔ سیفو کا چہرہ گلابی ہو چلا تھا۔ اس نے نحیف سی آواز میں کہا۔ ''تسلیم......''

''تسلیم......'' رازی نے جواب دیا مگر پھر گھبراتے ہوئے ہنس کر بولے۔

''ارے نہیں بھائی' تم مجھ سے چھوٹی ہو اور سنا ہے چھوٹوں کو تسلیم نہیں کیا کرتے۔''

''تو پھر دعا دے دو'' جمال نے لاپروائی سے کہا مثلاً یہ کہہ دو۔ ''جیتی رہو' خدا عمر دراز کرے وغیرہ وغیرہ''

رازی ہنس دیئے۔ نازیہ کچن میں چلی گئی تھیں۔ رات گئے تک یہ لوگ باتوں میں مصروف رہے۔ بارہ بجے کے قریب کہیں جا کر سونے کی باری آئی۔

وقت اسی طرح گزرتا رہا۔ سردیاں دبے پاؤں آ رہی تھیں۔ اب دھوپ پیاری لگنے لگی تھی اور فضا میں شہد آگیں سا سکوت طاری رہتا۔ سیفو اور رازی باقاعدگی سے کالج جاتے۔ رازی اپنے سکوٹر پر' اور سیفو کو جمال صبح دفتر جاتے ہوئے راستے میں ڈراپ کر دیتے۔ واپسی پر کبھی وہ لے آتے کبھی دیر ہو جانے پر شوفر لے آتا۔ شام کو جب رازی اور جمال کلب چلے جاتے تو سیفو اور نازیہ چمن کے کسی سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ کر گپیں ہانکتیں یا اپنے اپنے کام میں مصروف رہتیں۔ نازیہ نے سیفو کی مدد سے اپنے جمال اور بچوں کے کارڈیگن وغیرہ بن لیے تھے۔ خدیجہ بیگم کی روئی دار صدری سی

دی تھی۔ جمال اور رازی کے لیے بھی دستانے اور جرابیں بن لی گئی تھیں۔ لحافوں کو اوورہال کرالیا تھا اور کمروں کی چمنیاں صاف کروا دی گئی تھیں۔ غرضیکہ سردیوں کے استقبال کی ساری تیاری کرلی تھی۔

سیفو کا وقت کالج میں بہت عمدہ گزر رہا تھا۔ طاؤسہ' برجیس' زارا اور ریحانہ کی صحبت میں وہ بہت خوش رہتی تھی۔

آج ان کا ایک پیریڈ خالی تھا۔ سب کی سب برآمدے کے ایک طرف والی پست سی دیوار پر چڑھی بیٹھی تھیں۔ اور گپیں ہانکی جارہی تھیں۔ البتہ برجیس ذرا پرے ہٹ کر ایک کتاب لیے بیٹھی تھی اور اس کے مطالعہ میں بہت منہمک نظر آرہی تھی۔ سیفو کی رال ٹپکی ...... ''تم پڑھ لوگی تو پھر مجھے دینا'' اس نے کتاب کو دیکھتے ہوئے برجیس سے کہا اس نے سر ہلا دیا۔ زارا کی توجہ بھی ادھر مبذول ہوگئی تھی۔ اس نے جھک کر کتاب کا اور مصنفہ کا نام پڑھا۔

''اس مصنفہ کی کتابیں تمہیں پسند ہیں؟'' اس نے سیفو سے پوچھا۔

''بہت'' سیفو نے جھوم کر کہا۔ ''اس کی منفرد رومانیت' سویٹ سے مکالمے انگلش طرز کے دلکش کردار...... ارے میں تو اس کی پرستار ہوں زبردست۔''

''لیکن اگر تم نے اس کا یہ تازہ ناول پڑھا ہوتا تو ایسی خوبصورت رائے نہ رکھتیں'' زارا نے سنجیدگی سے کہا۔

''کیوں ...... وجہ کیا ہے آخر؟'' سیفو نے حیران ہوکر پوچھا۔

''بھئی ذرا اپنی پرانی ڈگر سے ہٹ کر لکھی ہے اس نے'' برجیس نے بھی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ ریحانہ اور طاؤسہ خاموشی سے سنتی رہیں۔

''سیفو تم ضرور پڑھو اسے'' زارا نے کہا۔ ''اور جب پڑھ لو تو مجھے اپنی رائے سے مطلع فرمانا' میں تم پر اپنے خیالات نہیں ٹھونسوں گی۔''

''نہیں زارا' تم اپنے تاثرات ضرور بتاؤ'' سیفو نے کہا۔ ''میں جانتی ہوں تمہاری رائے ایسی ویسی نہیں ہوگی۔ تم بہت سوچ سمجھ کر کسی چیز کے بارے میں رائے قائم کرتی ہو۔''

''شکریہ کامپلی منٹس کا'' زارا نے مسکرا کر کہا۔ ''بہرحال اتنا عرض ہے کہ اس

ناول پر بھارتی حکومت کو چاہیے تھا کہ ہندومت کا اس خلوص کے ساتھ پرچار کرنے پر مصنفہ کو۔ ''پدما شری'' یا کوئی اسی قسم کا مفرح دماغ لقب عطا فرماتی کیونکہ جس والہانہ شیفتگی کے ساتھ مصنفہ نے ہندومت کی۔ ''رومانیت'' اور۔ ''جلال'' کی تعریفیں کی ہیں اور جس طرح پجارنوں کی سی عقیدت کے ساتھ ناول کے ہندو کرداروں کو جسمانی و روحانی حسن بخشا ہے وہ کوئی سوامی رام تیرتھ بھی نہ کر سکتے تھے۔ ایسی دلسوزی اور جگر کاوی سے کیے ہوئے کام کے لیے یقیناً انہیں کوئی ایوارڈ ملنا چاہیے۔ رہے ہم بچارے مسلم لوگ ...... تو انہوں نے یہ ناول ہم سے بالکل لاتعلق ہو کر لکھا ہے۔ اول تو پوری کتاب میں کوئی مسلم کردار ہی نہیں۔ اگر ایک آدھ ہیں بھی تو کمزور سے' بالکل بیک گراؤنڈ میں۔''

سیفو سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔ برجیس بولی۔ ''یہ تجزیہ بالکل صحیح ہے۔ یہ ناول واقعی ہندومت کے لیے بہترین پبلسٹی کا کام دے سکتا ہے۔ ہندوستان کو چاہیے کہ اسے فلما لے۔ سچ بڑی اچھی دھارمک فلم بنے گی۔''

''اور ذرا سوچو کہ مصنفہ بدقسمتی سے خود مسلم ہیں'' زارا نے افسوس سے کہا۔

ریحانہ اور طاؤسہ جو پاس بیٹھی گھاس کے تنکے چبا چبا کر یہ بحث سن رہی اور بڑی شدت سے بور ہو رہی تھیں۔ بول اٹھیں۔ ''بھئی اللہ اب چھوڑ بھی دو ایک تو اکنامکس اور الم غلم کے لیکچرز سن سن کا کان پک جاتے ہیں دوسرے تم بیٹھ جاتی ہو ایسی ثقیل بحثیں لے کر......''

زارا نے مسکرا کر طاؤسہ کی طرف دیکھا۔ ''اچھا تو شہر خبرو تم سناؤ کوئی بات۔''

طاؤسہ ذرا آگے بڑھ کر سرگوشی میں بولی۔ ''سنا تم نے نیلم نے ایک اور شکار پھانسا ہے۔''

''یہی خبر سنانے کے لیے تمہارے پیٹ میں ہول اٹھ رہے تھے لعنت ہے'' زارا نے ہنس کر کہا۔

''بھئی یقین کرو۔'' طاؤسہ نے پوری آنکھیں کھول کر کہا۔ ''قسم خدا کی بالکل راک ہڈسن لگتا ہے۔ اس دفعہ اس نے واقعی اونچی جگہ ہاتھ مارا ہے۔ پہلے عشاق نامدار تو یونہی پھٹیچر سے ہوتے تھے۔ لکھ پتی باپوں کے سیکنڈ ہینڈ شکلوں والے بیٹے مگر یہ تو بس

لیکن ایک بات ہے۔ وہ شخص اس کو بالکل لفٹ نہیں دیتا۔ سخت مغرور بدماغ سا لگتا ہے۔ یہی اس کے آگے پیچھے پھر رہی تھی۔ وہ سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتا تھا۔"
طاؤسہ نے ایک ہی سانس میں سب باتیں سنا ڈالیں۔ برجیس اور ریحانہ کے کان بھی کھڑے ہو گئے تھے۔ برجیس نے کتاب بند کرتے ہوئے دلچسپی سے پوچھا۔ "تو نے کہاں دیکھا اسے؟"

"میں کل مال پر شاپنگ کرنے گئی تھی۔ وہاں دلآ رام سٹور والوں کے ہاں یہ محترمہ دکھائی دیں۔ میں ایک جانب کونے میں تھی۔ یہ مجھے نہ دیکھ سکیں۔ یہ بڑی ہنس ہنس کر اس سے باتیں کر رہی تھی مگر وہ سنجیدہ سا منہ بنائے کھڑا کچھ خرید رہا تھا۔ نہ جانے ٹائی یا کیا' کوئی اسی قسم کی مردانہ استعمال کی چیز تھی۔ جس کی خریداری میں وہ بڑا منہمک نظر آ رہا تھا اور قطعاً ہماری نیلم صاحبہ کی طرف دھیان نہیں دے رہا تھا۔ لیکن وہ تھی کہ بس گری پڑ رہی تھی اس پر۔" طاؤسہ ذرا دم لینے کے لیے رکی پھر آہستہ سے بولی۔ "پتہ نہیں کون ہے مگر ہے بہت ہینڈسم۔"

"ارے تو یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ وہ اس کا فرینڈ ہے" برجیس نے قانونی نکتہ اٹھایا۔ "ہو سکتا ہے محض سرراہے ملاقات ہو' وہ اس قسم کے سرسری ملاقاتیوں سے بھی جلد بے تکلف ہو جایا کرتی ہے۔"

"نہیں بھئی وہ اس کا نام بھی جانتا تھا" طاؤسہ نے زور دے کر کہا کہنے لگا مس افتخار آج تو پکچر سے معاف فرمائیں۔ سخت مصروف ہوں پھر کبھی سہی۔"

"اچھا تو پھر آپ سے کیا" زارا نے تنگ آ کر کہا اسے اس قسم کے قصوں سے بالکل دلچسپی نہ تھی۔ "عشق بازی وہ کرتی ہیں اور پریشان مفت میں آپ ہو رہی ہیں۔ چلو مس بیرٹ کا پیریڈ ہے اب' دیر ہو گئی تو کان کھینچیں گی۔"

سب اپنی اپنی کتابیں سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئیں......

✪......✪......✪

نومبر کے مہینے میں کچھ چھٹیاں لے کر سیفو کا ارادہ علی پور جانے کا تھا مگر نازیہ اور جمال نے ایک نہ چلنے دی۔ سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ننھے توصیف کی سالگرہ قریب تھی۔ جس پر ترنم اور تبسم بھی آ رہی تھیں۔ سیفو کے اصرار کرنے پر نازیہ نے اسے ڈانٹ دیا۔ ''بھئی توصیف کی سالگرہ ہے۔ میں تمہیں ہرگز نہیں جانے دوں گی۔''

''لیکن آپا میں توصیف کی سالگرہ تک واپس آ جاؤں گی نا۔'' سیفو نے کہا۔

''غلط بات ہے۔ تم ہرگز اتنی جلدی واپس نہیں آ سکتیں۔ آج 4 تاریخ ہے۔ دس روز کی چھٹی تم لے رہی ہو۔ تمہارا خیال ہے۔ 10 نومبر تک واپس آ جاؤ گی؟ کبھی نہیں۔ یہ مجھ سے لکھوا لو۔ پھر ترنم اور تبسم 8 تاریخ کو آ رہی ہیں۔ ان سے ملنے کو دل نہیں چاہتا تمہارا؟''

''دل تو بہت چاہتا ہے آپا...... لیکن امی بھی تو اداس ہیں۔'' سیفو نے تقریباً ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔ نازیہ کی محبت ایسی نہ تھی کہ وہ اتنا بھی اس کی خاطر مروت نہ کر سکتی۔

''انہیں دسمبر کی چھٹیوں میں مل لینا۔ کونسی دور ہیں۔'' نازیہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''اور اب دوسری دفعہ میں تم سے جانے کا نہ سنوں۔ واہ یہ بھی کوئی بات ہے۔''

سیفو سٹ پٹا کر خاموش ہو گئی۔

آج نومبر کی آٹھ تاریخ ہے۔ رات کی گاڑی سے سب کو ترنم، تبسم اور اعجاز کا انتظار ہے۔ جمال اور رازی ننھی فرح سمیت ان کو لینے اسٹیشن گئے ہیں۔ نازیہ کی خوشی قابل دید ہے۔ اس کی اپنی نند کوئی نہ تھی۔ ترنم، تبسم کو وہ نہ صرف نندیں بلکہ اپنی بہنیں خیال کرتی تھی۔ نازیہ کی بڑی بہن واسعہ جو راولپنڈی میں بیاہی تھیں، ان کو بھی بلایا گیا

تھا مگر وہ چند در چند مجبوریوں کی بنا پر نہ آ سکی تھیں۔

نازیہ نے ترنم اور تبسم کے لیے بستر ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔ ''سیفو تم ان کو دیکھ کر خوش ہو جاؤ گی قسم سے اتنی پیاری لڑکیاں ہیں کہ حد نہیں۔''

ننھا توصیف سیفو کی گود میں بیٹھا مستقل باتیں کر رہا تھا۔ سیفو اسے شب خوابی کا نیلی فلالین کا لباس پہنا کر اس کی ننھی منی قمیض کے بٹن بند کرتے ہوئے بولی۔

''مجھے بھی ان سے ملنے کا بہت شوق ہے آپا...... اسی لیے تو ٹھہر گئی ہوں۔ پھر اس شیطان کی سالگرہ نے بھی باندھ کے رکھ دیا ہے'' ...... اس نے ہلکی سی چپت توشی کے گلابی گالوں پر لگاتے ہوئے کہا۔

''کیوں نہیں'' نازیہ نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ تو ٹھہرنے پر مصر تھیں ایک میں ہی آپ کو بھیجنے کی ضد کر رہی تھی ...... نالائق کہیں کی۔ اگر تو چلی جاتی تو ایمان سے میں کبھی تجھ سے بات نہ کرتی'' ...... سیفو نے عقب سے آ کر اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ ''میری پیاری آپا ...... معاف کر دیجیے نا مجھے' واقعی مجھے جانے کی ضد نہیں کرنی چاہیے تھی۔ اگر امی کا خیال نہ ہوتا تو میں بھلا جانے کا سوچتی ہی کیوں......''

نازیہ نے پلٹ کر اس کی پیشانی کا بوسہ لے لیا۔ ''جا پگلی کہیں کی' اب آئی ہے عذر گناہ کرنے ......''

''جو بدتر از گناہ ہوتا ہے'' سیفو نے ہنس کر کہا۔

خدیجہ بیگم نماز سے فارغ ہو کر آ گئی تھیں۔ انہوں نے توصیف کو گود میں لیتے ہوئے کہا۔ ''ارے ابھی تک وہ لوگ آئے نہیں۔ کیا بات ہے بہت دیر لگ گئی۔

''نہیں اماں جان' ابھی تو پونے نو ہی بجے ہیں۔'' نازیہ نے ٹائم پیس پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''سٹیشن سے یہاں تک آتے آتے آدھ گھنٹہ تو لگ ہی جاتا ہے۔''

''بیگم صاحب! کھانے کی میز لگا دوں۔'' باورچی عمر دین نے آ کر جھانکا۔

''ہاں' صرف پلیٹیں' گلاس اور چمچے وغیرہ لگا دو۔ نیپکن اجلے نکال لینا۔ ابھی کھانا لگانے کی ضرورت نہیں۔ ٹھنڈا ہو جائے گا۔''

''ہاں آج غضب کی ہوا چل رہی ہے۔'' خدیجہ بیگم نے دلائی اوڑھتے ہوئے کہا۔

''دوسرے بادل بھی گھرے ہوئے ہیں۔ سیفو بیٹی تم نے تو سویٹر بھی نہیں پہنا۔ کم از کم شال ہی اوڑھ لو۔ کہیں ٹھنڈ نہ لگ جائے۔''

''تمہاری زرد شال میری الماری میں ٹنگی ہے سیفو!'' نازیہ نے کہا اوڑھ لو۔

''کمرے کے اندر تو کوئی ایسی سردی نہیں محسوس ہو رہی۔ خیر آپ کہتی ہیں تو اوڑھ لیتی ہوں۔'' سیفو نے الماری میں سے شال نکال کر شانوں پر لے لی۔

اس کے سرمئی لباس پر زرد شال بہت اچھی لگی۔ گہرے نسواری بالوں کے تاریک حاشیئے میں اس کا پیازی چہرہ چاند کی طرح منور تھا۔

ابھی وہ پلنگ پر آ کر بیٹھی بھی نہ تھی کہ باہر سے موٹر ٹھہرنے کی آواز کے ساتھ قہقہوں اور باتوں کا ملا جلا شور سنائی دیا۔ ''وہ لوگ آ گئے شاید'' نازیہ پرشوق انداز میں دروازے کی طرف بڑھتی ہوئی بولیں۔ سیفو بھی کھڑی ہو گئی تھی۔ سب سے پہلے فرح بھاگتی ہوئی اندر آئی۔ فیروزی سویٹر میں اس کا چہرہ بالکل گلابی لگ رہا تھا۔ ''امی پھوپھو آئی ہیں'' اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ اس کے ہاتھ کھلونوں اور مٹھائی کے ڈبوں سے رکے ہوئے تھے۔ یہ ساری چیزیں اس نے دادی کے پاس پلنگ پر ڈال دیں۔ اتنے میں ترنم، تبسم دونوں اپنے سیاہ برقعے اتارتی ہوئی اندر آئیں۔ خدیجہ بیگم کو سلام کر کے دعا لینے کے بعد وہ نازیہ کے گلے سے لپٹ گئیں۔ یہ دونوں بہنیں اٹھارہ انیس برس کی تھیں۔ تقریباً سیفو کی ہم عمر، دونوں میں صرف ایک سال کا فرق تھا۔ لہٰذا جڑواں لگتی تھیں۔ کافی دلکش صورتیں تھیں اور لمبے لمبے سیاہ بال، نازیہ نے ان سے ملنے کے بعد سیفو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اس سے ملو تمہاری ایک نئی بہن، صفورا'' ...... ترنم، تبسم آنکھوں میں حیرت اور مسرت لیے اس سے بغلگیر ہوئیں۔

ترنم نے مسکرا کر کہا۔ ''ماشاء اللہ بڑی پیاری بہن آپ نے دریافت کی۔''

''دریافت؟ یہ خوب رہی۔'' جمال جورازی اور اعجاز کے ساتھ ان کے پیچھے کھڑے تھے بولے۔ ''ویسے تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ یہ نازو کے ماموں جان کی نور چشمی ہیں۔''

''ارے وہ علی پور والے ماموں ......'' اعجاز نے پوچھا۔ ''جہاں زیب صاحب؟''

''جی ہاں'' سیفو پہلی دفعہ ذرا شرماتے ہوئے بولی۔

''ارے سیفو! تم اعجاز سے نہیں ملیں؟'' نازیہ نے اعجاز کو بازو سے پکڑ کر سامنے لاتے ہوئے کہا۔ ''یہ اعجاز! ہیں' شیراز (رازی) کے ننھے منے بھائی۔''

اور اعجاز نے ''ننھے منے'' کے لفظ پر اس قدر شرما کر بالکل بچوں جیسا منہ بنایا کہ سب ہنس پڑے۔ یہ ترنم' تبسم دونوں سے بڑا اور رازی سے کوئی دو تین سال چھوٹا تھا۔ مضبوط جسم' گندمی رنگت والا یہ صحت مند لڑکا سخت شریر اور کھلنڈرا تھا۔

''سیفو بہن! آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔'' اس نے بڑی انسانیت سے کہا۔

''سیفو! نہیں' شاعرہ یونان کہو۔'' رازی نے زیر لب مسکراتے ہوئے لقمہ دیا۔

''ارے ہاں' اس نام کی یونان کی شاعرہ بھی تو تھی۔ سیفو' بڑی مشہور تھی۔'' تبسم نے کہا۔

سیفو کا چہرہ گلابی پڑ گیا تھا۔ لیکن وہ سنجیدگی سے بولی۔ ''اور اتفاق سے مجھے شاعری سے کوئی مس ہی نہیں۔''

''تم خود مجسم شعر ہو۔'' ترنم نے پیار سے کہا۔ ''تمہیں شاعری کے جنجال میں پڑنے کی ضرورت بھی نہیں۔''

''بھئی اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو ذرا چل کر سب لوگ کھانا کھا لو۔'' نازیہ نے کہا۔ ''ورنہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔''

''چلئے بھائی جان! واقعی سخت بھوک لگ رہی ہے'' اعجاز نے کہا۔ ''مگر ذرا دو منٹ ٹھہر جایئے گا' میں منہ ہاتھ دھو لوں۔''

کھانا دلچسپ باتوں کے دوران کھایا گیا۔ اعجاز' ترنم اور تبسم نے اپنی شیریں اور بے جھجک باتوں سے جلد ہی سیفو کو بھی بے تکلف کر لیا۔ جمال اور رازی اپنی باتوں میں مگن تھے۔

کھانے کے بعد بھی خوب گپیں ہانکی گئیں۔ کافی دیر بعد ان لوگوں کو سونے کا خیال آیا۔

⭘......⭘......⭘

آج ننھے توصیف کی تیسری سالگرہ ہے۔ رازی کے بھائی بہنوں کے علاوہ نازیہ کی امی رضیہ بانو بھی آئیں تھیں۔ یہ پرنسپل صاحب کی سگی بہن تھیں مگران کی نفیسہ خانم سے شادی کے موقع پر ان دونوں بہن بھائیوں میں چپقلش ہوگئی تھی۔ میل جول ختم ہوگیا تھا۔ اب انہوں نے سولہ سترہ سال بعد جو بھتیجی کو دیکھا تو اس کو گلے لگا کر بے اختیار رونے لگیں۔ پھر بھائی اور بھابی کے متعلق دیر تک پوچھتی رہیں۔ سیفو ان کے جذبات سے بہت متاثر ہوئی۔

سالگرہ پر جہاں زیب صاحب کی طرف سے پارسل موصول ہوا تھا۔ جس میں توصیف کے لئے بڑا پیارا جینز سیٹ تھا۔ کچھ کھلونے اور مٹھائی کے لئے 51 روپے علاوہ ازیں دو ٹین خالص گھی اور ایک من چینی انہوں نے اپنے ملازم کے ہاتھ بھیجی تھی۔

نازیہ کی امی بچے کے لئے 4 بے بی سیٹ، پلش کی ننھی منی رضائی اور چاندی کے کھلونے لائی تھیں۔ ترنم، تبسم، اعجاز اور رازی نے بھی بے بی سیٹ، کھلونے، رومال اور مٹھائیاں وغیرہ دی تھیں۔ سیفو نے اس کے لئے ایک بڑا پیارا سفید رنگ کا اونی سیٹ بنا تھا۔

اس وقت صبح کے دس بجے ہیں۔ سالگرہ کا وقت شام 5 بجے دیا گیا ہے۔ سب لوگ ناشتہ سے فارغ ہوکر گھر کی سجاوٹ میں جتے ہیں۔ خدیجہ بیگم اور نازیہ کی امی ایک جانب بیٹھی اپنی باتوں میں مصروف ہیں۔ ساتھ ساتھ سب کی مصروفیت اور گھبراہٹ دیکھ کر خوش ہورہی ہیں۔ توصیف اور فرخ انہی کے قریب کھلونوں میں مگن ہیں۔

عورتوں کی نشست کا اہتمام ڈرائنگ روم میں کیا گیا ہے۔ یہاں کی تمام

کرسیوں اور صوفوں وغیرہ کی ترتیب بدل دی گئی ہے۔ کافی ٹیبلو اور سنٹر ٹیبل ہٹا کر کرسیاں ہی بچھا دی گئی ہیں۔ تا کہ زیادہ سے زیادہ مہمان بیٹھ سکیں۔ ڈرائنگ اور ڈائننگ روم کے درمیان کوئی دیوار نہیں۔ صرف پردوں سے تقسیم کیے گئے ہیں۔ ڈائننگ روم میں ایک جانب بڑی سی میز لگا کر اس پر چھوٹی بڑی پلیٹیں، چمچے، گلاس، کانٹے وغیرہ چن دیئے گئے ہیں۔ سیفو دو چار اونچے اونچے گلدانوں میں اس وقت سیفو پھول سجا رہی ہے۔ ترنم ایک جانب پلیٹیں اور گلاس نیپکن سے پونچھ پونچھ کر رکھ رہی ہے۔ دونوں آپس میں باتیں بھی کر رہی ہیں۔

اعجاز کے ذمہ رنگ برنگ غباروں میں پمپ سے ہوا بھر کر انہیں جگہ جگہ لٹکانا تھا۔ چنانچہ وہ بڑی تندہی سے اس کام میں مصروف ہے۔ رازی اور جمال باہر شامیانہ لگوا رہے ہیں۔ یہاں بچوں کی نشست کا علیحدہ انتظام ہوگا۔

''بھائی جان! ان پردہ دار خواتین کی وجہ سے ہم بچارے اس پارٹی سے لطف اندوز نہ ہو سکیں گے۔ صد حیف!'' اعجاز نے غبارے پھلاتے ہوئے جمال اور رازی کے پاس آ کر کہا۔ اس کا اشارہ ترنم، تبسم اور سیفو کی طرف تھا۔ نازیہ کے بارے میں وہ جانتا تھا کہ پردہ نہیں کرتیں۔ ''بس الو کی طرح ایک طرف بیٹھے رہیں گے۔ اور آتے جاتے کو دیکھ دیکھ کر قلب ونظر کو روشن کریں گے۔'' اس حسرت سے آہ بھری۔

''ہاں۔ آج تمہارے قلب ونظر کی روشنی کے بہتیرے سامان ہوں گے۔'' نازیہ نے پاس آ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''شرم تو نہیں آتی۔ عورتوں کو گھوریں گے اب۔'' ترنم نے دور سے کہا۔

''ارے واہ کیا ذہن پایا ہے۔'' اعجاز ہنسا۔ ''میں نے تو کہا تھا کہ آتے جاتے نوکروں کے ہاتھ میں سامان خورد ونوش دیکھ دیکھ کر دل خوش کریں گے۔ آپ سمجھیں عورتوں کو گھورنے کا پروگرام ہے۔ واللہ کیا تخیل کی رسائی ہے۔''

''خیر اب بات ٹالو نہیں۔ ہمیں سب خبر ہے۔'' تبسم نے کہا۔

''اچھا بتایئے کیا خبر ہے آپ کو۔ بڑی افلاطون کی خالہ بنی ہیں۔'' اعجاز نے منہ چڑایا۔

''بہتر ہے اعجاز صاحب! خاموش ہی رہیں آپ۔'' رازی نے ہنس کر کہا۔

''ورنہ ترنم کو آپ کے سب رومانسز کی خبر ہے۔ جگ بھر میں رسوا کر دیں گی۔''

''تو کیا میں ان سے ڈرتا ہوں۔'' اعجاز نے کہا۔ ''ویسے بھائی جان آپ تو جانتے ہی ہیں، میں تو اتنا بھولا بھالا انسان ہوں جس کے دامن پر فرشتے نماز پڑھیں۔'' اس کی مسمسی صورت دیکھ کر سب کو ہنسی آ گئی۔

''واہ اعجاز بھائی! دامن تو عورتوں کے ہوتے ہیں۔ مردوں کے تو کبھی نہیں سنے۔'' سیفو نے ہنس کر کہا۔

''کیوں کیا ہماری قمیصوں کے دامن نہیں ہوتے؟'' اعجاز نے پوچھا۔

''ہوتے ضرور ہیں مگر فرشتے جن کے دامن پر نماز پڑھیں اس سے مراد عورتیں ہی ہیں۔'' تبسم نے وضاحت کی۔

''کیا کہنے ہیں۔ اپنے منہ میاں مٹھو بن رہی ہیں۔'' اعجاز نے دھاگے سے غبارے کا منہ باندھتے ہوئے کہا۔

''مگر بات کیا ہے؟'' جمال نے ہنس کر کہا۔ ''اعجاز صاحب اپنی معصومیت کا ڈھنڈورا اس شدومد سے کیوں پیٹا جا رہا ہے۔ کون سی یہاں آپ کی کوئی منگیتر بیٹھی ہے جس پر رعب جمال مقصود ہے۔''

''کیا پتہ آج اتنے مہمانوں میں کوئی منگیتر آ ہی جائے۔'' اعجاز نے ٹھنڈی سانس لی۔

''چلو بدتمیز کہیں کے۔'' نازیہ نے ڈانٹ پلائی۔ ''میری مہمانوں میں تمہاری منگیتر کیوں ہونے لگی۔ منہ دھو رکھو............''

''اگر منہ دھولوں تو مل جائے گی کوئی منگیتر؟'' اعجاز نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

''سبحان اللہ! یہ منہ اور مسور کی دال۔'' ترنم نے چڑایا۔

''تم سے تو اچھا ہے۔'' اعجاز نے بگڑ کر کہا۔ ''ذرا ناک دیکھو اپنی جیسے چقندر کی پھانک۔ سدا کی زکام من۔''......

ترنم نے مسکراتے ہوئے اپنی ناک مسلی۔ ''بھئی اس زکام کا کیا کریں، واقعی بھابی جان جب بھی سردیاں شروع ہوتی ہیں۔ ساتھ ہی چھینکیں نازل ہو جاتی ہیں۔''

''آپا نازیہ سے کیا پوچھتی ہو۔'' اعجاز نے غبارے لٹکاتے ہوئے کہا ہم جو حکیم بیٹھے ہیں۔ جوشاندے پیا کرو۔ بھر بھر قدح۔''

''اچھا باتیں ہی کیئے جاؤ گے۔ ادھر آ کر ذرا جھنڈیاں لگواؤ۔'' رازی نے کہا۔

''اچھا؟'' اعجاز نے تیوری چڑھا کر کہا۔ ''تو آپ کا خیال ہے بیکار ہی بیٹھا ہوں۔ صبح سے غبارے پھلا پھلا کر میرے تو مسلز تن گئے۔ علاوہ ازیں اوپر ٹانگتے ہوئے دو دفعہ سٹول پر سے گرا بھی ہوں۔''

''ماشاء اللہ۔'' جمال ہنسے۔ ''پھر تو آپ سند یافتہ ہو گئے۔''

یونہی ہنستے کھیلتے سب کام ہوتا رہا۔ لنچ تک یہ لوگ سجاوٹ کے کام سے فارغ ہو گئے۔

کھانے کے بعد نازیہ سیفو اور ترنم، تبسم سالگرہ کی ڈشز تیار کرنے میں لگ گئیں۔ سیفو کے ذمے بارہ مسالے کی چاٹ تھی۔ ترنم، تبسم سینڈوچز بنا رہی تھیں۔ نازیہ ایک جانب بیٹھی خانساماں کو سموسوں اور پکوڑوں کے متعلق ہدایات دیتی ہوئی ساتھ ساتھ بادام بھی چھیل رہی تھیں۔ اعجاز دروازے میں نمودار ہوئے۔

''لائیے میں چکھتا جاؤں بادام...... ۔'' انہوں نے قریب آ کر کہا۔ ''ورنہ اگر ایک بھی کڑوا نکل آیا تو سارا مزہ کرکرا ہو جائے گا۔''

''ہاں بھابی یہ کام انہیں دے دیجئے۔'' تبسم ہنسی۔ ''ایسے فرائض یہ بڑے شوق سے ادا کرتے ہیں۔''

''چلو ٹھیک ہے۔ چکھتے رہو بادام۔'' نازیہ نے چھلے ہوئے باداموں کی پلیٹ اعجاز کے سامنے سرکا دی۔ ''مگر خبردار بے ایمانی نہ کرنا ورنہ کم پڑ جائیں گے۔''

''بے ایمانی کروں تو جو چور کی سزا وہ میری۔'' اعجاز نے سٹول گھسیٹ کر پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''مگر جو ٹوٹے پھوٹے بادام ہیں، ان پر تو میرا حق ہے نا؟''

''خیر وہ تمہارے۔'' نازیہ نے مسکرا کر کہا۔ ''لیکن اس سے زیادہ نہیں۔''

اتنے میں جمال اور رازی بھی ٹہلتے ہوئے ادھر آ نکلے۔ جمال ناک اٹھا کر خوشبو سونگھتے ہوئے بولے۔ ''واللہ کیا کیا بارہ مسالے کی چٹپٹی خوشبوئیں اڑ رہی ہیں۔ بھئی نازو۔ ہمیں تو اسی وقت ہمارا حصہ دے دو بعد میں کیا خبر سہیلیوں میں لگ کر بھول

جاؤ۔“

”واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“ نازیہ بولیں۔ ”آپ کے لئے اسی وقت خانساماں الگ میز لگا دے گا مزے سے کھاتے رہیئے گا۔ اس وقت نہیں مل سکتی کوئی چیز۔“

”بھائی جان سچ تو کہہ رہے ہیں۔“ رازی نے مسکرا کر کہا۔ ”اگر آپ اس ہنگامے میں ہم خاکساروں کو بھول ہی گئیں تو......؟“

”بھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“ نازیہ نے سموسہ بناتے ہوئے کہا۔

”اچھا یہ تلی ہوئی کلچیاں اور تھوڑی چاٹ دے دو۔“ جمال نے کہا۔ ”ہم چکھ کر تمہیں بتاتے ہیں کہ کیسا مزا ہے۔ نمک مرچ تو پورا ہے وغیرہ وغیرہ۔“

”یہ لوگ چھوڑیں گے نہیں آپ کو۔“ ترنم نے ہنس کر کہا۔ ”دے ہی دیجئے ان کو کچھ۔“

”کیا مصیبت ہے سچ مچ۔“ نازیہ نے روہانسی ہو کر کہا۔

”لو یہ تو رونے لگیں۔“ جمال نے بیوی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔ ”اور اعجاز۔ تم اکیلے اکیلے کیا کھا رہے ہو......“ وہ اعجاز کی طرف مڑے۔

”کھا نہیں رہا بندہ پرور چکھ رہا ہوں۔“ اعجاز نے وضاحت کی۔ ”اور بھابی آپ اس قدر کنجوس کیوں ہیں۔ ذرا سی چیزیں ہمیں دے دیں گی تو کچھ نقصان تو نہ ہوگا آپ کا۔ ماشاء اللہ ڈھیروں چیزیں ہیں' کیا یہ سب آپ کی سہیلیاں تناول فرما جائیں گی؟“

نازیہ نے کچھ تلے ہوئے سموسے' بھنی کلچیاں اور تھوڑی سی چاٹ ایک پلیٹ میں ڈال کر میاں کے آگے کر دیں۔ ”لیجئے صاحب اور اب ہمارا پیچھا چھوڑیئے۔“

جمال اور رازی دونوں ہنستے ہوئے پلیٹ لے کر باہر چلے گئے انہیں جاتا دیکھ کر اعجاز نے پکارا۔ ”سنیئے جناب والا۔ اس حقیر کے لئے بھی کچھ چیزیں رکھئے گا۔ بس تھوڑے بادام اور رہ گئے ہیں۔ چکھ کر ابھی آتا ہوں۔“

”قسم اللہ کی سخت ندیدے ہو......“ نازیہ نے ہنس کر کہا۔ ترنم' تبسم' سینڈوچ بنا چکی تھیں۔ کچھ میں پنیر اور انڈا لگایا گیا تھا۔ کچھ چکن سینڈوچ تھے اور باقی دو درجن میں نمکین مکھن' ٹماٹر کے ٹکڑے اور ذرا سی بھنی ہوئی مچھلی رکھی گئی تھی۔

''بھئی ترنم' اب تم لوگ جا کر کپڑے وغیرہ بدلو۔'' نازیہ نے کہا۔ ''سیفو تم بھی اب فارغ ہو جاؤ۔ چار بجنے ہی والے ہیں۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ۔''

''آپ بھی باقی چیزیں خانساماں کے حوالے کیجئے نا۔'' سیفو نے نلکے کے نیچے ہاتھ دھوتے ہوئے کہا۔ ''اور خود بھی تیار ہو جایئے چل کر۔''

''بس اب تو شکر قند کا حلوہ بنانا ہی باقی ہے اور سب چیزیں تو بن گئیں۔'' نازیہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

نہاتے دھوتے' کپڑے بدلتے اور بچوں کو تیار کرتے ان لوگوں کو ساڑھے چار بج گئے۔ نازیہ نے آج نیلے ٹشو کی زرتار ساڑھی باندھی تھی ساتھ کندن کا زیور تھا۔ ان کے تیکھے نقوش اور نکھری ہوئی رنگت پر یہ لباس بہت سج رہا تھا۔ ترنم' تبسم ہلکے کاسنی اور سبز شلوار سوٹوں میں بڑی دلکش لگ رہی تھیں۔ سیفو نے ریشم کا سفید لباس پہنا جس میں اس کا حسن ملکوتی نظر آنے لگا۔ ننھی فرخی اپنے سرخ لہنگا سوٹ میں دوڑتی بھاگتی پھر رہی تھی۔ توصیف نے ہلکے سرمئی رنگ کی ننھی سی شیروانی' ویسی ہی رامپوری ٹوپی' سفید رنگ پاجامہ اور سفید بوٹ پہنے تھے۔ ان کپڑوں میں وہ بڑا ہی پیارا لگ رہا تھا۔

جمال' رازی اور اعجاز بیچارے اپنے انہی روزمرہ کے کپڑوں میں ملبوس تھے کیونکہ کوئی مرد مہمان نہیں بلوایا گیا تھا۔ ان تینوں کے لئے کوٹھی کے پچھلے حصے میں چائے پینے کا انتظام تھا۔

سوا پانچ کے قریب مہمان آنے شروع ہوئے۔ نازیہ اور ترنم گیٹ پر مہمانوں کو خوش آمدید کہنے کے لئے کھڑی ہو گئیں۔ تبسم اور سیفو بچوں کے شامیانے میں مصروف تھیں۔ نازیہ کی اپنے ملنے والی خواتین کے علاوہ سیفو کی سہیلیوں کو بھی بلوایا گیا تھا چنانچہ جب طاؤسہ' زارا' برجیس اور ریحانہ آئیں تو سیفو بھاگ کر ان کے استقبال کو پہنچی۔ سیفو نے ان کا تعارف ترنم تبسم سے کرایا۔ نازیہ سے ملیں۔ پھر ہنستی کھیلتی یہ لڑکیاں ایک طرف اپنا گروپ بنا کر بیٹھ گئیں۔ نازیہ الگ ایک صوفے پر اپنی دوست خواتین کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھیں۔ بیگم شمس کی والدہ اور مسز کامران کی ساس دونوں بزرگ خواتین' خدیجہ بیگم اور رضیہ بانو کے پاس جا بیٹھیں۔ فرح اور توصیف باہر شامیانے کے نیچے اپنے ہمجولیوں سے کھیل میں مصروف تھے۔

چھ بجے کے قریب جب سب مہمان آ چکے تو تالیوں کے شور اور مبارکباد کی گونج میں توصیف میاں نے کیک کاٹا۔ ننھے بچوں نے "ہپی برتھ ڈے ٹو یو" گایا اور خوب تالیاں بجائیں۔ توصیف کو خوب ڈھیر سے تحائف ملے۔ چونکہ چائے کے بعد رات کے کھانے کا بھی انتظام تھا۔ اس لئے مہمان خواتین اس درمیانی وقفے کے دوران بادام ٹونگنے' الائچیاں چبانے اور پان کھانے میں مشغول ہوگئیں۔ ساتھ باتیں بھی جاری تھیں۔ سیفو اور ترنم' تبسم اندر کھانے کا انتظام کرنے چلی گئی تھیں۔ طاؤسہ' زارا' ریحانہ اور برجیس اندر کی فضا سے اکتا گئیں تو باہر نکلنے کی ٹھانی۔ یونہی ادھر ادھر گھومتے پھرتے انہیں ایک جگہ رازی' جمال اور اعجاز بیٹھے دکھائی دیئے۔ یہ لڑکیاں اندھیرے میں تھیں۔ وہ انہیں نہ دیکھ سکے۔ طاؤسہ ٹھٹک کر کھڑی ہوگئی۔ اس کی نظریں ان لوگوں پر جمی تھیں۔

"ارے تمہیں کیا ہو گیا؟" ریحانہ نے طاؤسہ کو ہلاتے ہوئے دھیرے سے کہا۔ "اتنا شدید طور پر کسے گھور رہی ہو؟"

"چپ رہو۔" طاؤسہ نے سرگوشی کی۔ "پتہ بھی ہے یہی حضرت نیلم افتخار کے نئے محبوب ہیں جن کا ذکر اس روز میں نے کیا تھا۔ مگر یہ یہاں کیسے؟"

یہ انکشاف سن کر تینوں لڑکیاں طاؤسہ کے قریب آ گئیں۔ "کونسا ہے؟ ذرا بتاؤ تو۔" برجیس نے آنکھیں پھاڑ کر طاؤسہ کو جھنجھوڑا۔

"وہ جس نے سلیٹی بند گلے کے سویٹر کے ساتھ سیاہ پینٹ پہن رکھی ہے۔ سیاہ بال' سیاہ آنکھیں اور سفید رنگت کا وہ لمبا چوڑا انسان جس کی صورت۔ "کم سپٹمبر۔" کے ہیرو راک ہڈسن سے ملتی ہے۔" طاؤسہ نے بتایا۔

"ارے وہ۔" ریحانہ نے دم روک کر کہا۔ "قسم خدا کی۔ بالکل راک ہے یہ تو۔"

زارا خاموشی سے ان کے مکالمے سن رہی تھی۔ بولی۔ "تم لوگوں کو سوائے ایکٹروں' ایکٹریسوں کے کچھ اور بھی سوجھتا ہے؟ کسی کی صورت راک ہڈسن سے ملا دی۔ کسی کی شرلے میکلین سے۔ لعنت ہے۔"

"ویسے ہے نا ہینڈسم آدمی۔" طاؤسہ نے جیسے داد چاہی۔

"تو جناب سے مطلب۔ وہ نیلم! کا عاشق ہے نہ کہ آپ کا۔" زارا نے ڈانٹا۔

''ارے میری منگنی نہ ہوئی ہوتی تو اس سے یقینی بیاہ کر لیتی۔'' طاؤسہ نے آنکھیں بند کر کے مصنوعی آہ بھری۔ ''مگر اب تو میرے جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ البتہ نیلم پر غضب کا رشک آ رہا ہے۔''

''مگر ان حضرت کی شان نزول کیا ہے۔'' برجیس نے غور کرتے ہوئے کہا۔

''یہ اس جگہ کیسے وارد ہو گئے۔ نیلم کو تو بلایا ہی نہیں گیا۔ اس کے بغیر ان حضرت کے آنے کی وجہ......''

''کن حضرت کی باتیں ہو رہی ہیں۔'' سیفو نے پیچھے سے آ کر برجیس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''میں تم لوگوں کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئی۔ مگر بھلا تمہیں مردوں کو جھانکنے کی پڑی تھی۔ چلو۔ کھانا لگ گیا ہے آپا نازیہ بلا رہی ہیں۔''

''اچھا چلتے ہیں مگر پہلے یہ بتاؤ یہ سلیٹی سویٹر والے صاحب کون ہیں۔'' طاؤسہ نے آہستہ سے پوچھا۔

''کیوں خیریت تو ہے۔'' سیفو نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

''بالکل۔ مگر پہلے میرے سوال کا جواب دو۔''

''یہ ترنم، تبسم کے بھائی اور نازیہ آپا کے رشتے کے دیور ہیں۔ رازی بھیا۔'' سیفو نے سنجیدگی سے کہا۔ ''لیکن ہوا کیا کچھ بتاؤ تو۔ ان کے وارنٹ کیوں نکالے پھرتی ہو۔''

''ارے یہ نیلم کے نئے محبوب ہیں۔ وہی جن کا ذکر اس دن میں نے کالج میں کیا تھا۔'' طاؤسہ نے کہا۔

''اچھا؟'' سیفو نے اچنبھے سے رازی کو یوں دیکھا جیسے وہ چڑیا گھر کے کوئی جانور ہوں۔ وہ حیرت میں گم تھی۔

''لیکن یہ رازی! کیا ہوا بھلا......'' ریحانہ نے جرح کی۔ ''پورا نام کیا ہے ان کا؟''

''ان کا پورا نام ہے شیراز منصور۔'' ...... سیفو نے کچھ مضمحل سے لہجے میں جواب دیا۔ ''اچھا چلو اب۔ دیر ہو رہی ہے۔ نازیہ آپا انتظار کر رہی ہوں گی۔''

کھانے کے دوران بھی اس حیرت انگیز اتفاق پر سب چپکے چپکے اظہار رائے

کرتی رہیں۔

طاؤسہ کچھ سوچ کر اپنی پلیٹ تھامے سیفو کے پاس آ کھڑی ہوئی اور بولی۔

''مگر یہ تو بتاؤ۔ تم نے آج تک یہ چیز ہم سے کیوں چھپائی کہ ایک اتنا ہینڈسم کزن تمہارے ساتھ رہتا ہے۔''

برجیس' ریحانہ اور زارا بھی قریب آ گئی تھیں۔ ریحانہ بولی۔ ''خصوصاً اس بات کا جواب دو۔ کہ جب اتنی وضاحت سے طاؤسہ نے بتایا دیا تھا کہ اس کی صورت راک سے ملتی ہے۔ تب بھی تم کچھ نہ بولیں۔ کم از کم یہی کہہ دیتیں کہ ہمارے کزن کی صورت بھی ایسی ہی ہے۔ کہیں وہی تو نہیں۔''

''ہاں واقعی یہ بات ذرا غور طلب ہے۔ کیوں زارا۔'' برجیس کباب توڑتے ہوئے بولی۔

زارا خاموشی سے کھانے میں جٹی تھی۔ بولی۔ ''ہاں بالکل۔ اس کا جواب سیفو کو ضرور دینا چاہئے۔ ورنہ خواہ مخواہ شبہات پیدا ہوں گے۔''

خلاف توقع زارا سے اس قسم کی بات سن کر سیفو حیران رہ گئی۔

''ارے زارا تم بھی ان بیوقوفوں کی سی کہنے لگیں۔ یہ تو ہیں احمق اور سکینڈلز کی رسیا۔ تمہیں تو میں ان سے بہت بلند سمجھتی تھی۔''

''خیر اب ان کی تعریفیں کر کر کے بات کو ٹالو نہیں۔'' طاؤسہ نے ہنس کر کہا۔

''ہاں سیفو۔ جواب دو نا......'' زارا نے مسکرا کر پلاؤ پر رائتہ ڈالتے ہوئے کہا۔

''کیا جواب دوں۔'' سیفو نے زچ ہو کر کہا۔ ''کوئی بات بھی ہو۔''

''بات یہ ہے جناب!'' برجیس نے کہا۔ ''کہ تم نے اپنے من موہن کو ہم سے چھپایا کیوں کوئی ہم ان کو نظر لگا دیتے؟......ارے ہم تو تمہارے بہی خواہ ہیں۔''

سیفو کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔ جس قسم کے بے بنیاد شبے میں وہ لوگ مبتلا تھیں۔ اس کا ازالہ ضروری تھا۔ ''کیا اس قسم کی باتوں سے الگ رہ کر دو انسانوں کی یکجائی ممکن نہیں......؟'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہرگز نہیں......'' طاؤسہ نے مچل کر کہا۔ ''تمہارے چہرے کی سرخی اس

بات کی چغلی کھا رہی ہے کہ تم سراسر جھوٹ بول رہی ہو۔“

”کیا قسم کھانے سے تمہیں یقین آ جائے گا۔“ سیفو نے آہستہ سے پوچھا ”میں قسم کھانے کو تیار ہوں کہ یہاں کوئی اس قسم کی بات نہیں جس کا شبہ تم ظاہر کر رہی ہو۔“

”ہمیں تمہاری قسم کا بھی یقین نہ آئے گا۔“ ریحانہ نے سر ہلا کر کہا۔ ”اس لئے کہ طاؤسہ نے بتایا تھا کہ وہ نیلم کو قطعی لفٹ نہیں دیتا...... اور تم جانتی ہو نیلم کی صورت اچھی خاصی ہے بلکہ فیشن زدہ حلقوں میں اسے ہمارے کالج کی بیوٹی کہا جاتا ہے۔ اب اگر یہ تمہارے رازی بھیا! اس طرف مائل نہیں ہوتے۔ تو وجہ کیا ہے آخر......“ اس نے شرارت سے سیفو کی آنکھوں میں جھانکا۔ ”یہی نا کہ ایک اس سے بہتر صورت دل میں سمائی ہے۔“

”کیا نکتہ پیدا کیا ہے واللہ۔ طبیعت خوش ہو گئی۔“ طاؤسہ نے داد دی۔ ”آخر کیوں نہ۔ نفسیات کی طالب علم ہو۔ اچھا اب بتاؤ سیفو صاحبہ! ہے کوئی راہ فرار؟“

”بھئی تم لوگ خود جانتی ہو۔ نیلم افتخار سے ان کا میل جول ہے اگر کوئی افیئر چل رہا ہے تو انہی دونوں سے پوچھو۔ مجھے کیوں درمیان میں گھسیٹتی ہو۔“ سیفو نے کہا۔

”سیفو اب بغلیں جھانکنے سے کچھ نہیں بنے گا...... بس چپکے سے اقرار خطا کر لو۔“ طاؤسہ نے محبت سے صلاح دی۔

”بھئی بکواس بند کرو تم خدا کے واسطے۔“ سیفو نے واقعی پریشان ہو کر کہا۔ ”میں نے دس دفعہ تمہیں سمجھایا ہے کہ تمہارا وہم قطعی بے بنیاد ہے۔“

”اچھا رازی بھائی سے پوچھ لیں؟“ زارا نے بڑی معصومیت سے کہا۔ اپنی بے حد پیاری دوست کو چھیڑ کر اسے بڑی فرحت حاصل ہو رہی تھی۔

”خدایا کیا کروں۔“ سیفو نے روہانسی ہو کر کہا......

”کرو یہ کہ ہمیں بھی اس راز میں شریک کر لو۔“ برجیس نے کہا۔

”بلکہ راز زاری میں۔“...... ریحانہ نے اصلاح کی۔

”مر جاؤ تم خدا کرے۔“ سیفو نے غصے سے کہا۔

”ارے رے رے۔ یہ مرنے کی دعائیں کسے دی جا رہی ہیں۔ ہاں۔“ ترنم نے مرغی کی قاب سمیت ادھر آتے ہوئے کہا۔

''ہم نیاز مندوں کو اور کسے؟'' زارا نے بڑی انکساری سے کہا۔
''وہ کس خوشی میں۔'' ترنم نے ہنس کر کہا۔
''کچھ نہیں ترنم۔''سیفو جلدی سے بولی۔''اور یہ تم کیا لئے چلی آ رہی ہو۔''
''مرغی ہے جناب۔'' ترنم نے کہا۔''خالی باتیں ہی کئے جا رہی ہو۔ مہمانوں کا ذرا خیال نہیں۔ یہ ڈش ادھر ایک کونے میں پڑی تھی۔''
سیفو نے قاب تھام لی۔''لایئے میں سرو کرتی ہوں۔ واقعی میزبانی کا تو مجھے خیال ہی نہیں رہا تھا۔''
''بھلا کاہے کو رہتا۔'' برجیس نے سرگوشی کی۔''جن خیالوں میں کوئی سلیٹی جرسی بس رہی ہو وہ......''
سیفو نے اسے تندی سے گھورا اور خاموش رہ گئی۔ ترنم دوسرے مہمانوں کے پاس جا کر پوچھنے لگی تھی کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔
اسی قسم کی باتوں میں ڈنر ختم ہو گیا۔ اب رات کے نو بجے رہے تھے۔ آہستہ آہستہ سب مہمان رخصت ہو گئے۔ ترنم' تبسم' نازیہ اور سیفو دیر تک چیزیں سنبھالتی رہیں۔ جمال' اعجاز اور رازی بھی ان کا ہاتھ بٹانے کو آ گئے۔ سیفو ابھی تک اسی سپید لباس میں تھی۔ رازی کی نگاہیں بار بار اس کی طرف اٹھ جاتیں اور وہ سرخ ہو جاتی۔
رات گئے تک یہ لوگ کام میں مصروف رہے۔ آخر بارہ بجے کے قریب سب سونے کے لئے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ ترنم' تبسم' سیفو کے کمرے میں سوتی تھیں۔ ان کے سونے کے بعد دیر تک کروٹیں بدلتے ہوئے سیفو کو اپنی دوستوں کی باتیں یاد آتی رہیں۔ کسی کسی وقت دو سیاہ آنکھوں کی پرستائش نظریں بھی یاد آ جاتیں اور وہ کانپ سی جاتی۔

✪......✪......✪

کرسمس کی تعطیلات سے قبل' کالج سرگرمیوں کا مرکز بن چکا تھا۔ ریڈ کراس کے امدادی شو کے تحت مینا بازار' ڈرامے اور فینسی ڈریس کے پروگرام شامل تھے۔ لڑکیاں ٹکٹ بیچتی پھر رہی تھیں۔ اپنوں کو یہ ٹکٹ زبردستی دیئے جاتے اور غیروں کو خوشامد کے ذریعے۔ اپنی اپنی خالاؤں' ممانیوں اور نئی نویلی بھابیوں سے جھلمل کرتے ملبوسات اور خوبصورت زیورات ادھار لائے جا رہے تھے۔ ڈرامہ کی انچارج حسب معمول مس باقر علی تھیں۔ ریشمی لباس' جگمگاتے زیور اور دیگر آرائشی چیزیں انہی کی تحویل میں دے دی جاتیں۔

سوموار کا دن ہے۔ آج سے تیسرے روز پروگرامز شروع ہونے والے ہیں۔ لڑکیاں اپنے اپنے کاموں میں تندہی سے مصروف ہیں۔ مس باقر علی اور مسز اشفاق کے زیرنگرانی شامیانے وغیرہ لگائے جا رہے ہیں۔ سٹیج بنائی جا رہی ہے۔ لان میں ایک طرف برجیس' ریحانہ' زارا اور سیفو بیٹھی ہیں۔ طاؤسہ ان چاروں سے ذرا دور بیٹھی بڑے انہماک سے اپنا پارٹ یاد کر رہی ہے۔ اس کے لمبے قد اور چوڑے چکلے مضبوط جسم کی وجہ سے اسے شہزادہ سلیم کا پارٹ دیا گیا ہے۔

ریحانہ نے منہ بنا کر کہا۔ ''بھئی زارا یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ آخر۔ ''انارکلی۔'' جیسے پرانے گھسے پٹے ڈرامہ کو کیوں پسند کیا گیا ہے۔ خدا جھوٹ نہ بلائے تو تقریباً ہر کالج کے سٹیج پر اسے کھیلا جا چکا ہے۔ اچھا بھلا۔ ''مڈسمر نائٹس قدیم۔'' چنا گیا تھا۔ مگر مس باقر علی سے خدا سمجھے۔ جیسے خود حضرت نوح جیسے پرانے نظریات رکھتی ہیں۔ ویسا ہی ڈرامہ تلاش کیا۔ فورتھ ایئر والوں پر رشک آتا ہے۔ کتنا خوبصورت۔ ''کلیوپیٹرا۔'' ڈرامہ سٹیج کر رہی ہیں۔ ان کی ڈرامہ انچارج مس بیرٹ ہیں نا...... ہماری قسمت سے یہ مس

باقر علی پلے پڑیں۔"

"یہ صحیح ہے ریحانہ کہ ڈرامہ بہت پرانا ہے۔" برجیس نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن یہ بھی تو دیکھو کہ کتنا شاندار ہے۔ جو روایاتی پھبن اور کرداروں کا ڈرامائی حسن اس ڈرامہ میں ہے۔ اور کسی ڈرامہ کو آج تک نصیب نہ ہو سکا۔ یہ بھی تم سچ کہتی ہو کہ تقریباً ہر کالج کی سٹیج پر پیش کیا جا چکا ہے۔ لیکن پیش کرنے کے انداز جدا جدا تھے اور ہم انشاء اللہ ان سب کی ادائیگی پر سبقت لے جانے کی کوشش کریں گے۔"

"پتہ نہیں شیکسپیئر کے ڈراموں پر تم لوگ کیوں جان دیتی ہو۔" زارا نے کہا۔ "نہ کردار اپنے ملکی۔ نہ معاشرت جانی پہچانی۔ نہ مکالمے گوش آشنا۔ کیا مزا ملتا ہے انہیں دیکھتے میں......"

ریحانہ برا سا منہ بنائے بیٹھی رہی لیکن بولی کچھ نہیں۔ غصے میں گھاس کے تنکے نوچ نوچ کر چباتی رہی۔

"بھئی سیفو۔ انارکلی کا پارٹ تم لے لیتیں تو کیا برا تھا۔" زارا نے شکایتاً کہا۔ "اتنا سجتا تم پر کہ حد نہیں۔ تمہارے انکار پر مس باقر علی نے اس کم بخت نیلم کو دے دیا۔ جو اپنے تصنع سے سب کئے کرائے پر پانی پھیر دے گی۔ جواب نہیں تمہاری حماقت کا بھی۔"

"اور کیا۔ سلیم ہم بنتے تو انارکلی تم۔ مزہ آ جاتا۔" طاؤسہ پارٹ یاد کرتے کرتے سر اٹھا کر مسکرائی۔

"بھئی یہ پارٹ کافی مشکل ہے۔ مجھ سے کبھی ادا نہ ہوتا۔" سیفو نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔ "اور پھر انارکلی کے انجام کو دیکھ کر کلیجہ کانپ جاتا ہے۔ میں اس معاملے میں سخت بزدل ہوں۔ ٹریجک پارٹ ادا کرنے کی مجھ میں ہمت نہیں۔"

"ٹھیک۔" برجیس نے ابرو چڑھائے۔ "اب پتہ چلا کیوں تم نے پارٹ لینے سے انکار کر دیا۔ دراصل یہ پجاری اپنے عشق کا انجام ویسا نہیں دیکھنا چاہتیں جیسا انارکلی کا ہوا تھا۔" اس نے زارا سے مخاطب ہو کر کہا۔

زارا نے بڑے معنی خیز طریق سے سر ہلایا اور سیفو کو دیکھ کر مسکرا دی۔

سیفو احتجاجاً کچھ کہنے ہی والی تھی کہ ان کی ایک ہم جماعت واجدہ یوسف بھاگتی ہوئی آئی۔ ''ہائے کچھ پتہ بھی ہے۔ مس باقر علی خفا ہو رہی ہیں۔ جلدی چلو ریہرسل شروع ہونے ہی والی ہے۔ کامن روم میں ہیں مس باقر علی فوراً پہنچو۔'' یہ کہہ کر وہ اسی تیز رفتاری سے آگے چلی گئی۔ یہ سب گڑبڑا کر بھاگیں۔

کالج کی حسین سٹیج پر۔ ''انارکلی۔'' اور ''کلیوپیٹرا۔'' بڑی کامیابی سے پیش کیے گئے۔ اگلے روز مینا بازار تھا۔ اس دن بھی خوب رونق رہی۔ طرح طرح کی چٹپٹی چیزوں کے رنگین سٹالوں پر شہر بھر کی خواتین کا ہجوم تھا۔ بہت آمدنی ہوئی۔ ریڈ کراس کے امدادی پروگرام کا آخری آئٹم تھا فینسی ڈریس شو۔ اس میں اور لڑکیوں کے علاوہ سیفو بھی حصہ لے رہی تھی۔ کالج کی ذہین پروفیسرز اور جدت طراز لڑکیوں نے نئی اختراعات کر کے اس پروگرام کو ایک انوکھا حسن بخشا تھا۔ اس میں قدیم روایاتی کرداروں کو پیش کیا گیا تھا۔ مثلاً ہیلن' اپنے یونانی اڑتے ہوئے دامنوں والے لباس میں۔ چاند بی بی سر پر خود اور پہلو میں خنجر سجائے۔ اس کے بعد سائیکی کو پیش کیا گیا۔ جس کے پس منظر میں کیوپڈ کی مدھم سی شکل بھی نظر آ رہی تھی۔ لڑکیوں کا میک اپ اور لباس' اور ماحول کا منظر ہر دفعہ اس قدر صحیح پیش کیا جاتا کہ ناظرین تالیوں سے ہال سر پر اٹھا لیتے۔

نور جہاں کو دکھایا گیا۔ مغلئی محرابیں' ویسے ہی منقش در و دیوار دبیز قالینوں پر ریشمی گاؤ تکیے کے سہارے یہ ملکہ ہند ہاتھ میں گلاب کا پھول لئے سونگھ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی قد آدم مغل آرٹ کی تصویر زندہ ہو گئی ہو۔

سب سے آخر میں پردہ اٹھا تو نیم تاریک سٹیج پر میڈونا نظر آ رہی تھی۔ اس کا تخیل حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مشہور تصویر۔ ''میڈونا اینڈ چائلڈ۔'' سے لیا گیا تھا۔ حضرت مریم کے مقدس چہرے کے گرد نور کا ہالہ تھا۔ اور وہ گود میں لپٹے لپٹائے بچے کو دیکھ رہی تھیں۔ ان کی فراخ مرمریں پیشانی پر گہری سبز ریشمی چادر ڈھلک آئی تھی۔ انہوں نے لمبے لمبے دامنوں والا قرمزی لباس پہن رکھا تھا۔ خوابیدہ مسیح کا صرف چہرہ نظر آ رہا تھا۔ یہ پیش کش اتنی مکمل تھی کہ یوں لگتا رسفائل کی کوئی تصویر زندہ ہو کر سامنے آ گئی ہے۔ ناظرین دم بخود سے ہو کر رہ گئے کسی کا ادھر سے نظریں ہٹانے کو جی نہ چاہتا تھا۔ میڈونا کی حسین شبیہ سب کا مرکز نظر بن کر رہ گئی۔ یہ سیفو تھی جس نے

اتنا کامیاب روپ دھارا تھا۔

آخر پردہ گرا اور اتنی تالیاں بجیں کہ پورے ایک منٹ تک کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

کمشنر کی بیگم نے انعامات تقسیم کئے۔ پہلا انعام میڈونا کو ملا جب سفید لباس پر سیاہ کوٹ پہنے سیفو کپ لینے آئی تو لڑکیوں نے۔ ''میڈونا میڈونا'' کے نعرے لگا کر آسمان سر پر اٹھالیا۔ ایک بوڑھی میم نے تو آگے بڑھ کر سیفو کی پیشانی چوم لی۔ فرط عقیدت سے اس کا گلا رندھ گیا تھا۔ ''مائی ڈیر تم بالکل میڈونا ہو۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔لڑکیوں کا انبوہ کثیر کیمرے لئے تاک میں تھا۔انہوں نے مختلف کردار ادا کرنے والی لڑکیوں کی تصاویر لے لیں۔

ریحانہ' طاؤسہ' زارا اور برجیس نے آ کر سیفو کو گھیر لیا۔کلاس کی دوسری لڑکیاں اور مداح خواتین بھی اس انبوہ میں آ شامل ہوئیں اور اسے مبارکباد دینے لگیں۔سیفو حسن عقیدت کے اس مظاہرے سے کچھ پریشان سی نظر آ رہی تھی۔

''قسم خدا کی سیفو۔ غضب کر دیا تم نے تو۔'' اس کی ایک ہم جماعت فائزہ منور نے کہا۔''ہائے کتنی پیاری میڈونا بنی تھیں تم...... بس دل چاہا شہید ہو جاؤں۔''

نیلم بھی ادھر آ نکلی تھی۔اس بچاری کو کوئی انعام نہ ملا تھا۔دولتمندی یہاں کسی کام نہ آئی تھی۔اس وقت ان لوگوں کا جوش و خروش دیکھ کر اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ اس سے رہا نہ گیا تو قریب کھڑی اپنی ایک کلاس فیلو سے بولی۔''تعجب ہے اتنا شور کاہے کو مچایا جا رہا ہے۔فینسی ڈریس میں اداکاری تو ہوتی نہیں۔محض کپڑے پہنا کر بٹھا دیا جاتا ہے۔جیسے کوئی ڈمی ہو۔اس کا کریڈٹ تو مس باقر علی کو ملنا چاہئے جنہوں نے اتنا خوبصورت سیٹ اور لباس مہیا کیا۔''......

برجیس نے مڑ کر نیلم کو دیکھا اور ہنس کر بولی۔''بجا فرمایا آپ نے انارکلی بیگم۔واقعی مس باقر علی کو کریڈٹ ملنا چاہئے یا پھر اللہ میاں کو جس نے اس کی صورت بالکل میڈونا جیسی پاکیزہ بنائی۔سیفو کا تو اس میں کوئی کمال ہے ہی نہیں۔''

''صورت؟'' نیلم نے طنزیہ قہقہہ لگایا۔''ہاں بالکل میڈیویل ایج کی مخلوق لگتی ہیں......'' اور وہاں سے چل دی۔

کئی متحیر، غصیلی اور طنزیہ نظریں اس کی جانب اٹھیں مگر وہ جا چکی تھی۔
''جل ککڑی کہیں کی۔'' طاؤسہ نے زیرلب کہا۔
''بھئی تم ذرا بیچاری کی ایکٹنگ کی تعریف کر دیتیں۔ ہمارا کیا بگڑتا البتہ وہ ذرا خوش ہو جاتی۔'' ریحانہ نے ہنستے ہوئے کہا۔
''یہ تو چوبیس گھنٹے ایکٹنگ ہی فرماتی رہتی ہیں۔'' طاؤسہ نے حقارت سے کہا۔
''کوئی خاص کمال تو نہیں کیا تھا جو ہم داد دیتے۔''
''بھئی یہ ظلم ہے اس پر۔'' زارا مسکرا کر بولی۔ ''ایک تو کمشنر کی بیگم صاحبہ نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ اس کی بجائے دلآرام بننے والی لڑکی گلشن کو انعام دے دیا۔ دوسرے تم حوصلہ افزائی نہیں کرتیں۔ طاؤسہ تمہیں تو اپنی انارکلی کا خیال رکھنا چاہئے تھا۔''
''غارت کرو اسے۔'' طاؤسہ نے غصے سے کہا۔ ''حاسد کہیں کی۔ مجھے تو اب تک افسوس ہو رہا ہے کہ سیفو کیوں نہ بنی انارکلی۔''......
''منہ دھو رکھو۔ تم اس کا سلیم نہیں بن سکتیں۔'' برجیس نے ہنس کر کہا۔ ''وہ تو کسی راک ہڈسن کی انارکلی بنے گی۔''......
سیفو نے ملامت آمیز نظروں سے اسے دیکھا اور خاموش رہی۔ رات گئے یہ لڑکیاں اپنی اپنی چیزیں سمیٹ کر گھروں کو روانہ ہوئیں۔ سیفو کو لینے شوفر آیا تھا۔ کوئی آٹھ بجے کے قریب وہ گھر پہنچی۔ تو سب سے پہلے صحن میں اس کی مڈبھیڑ شیراز سے ہوئی۔ وہ بھی کلب سے ابھی واپس آئے تھے۔
بجلی کی تیز روشنی والے بلب کے نیچے سیفو ایک پل کے لئے رکی۔ بہت صاف کرنے کے باوجود اس کے چہرے پر ابھی تک ہلکا ہلکا میک اپ موجود تھا اور وہ کسی مصور کا حسین شاہکار لگ رہی تھی۔ رازی نے نظر بھر کر اسے دیکھا اور دیکھتے رہے۔ سیفو کا چہرہ شرم سے گلنار ہو گیا تھا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے برآمدے کی طرف چل دی۔ اس کا سانس پھول رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اپنے کمرے میں لباس تبدیل کر کے وہ نازیہ کے پاس آئی۔ وہ اس کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔ آج ذرا طبیعت کی خرابی کی وجہ سے نازیہ کالج میں نہ جا سکی تھیں۔ ورنہ ہر فنکشن اس نے اٹنڈ کیا تھا۔ سیفو نے اس کو آج

کے فینسی ڈریس شو کی ساری تفصیل سنائی۔

نو بجے کے قریب کھانا کھا کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ سونے کی کوشش میں بار بار اس کے سامنے رازی کا دلفریب حیران سا چہرہ آ جاتا۔ نیلے بلیزر میں وہ کس قدر خوبصورت لگ رہا تھا۔ سردی سے تمتماتے ہوئے چہرے پر سیاہ دلنشیں آنکھیں...... بڑی کاوش سے اس نے اس تصور کو ہٹایا اور سو گئی۔

✪......✪......✪

اخیر دسمبر کی سردی اپنے پورے عروج پر ہے۔ تین دن کی مسلسل بارش کے بعد آج سورج نے منہ دکھایا ہے۔ نکھرے نکھرے گہرے نیلے آسمان پر اب بھی کہیں کہیں سفید بادلوں کے ٹکڑے تیرتے پھرتے ہیں تاہم سردی کی وہ شدت نہیں۔

"جہاں نما" کے وسیع ہرے بھرے لان پر چمکتی دھوپ میں رنگین بید کی کرسیاں پڑی ہیں۔ پرنسپل جہاں زیب چشمہ لگائے ایک کرسی پر بیٹھے اخبار دیکھ رہے تھے۔ قریب ہی دوسری کرسی پر نفیسہ خانم بیٹھی دستانے بن رہی ہیں۔ سیفو ابھی ابھی یہاں سے اٹھ کر گئی ہے۔ کرسمس کی تعطیلات میں وہ علی پور آئی ہوئی ہے۔ زندگی میں پہلی مرتبہ گھر سے اتنا عرصہ باہر رہی ہے۔ قدرتی طور پر اسے واپس اپنے گھر آنے کی بے حد خوشی ہے۔

پہلے دن تو ماں باپ سے ملنے کے بعد وہ دیر تک وسیع چمن کے ایک ایک درخت اور پودے کو یوں دیکھتی پھری جیسے گلے مل رہی ہو۔ اس کا کمرہ جس میں ساری چیزیں ویسی ہی رکھی تھیں جیسے وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ اسے یوں لگا جیسے خوش آمدید کہہ رہا ہو۔ گھر کی ہر ہر چیز اسے بانہیں پھیلائے گلے ملتی محسوس ہو رہی تھی۔ خوشی کے مارے اس کا گلا بھر آیا تھا۔ اپنی امی سے لپٹ لپٹ کر وہ ملی تھی۔ اس کے دل میں ان کے لئے بے پناہ پیار امنڈا آ رہا تھا۔ وہ بار بار سوال کرتی امی کہیں میرے بعد آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔ آپ کی طبیعت کیسی رہی۔ اداس تو نہیں ہوئیں آپ۔ ابا جان جھگڑے تو نہیں تھے...... نفیسہ خانم کے پوری طرح تسلی دینے پر وہ چپ ہوئی۔

ماضی کی باتیں اتنا عرصہ باہر رہنے کے بعد اب اسے بھولی بسری کہانیاں

معلوم ہوتی تھیں۔ وہ اپنے تلخ ماضی کو تقریباً فراموش کر بیٹھی تھی۔

اس وقت وہ کسی کام سے اندر آئی تھی کہ اپنے کمرے میں پلنگ پر لیٹ گئی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور دلکش تصورات میں کھو گئی' بار بار کسی کی سیاہ آنکھیں اور مردانہ پیشانی پر جھکے جھکے بال اس کے تصور میں آ جاتے اور نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لبوں پر مسکراہٹ مچل جاتی۔ اس لمحے وہ کتنی خوش تھی۔ ایک انجانی سی مسرت سے اس کا سارا وجود جھوم رہا تھا۔ ماضی کے سارے دکھ' سارے فکر جیسے بخارات بن کر کہیں اڑ گئے تھے۔

ان تسکین بخش لحات میں اس نے باہر سے آئی ہوئی اپنے ابا کی اونچی آواز سنی۔ وہ تند و تیز لہجے میں کچھ کہہ رہے تھے۔ سیفو یک لخت اٹھ کر بیٹھ گئی۔ یقیناً کوئی اہم مسئلہ زیر بحث تھا۔ وہ دھڑکتے ہوئے دل سے باتیں سننے لگی۔ پرنسپل صاحب کہہ رہے تھے۔ ''تم سمجھتیں کیوں نہیں۔ اس وقت کچھ اور حالات تھے۔ انوار کی ملازمت مستقل نہ تھی۔ ایک عقلمند اور جہاں دیدہ باپ کی حیثیت سے اکرام حسین نے اس کی شادی کا مسئلہ ایک دو سال تک اٹھا رکھا۔ میں نے بھی یہ عرصہ بیکار گنوانے کی بجائے مصلحت اسی میں دیکھی کہ سیفو کو مزید پڑھائی کی اجازت دے دی جائے۔ اب انوار مستقل ہو چکا ہے اس کی پروموشن بھی عنقریب ہونے والی ہے لہذا اکرام اس کے مستقبل کی طرف سے مطمئن ہو کر شادی کر دینے پر زور دے رہا ہے۔ گزشتہ پندرہ بیس دن میں اس کے چار خط آ چکے ہیں جو ہر دفعہ میں تمہیں پڑھ کر سناتا رہا ہوں۔ میرا ارادہ یہی ہے کہ ان تعطیلات کے بعد سیفو کو کالج نہ بھیجوں۔ وہ لوگ چار چھ ماہ کے اندر شادی کر دینے کا ارادہ رکھتے ہیں اتنے عرصہ میں وہ کچھ اپنی چیزیں ہی بنا لے گی۔ یا ان کے بنانے میں تمہاری مدد کرے گی۔ لیکن میرے اتنا مغز مارنے کے باوجود تمہارے ذہن میں یہ سیدھی سی بات نہیں بیٹھ رہی...... پتہ نہیں ہر بات میں میری مخالفت کرنے میں تمہیں کیا حاصل ہوتا ہے۔''

''آپ کی مخالفت نہیں کر رہی۔'' نفیسہ خانم کی آواز آئی۔ ''لیکن خدا کے لئے یہ تو سوچئے کہ سیفو کو کتنا رنج ہو گا۔ وہ تو بی اے کرنے کے خواب دیکھ رہی ہے اور یہاں

اس کے ایف اے کرنے کا بھی کوئی امکان نہیں رہا۔ میری خوشی نہ سہی۔ اس کی آرزو کو تو نہ کچلیئے۔''

''لڑکیاں ایسے ہی کہا کرتی ہیں۔'' پرنسپل صاحب نے لاپروائی سے کہا۔ ''بی اے وغیرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہر لڑکی کی منزل شادی ہے پھر اتنی تعلیم سے کیا حاصل۔ میں میٹرک کو کافی سمجھتا تھا لیکن مجبوراً مجھے اس کو کالج میں داخل کرنا پڑا۔ اب میں جلد از جلد اس کے فرض سے سبکدوش ہو جانا چاہتا ہوں۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔ میں اکثر بیمار رہتا ہوں اور تم بھی دائم المریض ہو۔ جتنی جلدی یہ فرض ادا ہو جائے۔ اچھا ہے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن......'' نفیسہ خانم نے احتجاجاً کچھ کہنا چاہا لیکن پرنسپل صاحب کی درشت آواز آئی۔ ''میں اس بارے میں اب مزید کچھ سننا نہیں چاہتا۔ وہی ہوگا جو میں نے کہہ دیا ہے۔''

سیفو میں اب مزید کچھ سننے کی تاب ہی نہ تھی۔ وہ بے جان سی ہو کر پلنگ پر گر گئی۔ اسے یوں لگا جیسے آزادی کی جھلک دکھا کر اسے پھر سے زنجیریں پہنا دی گئی ہوں۔ اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔ یہ گھر' گھر نہ تھا مذبح خانہ تھا۔ اس میں پہلے اس کی ماں کی آرزوئیں' خوشیاں اور ارمان سب دفن تھے اور اب اس کی تمناؤں کی قربانی دی جانے والی تھی۔ خدایا کیا سب لڑکیوں کے باپ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جو ان پر خوشیوں کے تمام دروازے بند کر دیں۔ اطمینان وسکون کے سب راستے مسدود کر دیں...... باپ تو ایک بڑی ہی شفیق ہستی سمجھی جاتی ہے لیکن میری قسمت میں ان کی شفقت نہیں۔ کیا انہیں میری خوشیوں کی ذرہ بھر پروا نہیں...... کیا انہیں خبر نہیں۔ کہ میں انور سمیت ان سب لوگوں کو کس قدر ناپسند کرتی ہوں۔ یقیناً وہ جانتے ہیں' ان سے میرے روکھے سلوک اور سردمہری سے وہ جان گئے ہوں گے۔ وہ بے حد ذہین ہیں۔ لیکن ان کی اذیت پسند ضدی طبیعت انہیں اس بات پر اکسا رہی ہے کہ میری پسند ناپسند کو نظرانداز کر کے اپنی ضد پر مجھے قربان کر دیں یا ہوسکتا ہے وہ اپنے نظریہ حیات کے مطابق اسے میرے لئے واقعی موزوں سمجھتے ہوں اور میری نفرت کو نادانی سے تعبیر کر

رہے ہوں۔ اس صورت میں میرے لئے کوئی مفر نہیں اور اب انہوں نے میری چند ماہ کی مہلت بھی ختم کر دی ہے۔ اب وہ میری تعلیم بھی پوری نہ ہونے دیں گے اور میں صرف پھڑ پھڑا کر رہ جاؤں گی۔ کچھ نہ کر سکوں گی کچھ بھی تو نہیں۔ لاکھوں ہم وطن لڑکیوں کی طرح میں بھی والدین کی ناجائز ہٹ دھرمی اور بے جا خود پسندی کی بھینٹ چڑھ جاؤں گی۔ اور کسی کو پتہ بھی نہ چلے گا کہ ایک اور زندگی تباہ ہو گئی۔

بے بسی کے شدید احساس سے اس کا دل جیسے پھٹنے لگا۔ رو رو کر ہچکی بندھ گئی۔ بار بار اس کا ہاتھ گلے تک پہنچتا لیکن کٹی ہوئی شاخ کی طرح واپس گر جاتا۔ نہیں نہیں۔ خودکشی کی ہمت اس میں نہ تھی۔ وہ بڑی بزدل ہے۔

اس نے خود کو تکئے پر گرا دیا۔ اور خون جگر آنسوؤں میں تبدیل ہو ہو کر اس کے تکیے کو بھگوتا رہا۔ یہ کتنی بڑی ستم ظریفی ہے کہ ہمیں زندگی کے بدترین دکھ دینے والے وہ انسان ہوتے ہیں جو ہمیں بے حد عزیز ہوتے ہیں۔ جو ہمارے پسینے کے پیچھے اپنا خون بہانے کو تیار رہتے ہیں لیکن ہمارے احساسات سے اس قدر بے خبر ہوتے ہیں کہ انہیں پتہ ہی نہیں چلتا۔ ان کے ہاتھوں کس وقت دل ٹوٹ گیا۔ اور کس وقت آرزوؤں کا خون ہو گیا۔

سیفو نے رات کا کھانا بھی نہ کھایا۔ نفیسہ خانم کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس نے اپنے باپ کی باتیں سن لی ہیں۔ مگر وہ کیا کرتیں۔ اس دکھ کا مداوا ان کے پاس نہ تھا۔ تاہم وہ سیفو کے کمرے میں گئیں۔ وہ اوندھے منہ رضائی اوڑھے لیٹی تھی۔ آنکھیں رو رو کر سوج گئی تھیں۔ انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی اور آنسوؤں سے تر بتر آنکھوں کو اپنے دامن سے پونچھ کر گلوگیر لہجے میں بولیں۔ ”میری زندگی۔ اتنا رنج کیوں کرتی ہو۔ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو۔ آخر وہ تمہارے باپ ہیں۔ تمہارے حق میں جو بھی سوچیں گے بہتر ہی سوچیں گے۔ کوئی باپ اپنی اولاد کا دشمن نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے ان کی دوررس نظریں وہ کچھ دیکھ رہی ہوں جو ہم نہیں دیکھ سکتے۔ ممکن ہے' انوار......“

سیفو نے تڑپ کر سر اٹھایا اور زخمی نگاہوں سے ماں کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ”امی۔ آپ سب کچھ جانتے ہوئے بھی یہ کہہ رہی ہیں۔ انوار سے مجھے کبھی بھی کسی

بھلائی کی توقع نہیں۔ ابا جان مجھے جہنم میں دھکیل رہے ہیں اور میں آپ کی طرح بے بسی سے اپنی بربادی کا تماشہ دیکھ رہی ہوں۔ امی آپ مجھے زہر دے دیجئے خدا کے واسطے۔ مجھ سے یہ عذاب برداشت نہیں ہوتا۔ مجھ میں آپ جیسا تحمل اور صبر نہیں۔ انوار کے ساتھ سسک سسک کر زندگی گزارنے اور مر مر کر جینے کے بجائے بہتر ہے اپنا قصہ ہی پاک کر دوں۔ امی آپ مجھے بے حیا سمجھتی ہوں گی مگر کیا کروں۔ میرے جذبات سمجھنے کی کسی نے کوشش جو نہیں کی۔'' اس کی ہچکی بندھ گئی تھی۔ نفیسہ خانم نے اسے سینے سے لگا لیا۔

''بس اب خاموش ہو جاؤ۔'' انہوں نے اس کا سر تھپکتے ہوئے کہا۔ ''میں تو اپنی یہ بے کار زندگی دے کر بھی اگر تمہاری مسرتوں کو واپس لا سکوں تو یہ میری خوش قسمتی ہو گی۔ لیکن جانتی ہوں میرے کئے سے کچھ نہیں ہو گا۔ ہونا وہی ہے جو تمہارے باپ چاہتے ہیں۔ ہم بے بس ہیں۔ اور بیکسوں کا آخری سہارا تو خدا ہی ہے۔''

''امی خدا کے لئے ابا کو کسی طرح اس بات پر رضامند کر لیجئے کہ مجھے بی اے کر لینے دیں بس میری اس قدر آرزو ہے۔ اس کے بعد جو ان کی مرضی ہو وہ کریں۔ میں ان کے آگے سر تسلیم خم کر دوں گی۔ مگر میری یہ خواہش......''

''یہی تو میں اتنے دنوں سے کہہ رہی ہوں مگر وہ نہیں سنتے۔ الٹا میری فضیحتی کر ڈالتے ہیں۔'' نفیسہ خانم نے اندوہناک لہجے میں کہا۔ ''تم خود کہہ کر دیکھو۔ کیا کہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے تمہاری بات پہلے کی طرح مان لیں۔''

''امی اب حالات پہلے جیسے نہیں۔'' سیفو نے آہستہ سے سسکی بھری۔ ''خیر کہوں گی ضرور...... کیا پتہ مان جائیں......''

''اچھا اب وعدہ کرو کہ روؤ گی نہیں۔ رو رو کر خود کو ہلکان کرنے سے کیا فائدہ۔'' نفیسہ خانم نے اس کی پیشانی پر سے بال ہٹاتے ہوئے کہا۔ ''تم میرے نقش قدم پر نہ چلنا بیٹی اور بزدلی سے آنسو نہ بہانا۔ میں نے ساری عمر کم ہمت انسانوں کی طرح آنسو بہا کر کیا حاصل کیا۔ سوائے اس کے کہ صحت برباد ہو گئی۔ اور کچھ نہ ملا۔ زندگی میں تلخیاں آتی ہی ہیں۔ ان کا ہمیشہ بہادری سے مقابلہ کرنا۔ میری یہ نصیحت یاد

رکھنا کہ دنیا رونے والے کو اور رلاتی ہے۔ دب جانے والے کو اور زیادہ دباتی ہے۔ یہاں وہی عزت کی زندگی گزار سکتے ہیں جو ہمیشہ سرافراز رہیں۔ دکھوں اور صعوبتوں پر بھی مسکرانا سیکھیں اور کبھی آنسو نہ بہائیں۔ میری زندگی سے سبق لو بیٹی۔ میں ایک نمونہ عبرت ہوں۔ میری مثال کبھی نہ لینا...... اب اٹھو شاباش۔ منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھا لو۔ میں چولہے پر گرم کرنے کے لئے رکھ آئی ہوں۔"

ماں کی باتوں سے سیفو کا دل ٹھہر گیا تھا۔ واقعی جب قسمت میں ہی گردش لکھی ہے۔ تو رونا کیوں۔ اس رونے دھونے سے بنے گا کیا آخر۔ وہ شاکرسی ہو گئی۔ محض ماں کو خوش کرنے کی خاطر اس نے کھانا کھایا۔ اور زخمی دل اور خستہ روح کو لئے نیند میں کھو گئی۔



قدرت کو شاید سیفو کی امداد مقصود تھی جو دوسرے ہیروز اکرام حسین کا ایک ایسا خط آیا جس سے مایوس دلوں میں خوشی اور امید کی لہر دوڑ گئی۔

انہوں نے انوار کے بارے میں تفصیل سے لکھتے ہوئے بتایا کہ چونکہ افسران بالا۔ ''رشوت خور۔'' اور۔ ''اقرباء پرور۔'' ہیں اور انہوں نے انوار کی صریح۔ ''قابلیت۔'' اور۔ ''اعلیٰ کارکردگی۔'' کے باوجود بھی اسے حقدار نہ سمجھتے ہوئے کسی دوسرے کو پروموشن دے دی ہے لہذا انوار نے بطور احتجاج ملازمت سے استعفیٰ دے دیا ہے اسے ملازمت ترک کئے قریباً ایک ماہ ہو گیا ہے لیکن اس نے اس واقعہ فاجعہ کی اطلاع اس لئے ہمیں نہ دی کہ بیکار رنجیدہ ہوں گے۔ مگر اب کچھ روز ہوئے انوار کو ایک امریکن فرم میں تین چار سو کی نوکری مل گئی ہے۔ ترقی کے امکانات بہت زیادہ ہیں۔ اس کا اندازہ اس امر سے لگائیے کہ وہ کچھ دوسرے ملازمین کے ساتھ ایک سال کے لئے کمپنی ہذا کی طرف سے انگلینڈ ٹرینگ پر جا رہا ہے۔ واپسی پر یقیناً پروموشن ملے گی چونکہ آرڈر فوری تعمیل کے لئے تھے اس لئے وہ کل صبح ہوائی جہاز کے ذریعے انگلینڈ روانہ ہو جائے گا۔ اسے بہت افسوس ہے کہ آپ کے نیاز حاصل نہ کر سکا۔ بہرحال واپسی پر انشاء اللہ سہرا باندھ کر آپ کے گھر آئے گا اللہ جلد ہی یہ خوشی کا موقع لائے۔ آپ کو اپنے بچے کے اس شاندار۔ ''اعزاز۔'' پانے کی صد ہزار مبارک ہو۔ بھابی صاحبہ کو بھی بہت بہت مبارک......

پرنسپل صاحب خط لئے بیگم کے پاس آئے۔ بہت خوش تھے۔ خط کا مضمون سنا کر بولے۔ ''شکر ہے اس کو بہتر ملازمت مل گئی۔ جہاں قابلیت پر سفارش کو ترجیح دی جاتی ہو۔ اس محکمے کو چھوڑ ہی دینا چاہئے۔ یہ اس نے بہت اچھا کیا کہ استعفیٰ دے دیا۔''

نفیسہ خانم ایک سال کی مہلت مل جانے پر بہت خوش تھیں۔ اب سیفو اپنی تعلیم کچھ نہ کچھ مکمل کر لے گی۔ انہوں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا اور زندگی میں پہلی مرتبہ انوار کی۔ ''قابلیت۔'' کے متعلق میاں کی ہاں میں ہاں ملائی۔ اور سیفو کو بتانے چل دیں۔ سیفو یہ اطلاع سن کر بے اختیار سجدے میں گر گئی۔ یہ ایک سال کی مہلت اس کو یوں لگی جیسے پھانسی کو عمر قید میں بدل دیا جائے۔ وہ خطرہ جو اتنا نزدیک آ گیا تھا اب کم از ایک سال کے لئے تو ٹلا۔ اور پھر ہو سکتا ہے...... اس نے خوش ہو کر سوچا کہ انگلینڈ سے وہ کوئی بیوی ہی لے آئے۔ اکثر مرد آتے ہیں اور وہ تو ہے ہی عیاش قسم کا بدقماش مرد۔

بہر حال یہ خبر اس کے لئے بے حد دل خوش کن تھی۔ وہ سارا دن مسرور پھرتی رہی۔ کسی آزاد پنچھی کی طرح چہکتی رہی۔ ہنسی بار بار اس کے لبوں پر مچل جاتی۔ وہ کل کی اپنی حالت سے آج کی صورت حالات کا مقابلہ کر رہی تھی اور خدا کا شکر ادا کرتی تھی جس نے اس طرح کے حالات پیدا کئے۔

شام کو جب عافیہ ملنے آئی تو بات بات پر اسے ہنستا مسکراتا دیکھ کر بہت حیران ہوئی...... آخر اس سے نہ رہا گیا۔

''ماجرا کیا ہے آخر۔'' اس نے پوچھا۔ ''یا تو انوار سے رشتہ ہونے کی بنا پر ہر وقت بسورا کرتی تھیں یا اتنی مسرور ہو۔ کہیں ذہنی کایا پلٹ تو نہیں ہو گئی۔''

''خدا نہ کرے......'' سیفو نے جلدی سے کہا۔ ''بتاتی ہوں ساری بات۔ پہلے چائے پی لو۔''

وہ ہنس رہی تھی اور دلی شادمانی سے اس کا چہرہ پھول کی طرح کھلا جا رہا تھا۔

''چائے وغیرہ بعد میں دیکھی جائے گی۔'' عافیہ نے بے صبری سے کہا۔ ''پہلے جلدی سے بتاؤ واقعہ کیا ہے......''

''بھئی بات یہ ہے کہ انوار کے جو والد ماجد ہیں نا...... اکرام حسین صاحب۔'' سیفو نے کہنا شروع کیا۔

''ہاں ہاں۔ تمہارے سسر۔'' عافیہ نے جلدی سے بات کاٹی۔ ''آگے بیان کرو۔''

''بہتر ہے اب نہیں بتاؤں گی کچھ بھی۔'' سیفو نے روٹھ کر کہا۔

''ارے نہیں۔ خدا کے واسطے مان جاؤ۔'' عافیہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''کوئی جان بوجھ کر تھوڑی کہا تھا کہ تمہارے سسر ہیں۔ یونہی منہ سے نکل گیا۔ لو معاف کر دو اب۔''

''معاف کیا۔'' سیفو نے پھر سے منہ ادھر کرتے ہوئے کہا۔ ''تو جناب ان حضرت کا خط آیا ہے کہ انوار صاحب عفی عنہٗ خیر سے ولایت سدھار رہے ہیں۔''

''تو تم کیوں خوش ہو رہی ہو۔'' عافیہ نے حیران ہو کر پوچھا۔ ''اچھا...... تمہارا بھی ان کے ساتھ ولایت جانے کا خیال ہو گا۔ تبھی ہنسی نہیں تھم رہی تمہاری...... لعنت ہے۔'' اس نے منہ بنا کر کہا۔

''ارے نہیں' پاگل آگے تو سن۔'' سیفو نے ہنس کر کہا۔ ''خواہ مخواہ غلط اندازے لگا رہی ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے تفصیل سے ساری بات سنا دی۔ عافیہ سب کچھ سن کر مارے خوشی کے سیفو سے لپٹ گئی۔ ''مبارک ہو پھر تو...... ارے سیفو۔ میں تجھے یقین دلاتی' ہوں کہ انوار صاحب کے قماش کا شخص کبھی ولایت سے بغیر بیوی کے نہ لوٹے گا۔ مگر ایک بات تو بتا...... کہ ان کی خانہ پری کون کرے گا۔ مجھے تو یہی فکر مارے ڈال رہی ہے۔''

سیفو کے چہرے پر رنگ سا آ گیا۔ ''تم کر لینا۔'' اس نے بات ٹالی۔

''میری مونچھیں داڑھی ہوتی تو خدا کی قسم تجھے اپنی دلہن بنا لیتی۔'' عافیہ نے کہا۔ ''مگر کیا کروں مجبور ہوں۔''

سیفو ہنس پڑی' اور پتہ بھی ہے۔ مجھ سے ایک سال چھوٹی ہو تم۔ تمہارا خیال ہے عمر کے اس تفاوت کے باوجود میں تمہیں قبول کر لیتی؟۔''

''کیوں نہیں۔'' عافیہ نے بڑے غرور سے کہا۔ ''مجھ جیسا جوان رعنا تجھے کہاں ملتا۔ مگر خیر یہ بات تو رکھو طاق پر...... اور مجھے سچ سچ بتا دو تم نے کیا سوچ رکھا ہے؟۔''

''بیوقوفی کی باتیں مت کرو۔'' سیفو نے اداس ہو کر کہا۔ ''میرے ایسے نصیب کہاں کہ اس سے ہاں چھوٹ جائے۔''

''دعائیں مانگا کر۔'' عافیہ نے مشورہ دیا۔ ''اور بھئی میں تو اب تمہاری بزرگی

کی قائل ہوگئی۔ پتہ نہیں کون سائل پڑھا ہے کہ حضرت سات سمندر پار جا پڑے۔''

''عجز سے مانگی ہوئی دعا ضرور اثر دکھاتی ہے۔'' سیفو نے کہا۔ ''اچھا تو میری فکر چھوڑ۔ اپنا حال بتا۔ ریحان بھائی کب آ رہے ہیں کویت سے؟۔''

عافیہ شرما سی گئی۔ ''ابھی تو ایک سال پڑا ہے۔''

''افوہ۔ کس قدر انتظار ہے بچاری کو...... اور وہ آ ہی نہیں رہے۔'' سیفو نے ہنس کر کہا۔

''دلہن بننے تو تم جا رہی تھیں۔'' عافیہ نے چمک کر کہا۔ ''مگر ان حضرت نے سال بھر کی چھٹی دے دی...... ایک بات بتاؤں سیفو۔ خدا کے واسطے اس عرصے کو غنیمت سمجھ کر کسی سے عشق کر ڈال۔ تاکہ جب انوار بھائی آئیں تو میدان صاف ہو۔''

''لعنت ہے تمہارے مشورے پر۔ بدتمیز کہیں کی۔'' سیفو بے ساختہ ہنس پڑی۔

''رہنے دو۔ دانت تو نکلے چلے آ رہے ہیں۔ لعنت بھیجتی ہیں میرے مشوروں پر۔ ارے اتنے قیمتی بیش بہا مشورے سوائے میرے تمہیں کون دے سکتا ہے بھلا؟۔''

''کوئی اور حماقت میں تمہارا ثانی جو نہیں۔'' سیفو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

شریفن چائے لے کر آ گئی تھی۔ باتوں کے درمیان چائے پی گئی۔ گھنٹہ بھر ٹھہر کر عافیہ گھر چلی گئی۔

✪......✪......✪

تعطیلات سرما ختم ہو چکیں۔ کالج اور سکول پھر سے آباد ہو گئے ہیں۔ سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے طالب علم علی الصبح اپنی اپنی درسگاہوں کا رخ کرتے ہیں۔ صبح کے وقت اتنی دھند ہوتی ہے کہ چند قدم آگے راستہ نظر نہیں آتا۔ نو بجے تک یہی حالت رہتی ہے۔ اس کے بعد جنوری کا لرزتا ہوا سورج آہستہ آہستہ ابھرتا ہے۔ تو دھند چھٹنے لگتی ہے۔ سورج کی نحیف کرنیں اور کہرے کا دبیز پردہ کافی دیر آپس میں دست و گریباں رہتے ہیں۔ دھند مکمل طور پر تحلیل ہو جاتی ہے۔ تو لوگ اطمینان کا سانس لیتے ہیں۔ کاروبار میں سرگرمی آ جاتی ہے اور زندگی کی تمام گہما گہمی انگڑائی لے کر بیدار ہو جاتی ہے۔

سیفو علی پور سے لاہور واپس آ چکی ہے۔ رازی بھی تعطیلات اپنے گھر گزار کر کچھ روز ہوئے آ گئے ہیں۔ اس وقت سب لوگ آتشدان کے گرد بیٹھے باتیں کر رہے ہیں ساتھ ساتھ چلغوزوں اور بھنی مونگ پھلی کا شغل بھی جاری ہے۔ باہر شام کا اندھیرا بڑھتا جا رہا ہے۔

آتشدان سے ذرا پرے ایک تخت پر گدا بچھا کر رضائی اوڑھے خدیجہ بیگم بیٹھی ہیں۔ وہ بھی چند دن سرگودھا گزار کر آئی ہیں۔ قریب ہی ان کا پوتا توصیف اپنے کھلونوں سے بیٹھا کھیل رہا ہے۔ فرح رازی کی گود میں چڑھی بیٹھی ہے اور سب کی باتیں بڑے غور سے سن رہی ہے۔

چلغوزوں کے چھلکے آتشدان میں پھینکتے ہوئے نازیہ بولیں۔ ''بھئی غضب کی سردی پڑ رہی ہے۔ پچھلے سال تو ایسی شدید سردی نہ تھی۔''

''ہر دفعہ ایسا ہی لگتا ہے گویا پچھلے سال سے زیادہ سردی پڑ رہی ہے۔ مگر گزشتہ

سال بھی ان دنوں ٹمپریچر بالکل یہی تھا۔ جمال نے کہا۔

''باہر جاؤ تو کھیتوں پر یا سڑک کے کنارے برف کی ہلکی سی تہ جمی ہوتی ہے۔'' رازی نے مونگ پھلی چھیل کر فرح کو دیتے ہوئے کہا۔ ''ویسے بھائی جان منظر بے حد حسین ہوتا ہے۔ دودھیا سی دھند کے آر پار ہوتی ہوئی سنہری کرنیں بڑی پیاری لگتی ہیں۔''

''جی ہاں۔ سردی کے مارے اس وقت لوگوں کی قلفی جم رہی ہوتی ہے اور آپ کو مناظر کی پڑی ہوتی ہے۔'' جمال نے تیوری چڑھا کر کہا۔ ''بندہ خدا منظر بھی اس وقت ہی بھلے لگتے ہیں جب حواس بجا ہوں۔ میرا تو یہ حال ہوتا ہے کہ کار کے سب شیشے چڑھانے کے باوجود یوں لگتا ہے جیسے منجمد ہو گیا ہوں۔ سارے ونڈ سکرین پر دھند قطرے بن بن کر نمودار ہو رہی ہوتی ہے اس نظارے سے بدن اور بھی ٹھٹھرنے لگتا ہے۔ بخدا اس وقت اگر کوئی خوبصورت سے خوبصورت منظر بھی سامنے آ جائے تو اس کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھو......'' رازی ہنس پڑے اور بولے۔ ''اگر آپ کو کبھی سوئٹزر لینڈ یا وادیٔ کاغان جانے کا اتفاق ہوا تو کیا کریں گے آپ؟''

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔'' جمال معصومیت سے بولے۔ ''ظاہر ہے کہ سارا دن کسی ہوٹل کے گرم کمرے میں لحاف اوڑھے پڑا رہوں گا۔ اگر کبھی کبھار دھوپ نکلے تو نظارے وغیرہ بھی دیکھ لوں ورنہ چھٹی......''

نازیہ اور سیفو بھی ہنسنے لگیں۔

''واہ بھائی جان۔ سردی سے اتنا ڈرتے ہیں آپ۔'' سیفو نے مسکرا کر کہا۔

''ان کا تو ہمیشہ سے یہ حال ہے۔'' نازیہ نے کہا۔ ''سردی سے بے حد ڈرتے ہیں۔ کئی دفعہ ان سے کہا کہ چل کر مری کی برفباری ہی دیکھ آئیں۔ ساری دنیا دیکھنے جاتی ہے دسمبر میں۔ مگر کانوں کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ اور مجھے برف پر پھسلنے اور برف کے گولے بنانے کا بڑا ارمان ہے۔ مگر قسمت کی بات آج تک برفباری ہی نہیں دیکھی۔ اب میری خاطر یہاں لاہور میں تو برفباری ہونے سے رہی......''

''اگر سردی کا یہی عالم رہا تو ہو جائے گی برفباری بھی ایک دن۔'' جمال اخروٹ توڑتے ہوئے بولے۔ ''پھر تم اپنی حسرت نکال لینا۔''

"برفباری تو مجھے بھی بہت پیاری لگتی ہے۔" سیفو نے کہا۔ "کوہ مری میں ایک دفعہ دیکھی تھی۔ برف کے سفید سفید گالے گرتے بہت بھلے لگتے ہیں آپا۔ اور اس وقت سردی بھی محسوس نہیں ہوتی۔ البتہ بعد میں جب فریز نگ ہونے لگتی ہے تو سخت سردی پڑتی ہے۔"

"کاش میں بھی دیکھ سکوں کبھی......" نازیہ نے ٹھنڈا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"اے بیٹی اللہ اللہ کرو، نگوڑی برفباری بھی کوئی دیکھنے کی چیز ہے۔" خدیجہ بیگم بولیں۔ "خون تک تو معلوم ہوتا ہے رگوں میں جم گیا۔ ایک دفعہ تمہارے ابا کے کسی دوست کے پاس ہم لوگ کوئٹہ میں تھے جب برفباری ہوئی۔ خدا کی پناہ۔ زمین آسمان سب سفید کفن اوڑھے نظر آتے تھے۔ نلوں تک کا پانی تو جم گیا تھا۔ نیچے آگ جلا جلا کر ہم لوگ پانی نکالتے۔"

"کوئٹہ کی سردی واقعی بہت شدید ہوتی ہے۔" رازی بولے۔ پانی کے جمنے سے نل پھٹ جاتے ہیں۔ لوگوں کے چہرے اور ہاتھ پاؤں سے سردی کی شدت سے پھٹ کر خون رسنے لگتا ہے۔ چلتے ہوئے گھوڑے اور جانور ٹھٹھر کر مر جاتے ہیں۔ بہت بری حالت ہے۔ مقابلتہً مری کی سردی خوشگوار ہے۔ اس میں یہ شدت نہیں۔"

باورچی عمر دین نے نیپکن سے ہاتھ پونچھتے ہوئے کمرے میں آ کر کہا۔ "بیگم صاب۔ گاجر کا حلوہ میں بھون لوں یا آپ بھونیں گی۔"

"نہیں، تم دیگچہ نیچے اتار دو۔ میں ابھی آ کر بھونتی ہوں۔" نازیہ نے اون کے گولے ٹوکری میں رکھتے ہوئے کہا۔

"آپا۔ میں بھی آؤں ہیلپ کرنے......" سیفو نے پوچھا۔

"نہیں۔ بس دس پندرہ منٹ کا تو کام ہے۔ تم ذرا یہ اون کا لچھا لپیٹ دو۔"

سیفو نے اون لے لی اور لپیٹنے لگی۔ جمال کو گاجر کا حلوہ بہت پسند تھا۔ خوش ہو کر بولے۔ "جیتی رہو نازو...... روزانہ گاجر کا حلوہ بنا دیا کرو تو اس سردی میں اور کیا چاہیے۔"

"خیر روزانہ تو نہیں بن سکتا۔" نازیہ اٹھتے ہوئی بولیں۔ "البتہ ہر اتوار کو بنا دیا کروں گی۔ پتہ بھی ہے آپ کو بازار میں انڈا چار آنے میں مل رہا ہے اور اس میں کافی

انڈے بھی ڈالنے پڑتے ہیں۔''

اور جناب وہ آپ کی مرغیاں کیا پنشن پر چلی گئیں؟ جمال نے پوچھا۔''وہ کیوں نہیں دیتیں انڈے؟''......

''پتہ نہیں شائد سردی کی وجہ سے نہیں دے رہیں یا کیا''...... خدیجہ بیگم نے کہا۔''گرمی کے موسم میں تو خوب ریل پیل تھی انڈوں کی۔''

''تو ذبح کر لیجئے ان کو۔'' جمال نے بڑے خلوص سے مشورہ دیا......''خواہ مخواہ سیروں اناج ضائع ہوتا ہے روزانہ۔ آخر ہیں کس کام کی......''

''نہیں ابا جان ہم ذبح نہیں کرنے دیں گے۔'' فرح اٹھ کر بیٹھ گئی۔''ہماری مرغیاں ہیں۔''

جمال ہنس پڑے۔''اچھا بھئی اچھا نہیں کریں گے ذبح۔ تم ماں بیٹیوں کی وجہ سے ان مرغیوں کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا ورنہ اب تک میدان صاف ہوتا۔''

''آخر تم مردوں میں کیا عادت ہوتی ہے مرغوں سے کد کرنے کی۔'' خدیجہ بیگم نے کہا۔''تمہارے ابا بھی ہمیشہ مرغیوں کے درپے رہے' میں ان کی وجہ سے اپنی یہ آرزو کبھی پوری نہ کر سکی۔ جب بھی منگاتی تھی کسی کی لٹھ مار کر ٹانگ توڑ دیتے۔ کسی کو اتنا ڈراتے کہ وہ بھاگ جاتی' اکثر ذبح کر ڈالتے۔ وہی عادت تم میں بھی ہے۔ مرغیوں سے نفرت کرتے ہو۔''

''امی جان مرغیاں پالنا کوئی اچھی بات تو نہیں۔'' جمال ہنستے ہوئے بولے البتہ مرغیاں کھانا بہترین عادت ہے۔''......

''بالکل۔'' رازی نے تائید میں سر ہلایا۔''میں آپ سے سو فیصد متفق ہوں۔''

''لیکن اگر پالی نہ جائیں گی تو آپ لوگ کھائیں گے کیسے۔ یہ بھی تو سوچئے۔''سیفو نے مسکرا کر کہا۔

''ہاں یہ بات ذرا غور طلب ہے۔'' جمال سر کھجاتے ہوئے بولے۔

''یہ تو سیدھی سی بات ہے۔ پالیں گی یہ اور کھائیں گے ہم۔'' رازی نے سیفو کی طرف دیکھ کر زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔ آسان سا ڈویژن آف لیبر کا مسئلہ ہے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر پالنے بھی دو تم لوگ۔'' خدیجہ بیگم نے کہا۔''ہمیشہ پیچھے

پڑے رہتے ہو۔ کبھی اناج کے ضائع جانے کی بحث' کبھی گندگی پر اعتراض طرح طرح کے بہانے بناتے ہو انہیں ختم کرنے کے۔"......

"امی جان اگر ہر روز ہمیں ایک روسٹ مرغ مل جایا کرے تو قسم خدا کی کبھی ان آپ کی لاڈلی مرغیوں کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے بھی نہ دیکھیں۔" جمال نے کہا۔

"لیکن مصیبت یہ ہے کہ مرغی پکانا آپ کے نزدیک کافی غور طلب مسئلہ ہو جاتا ہے اب نازو کو ہی دیکھیں۔ کبھی جو اپنی پالی ہوئی مرغیاں پکائیں ہمیشہ اس مقصد کے لئے بازار سے مرغیاں منگائی جاتی ہیں......"

خدیجہ بیگم ہنسنے لگیں۔ "اپنے گھر میں پلی ہوئی چیز سے ایک قسم کا پیار ہو جاتا ہے بیٹا۔"

نازیہ نے کمرے میں آتے ہوئے کہا۔ "کھانا تیار ہے۔ آپ لوگ یہیں تخت کے گرد کرسیاں بچھا کر کھانا کھالیں گے یا ڈائننگ روم میں لگواؤں۔"

"بھئی نازو کیوں بے آرام کرتی ہو درویشوں کو۔" جمال نے کرسی کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے کہا۔ "یہیں منگا دو کھانا۔"......

کھانے وانے سے فارغ ہو کر رازی اپنے کمرے میں چلے گئے۔ سیفو دیر تک آتشدان کے سامنے بیٹھی پڑھتی رہی۔ کل اس کا ہسٹری کا ٹسٹ تھا اور تیاری ذرا نہیں کی تھی......!

✪......✪......✪

وقت دبے پاؤں گزرتا جا رہا تھا۔ سردیوں کے بعد اب گرمیوں کی آمد آمد تھی۔

آغاز گرما کی ایک حسین صبح کو نازیہ اور جمال نے سب کے ساتھ مل کر پکنک کا پروگرام بنایا۔ پکنک عام تفریحی جگہوں مثلاً شالامار باغ' لارنس گارڈن' جہانگیر کے مقبرے یا شاہی مسجد کے بجائے چھانگا مانگا کے جنگل میں منائی جانی تھی۔ طے یہ پایا کہ وہاں شکار بھی کھیلا جائے گا۔

پکنک میں گھر کے افراد کے علاوہ طاؤسہ' برجیس' زارا اور ریحانہ کو بھی شریک ہونا تھا کیونکہ نازیہ نے بڑے اصرار سے انہیں مدعو کیا تھا۔

پکنک کے دن صبح صبح نوکر کو بازار بھیج کر نازیہ نے پھل منگا لئے تھے۔ ریفریجریٹر میں کافی اور پائن ایپل کی آئس کریم بنالی گئی تھی۔ اس کے علاوہ نازیہ اور سیفو نے خانساماں کے ساتھ مل کر کچھ پکوڑے بھی تل لئے۔ مرغ مسلم اور شامی کباب جمال نے نہیں بنانے دیئے۔ ان کا خیال تھا کہ شکار کے کباب وغیرہ بنائے جائیں گے۔

آیا ایک ٹوکری میں ننھے توصیف کے لئے نیپکن' دودھ کی تھرماس' بسکٹ' تولیہ اور کچھ فالتو جانگئے وغیرہ رکھ کر اب اسے نہلا کر تیار کر رہی تھی۔ فرح سیفو کے ساتھ ضد کرنے لگی۔ کہ فراک کے نیچے کین کین ضرور پہنوں گی۔ سیفو نے بہتیرا سمجھایا کہ پکنک پر کین کین پہن کر نہیں جاتے' خراب ہو جاتا ہے۔ مگر وہ مچل گئی۔ آخر نازیہ کو ڈانٹنا پڑا۔ خدیجہ بیگم کو گھر پر ہی رہنا تھا۔ وہ ایسی پکنکوں وغیرہ سے بہت گھبراتی تھیں اس وقت بہت سا میدہ گوندھ کر سامنے رکھے وہ پوروں سے سیویاں بنا رہی تھیں۔

تھوڑی دیر کے بعد طاؤسہ' زارا' برجیس اور ریحانہ بھی آ گئیں۔ یہ لڑکیاں پردہ

نہیں کرتی تھیں اس لئے کوئی دقت نہ تھی۔ چاروں پکنک پر لے جانے کے لئے کوئی نہ کوئی چیز ہمراہ لائی تھیں۔ زارا نے فروٹ پڈنگ بنائی تھی۔ طاؤسہ میٹھے ٹکڑے اور ریحانہ کھٹے چنے بنا کر لائی تھی۔ برجیس نے چکن سینڈوچ اور چپس بنائے تھے۔

خوشی اور ایکسائٹمنٹ سے لڑکیوں کے چہرے تمتا رہے تھے۔ جمال اور رازی نے بھی بندوقیں' کارتوس' شکار کے تھیلے' تیز چاقو اور دیگر لوازمات اکٹھے کر لئے۔

کوئی آٹھ بجے کے قریب یہ لوگ کاروں میں لد کر چھانگا مانگا کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ پرلطف باتوں میں کٹا۔ آخر ہرے بھرے جنگل کے تقریباً وسط میں پہنچ کر ان لوگوں نے ڈیرے ڈال دیئے۔ جمال اور رازی نے جھاڑ جھنکار سے جگہ صاف کی۔ لڑکیوں نے فٹافٹ دری بچھا کر اوپر ناشتے کی ٹوکریاں اور تھرماسیں وغیرہ سجا دیں۔ فرح اور توصیف آتے ہی ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ آیا بہتیرا ان کو ڈسپلن میں رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر وہ ایک کان سے سنتے دوسرے سے اڑا دیتے۔

ریحانہ نے اٹھ کر درختوں کا معائنہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ہائے یہاں ایک آدھ ہی آم کا درخت ہوتا تو کیریاں توڑ کر کھاتے۔ کتنا مزا آتا۔''

''واقعی۔'' برجیس نے حسرت سے شیشم وغیرہ کے درختوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے۔'' رازی بندوق کی صفائی کرتے ہوئے بولے۔ ''کہ یہ جنگل ہے۔ باغ نہیں۔ جہاں آپ آم' جامن وغیرہ کی توقع رکھیں اور اگر پھلدار درخت یہاں ایک بھی ہوتا' تو یہ یکسوئی آپ کو کبھی نصیب نہ ہو سکتی۔ مالی اور کوے اڑانے والوں کی آوازوں سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی۔''

''اب تو مجبوری ہے۔'' جمال نے دری پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔ ''یہ مالٹے' امرود اور لوکاٹ وغیرہ ہی جگہ جگہ ان درختوں پر لٹکا لیجئے اور توڑ توڑ کر اپنا شوق پورا کیجئے۔''

برجیس ایک جانب کھڑی سیفو سے سرگوشی میں کہہ رہی تھی۔ ''اپنے ان رازی صاحب سے پوچھو تو سہی کہ نیلم کو کہاں چھوڑ آئے۔''

''خود ہی پوچھ لو۔''...... سیفو نے آہستہ سے کہا۔ ''میں اتنی بے تکلف نہیں ہ

لوگوں سے ان کے رومانسز کے بارے میں پوچھتی پھروں۔“
طاؤسہ بھی قریب ہی سوکھی لکڑیاں اور پتے چن رہی تھی۔ کان کھڑے کر کے بولی۔ ”جی ہاں۔ یہ بھلا کیوں پوچھیں گی۔ رقیب جو ہوئیں ان کی۔“
”بھئی خدا کے لئے آہستہ بولو“ سیفو نے گھبرا کر کہا۔ ”کسی نے سن لیا تو......“
”کسی نے؟“ برجیس نے مسکرا کر آہستہ سے کہا۔ ”نام کیوں نہیں لیتیں...... ویسے ہمیں رازی صاحب کا کوئی ڈر تو پڑا نہیں۔ ضرور بولیں گے۔“
سیفو جز بز ہو کر خاموش رہ گئی۔ وہ اینٹیں اکٹھی کر کے ان کا چولہا بنا رہی تھی۔ زارا اور ریحانہ ویسے ہی دری پر بیٹھ کر نازیہ سے باتیں کرنے لگیں۔
رازی اور جمال نے بندوقیں' فالتو کارتوس اور دیگر سامان کندھوں پر لٹکایا اور شکار پر جانے کے لئے تیار ہو گئے۔
”کوئی ہرن ورن مار کر لایئے گا۔ اس کے کباب بڑے عمدہ بنتے ہیں۔“ نازیہ نے کہا۔
”ہرن کیا معنی نیل گائے مار کر لائیں گے۔ ملنا شرط ہے۔“ رازی بولے۔
”اور حسن اتفاق سے اس جنگل میں صرف تیتر' بٹیر' چھپے یا پھر چوپایوں میں خرگوش اور گیدڑ ملتے ہیں۔“ جمال نے کہا۔
”بس گیدڑ ہی نہ لایئے گا بھائی جان۔“ برجیس نے پکار کر کہا۔
”گیدڑ مرے گا کب ان سے۔“ زارا بولی۔ ”بڑا چالاک جانور ہوتا ہے۔“
”اجی ہم شیر مارنے والے شکاری ہیں۔“ جمال نے سینہ پھلا کر کہا۔ ”گیدڑ کیوں مارنے لگے۔“
”وہ تو شکل سے ہی ظاہر ہے۔“ نازیہ ہنس کر بولیں۔ ”خیر سدھاریے اب۔“
کوئی ڈیڑھ دو گھنٹہ بعد رازی اور جمال خاک دھول میں اٹے واپس آئے۔ لڑکیاں بھاگ کر قریب آ گئیں۔ فرح اور توصیف بھی آ کر پاس کھڑے ہو گئے۔ سبھی منتظر تھے کہ دیکھیں اب تھیلے میں سے کیا برآمد ہوتا ہے۔
بڑے ہی فخر سے جمال نے ایک مرا ہوا کوا نکال کر سب کو دکھایا اور داد طلب

انداز سے بیوی کو دیکھنے لگے۔

''اوئی اللہ۔'' نازیہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولیں۔ ''یہ کیا کوا......۔''

''جناب۔'' جمال نے معصومیت سے کہا۔ ''اسے ہماری زبان میں کواہی کہتے ہیں۔''

سب لڑکیاں کھسیانی ہو کر ہنس رہی تھیں۔ سیفو نے کہا۔ ''بھائی جان اتنے بہترین شکار پر تو آپ کو کوئی پرائز ملنا چاہئے۔''

''اور نہیں تو کیا۔'' رازی بولے۔ ''اتنی محنت سے مارا ہے۔ پتہ بھی ہے کوا مارنا کتنا بڑا فن ہے۔ سخت چالاک جانور ہوتا ہے۔ مشکل ہی سے گولی کھاتا ہے۔ یہ تو بھائی جان کا نشانہ تھا۔ ورنہ بڑے بڑے شکاری اسے نہیں مار سکتے۔''......

''جی ہاں۔ اسی فن میں تو لاثانی ہوئے ہیں۔'' نازیہ نے تیوری چڑھا کر میاں کو دیکھا۔ ''اب بتایئے کباب کاہے کے بنیں گے۔ آپ نے شامی کباب بھی تو نہ بنانے دیئے۔''

''کوے کے بنایئے بیگم صاحب۔'' جمال نے کورنش بجا لاتے ہوئے کہا۔ ''بہت عمدہ ہوتے ہیں۔''

''لعنت بھیجئے کمبخت پر۔'' نازیہ روہانسی ہو کر بولیں۔ ''آیا' دور پھینکوا سے۔''

''اچھا لاؤ بھی رازی تھیلا......۔'' جمال نے ہنسی روکتے ہوئے کہا' ''کیا یاد کریں گی یہ بھی۔ کہ کسی فریک بک سے پالا پڑا تھا۔''......

رازی نے دوسرا تھیلا اپنے کوٹ کے نیچے سے نکالا اور جمال کے حوالے کر دیا۔ اس میں سے گیارہ تیتر۔ چار جنگلی مرغ اور سات چکور نکلے۔ لڑکیوں کی خوشی قابل دید تھی۔ جھپٹ کر انہوں نے تھیلا چھین لیا اور شکار الٹ پلٹ کرنے لگیں۔

''کس قدر ندیدی قوم ہوتی ہے ان لڑکیوں کی بھی۔'' جمال دری پر لیٹتے ہوئے بولے' ایک ہم مرد ہوتے ہیں بچارے۔ سارا دن محنت کرتے ہیں یہ تو محض کھانے کی ہیں۔''

''درست فرمایا آپ نے۔'' طاؤسہ نے کہا۔ ''اور ابھی جو یہ سب کچھ بنا کر پکا کر نہ دیں تو آپ کی ساری محنت برباد جائے کہ نہیں۔''......

''یہ تو ہے۔'' جمال رازی کی طرف دیکھ کر قائل ہو جانے والے انداز سے بولے۔ ''کیوں رازی بھیا۔''

''جی۔ سچ فرمایا آپ نے پیر و مرشد۔'' رازی نے آنکھیں بند کر کے جھومتے ہوئے کہا۔ چہرے پر شریری مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

لڑکیوں نے منٹوں میں پرندے صاف کر لئے۔ اب ان کو پکانے بیٹھیں۔ نازیہ نے چکور کا گوشت الگ کرتے ہوئے کہا۔ ''اس کے تو بنیں گے پسندے اور میں خود بناؤں گی۔ سیفو تم تیتر بھون لو اب۔ مرغ مسلم کون بنائے گا۔'' برجیس اور زارا نے ہاتھ کھڑے کر دیئے۔

''بس ٹھیک ہے یہ تم لے لو۔'' نازیہ نے مرغ ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

لڑکیوں نے جلدی سے چولہے سلگائے اور کام کرنے لگیں۔ عجب منظر تھا۔ کسی فرائی پان میں گھی کڑکڑا رہا ہے' تو کسی دیگچی میں مسالہ بھن رہا ہے۔ کوئی ایک طرف بیٹھی آٹا گوندھ رہی ہے تو کوئی پیاز کاٹ رہی ہے۔

سیفو اور ریحانہ مل کر تیتر بھوننے کی تیاری کر رہی تھیں۔ ریحانہ نے مسالہ پیستے ہوئے کہا۔ ''سیفو۔ ہمارے پاس ایندھن کم ہے۔ درختوں کے اس جھنڈ میں کافی پتے اور سوکھی لکڑیاں مل جائیں گی۔ جلد سے بھاگ کر لے آؤ۔''

سیفو درختوں کے جھنڈ کی طرف چل دی۔

''یہ سب کچھ تو ہے لیکن کاش ایک آدھ مچھلی مل جاتی تو کباب بھی بن جاتے۔'' برجیس نے بڑی حسرت سے کہا۔

''بھئی اتنی ساری چیزیں جو ہوں گی۔ کباب کیا ضروری ہیں۔'' زارا نے کہا۔

''برجیس کہتی تو ٹھیک ہیں۔ کبابوں کی بات ہی اور ہے۔'' نازیہ بولیں۔

''اچھا میں نہر سے مچھلی پکڑ کر لاتا ہوں۔'' رازی نے کہا۔ اور اٹھ کر ایک طرف چل دیئے۔

''کیا واقعی اسے مچھلیاں مل جائیں گی؟'' نازیہ نے حیران ہو کر میاں سے پوچھا۔

''مچھلی چھوڑ مینڈک بھی نہیں ملے گا اس لئے کہ ڈور ساتھ ہی نہیں لائے۔''

جمال نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔''وہ یونہی ذرا ادھر ادھر سیر کرنا چاہتا ہے اور کچھ نہیں۔''

سوکھی ٹہنیوں کی تلاش میں سیفو کافی دور نکل گئی تھی۔ آخر ایک جگہ اسے کچھ خشک پتے اور ٹہنیاں گری ہوئی نظر آئیں۔ اس نے اپنی نیلی قمیص کی آستینیں کہنیوں تک چڑھا لیں اور جھک کر پتے اکٹھے کرنے لگی۔ اس کے گلابی چہرے پر پسینے کے قطرے نمودار ہو رہے تھے اور بالوں کی لٹیں حسین پیشانی پر آن گری تھیں۔

اچانک ایک موٹے سے درخت کے پیچھے سے رازی برآمد ہوئے۔''شاعرہ یونان یہ کیا ہو رہا ہے۔'' وہ مسکرائے۔''لاؤ میں اٹھا لوں لکڑیاں۔''

سیفو نے چونک کر نظر اٹھائی۔ درخت سے پیٹھ لگائے رازی اسے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

''آپ مجھے شاعرہ یونان نہ کہا کیجئے۔'' اس نے دھیرے سے کہا۔''اس نے تو رومانس کے سوا کچھ لکھا ہی نہیں اور مجھے اس لفظ سے بھی نفرت ہے۔''

''ارے......لیکن کیوں......'' رازی نے حیرت سے ابرو اٹھائے۔

''یہاں اس پر بحث کرنے کی نہ گنجائش ہے نہ موقع۔'' سیفو نے سنجیدگی سے بات ختم کرتے ہوئے کہا اور پتے سمیٹتی رہی۔ اب کافی ایندھن جمع ہو گیا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں میں سوکھی لکڑیاں اور پتے سنبھالے چل پڑی۔

''کاش کبھی تم واقعی سیفو بن سکو۔'' رازی نے مدھم سے لہجے میں کہا۔ سیفو نے یہ فقرہ سن لیا تھا۔ لیکن اس نے جواب نہ دیا اور جلدی سے قدم بڑھاتی ریحانہ کے پاس پہنچ گئی۔

''ارے کیا بہت مشقت کرنی پڑی؟'' ریحانہ نے حیرت سے اس کا غیر معمولی سرخ چہرہ اور پھولی ہوئی سانس دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔''......سیفو نے کہا اور مستعدی سے آگ جلانے لگی۔

تھوڑی دیر بعد دوسری جانب سے رازی بھی ٹہلتے ہوئے واپس آ گئے۔

''مچھلیاں لائے ہو؟'' نازیہ نے پوچھا۔

''کہاں جناب۔'' رازی نے سرسری نگاہ سے سیفو کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''وہ تو مجھے دیکھتے ہی بھاگ گئیں۔ بات بھی نہ سنی۔'' وہ مسکرائے۔ ''دراصل بہت شرمیلی مچھلیاں تھیں وہ......۔''

''یہ بات نہیں حضرت۔'' جمال نے کروٹ لے کر کہا۔ ''ظاہر ہے مچھلیاں غلیل سے تو ماری نہیں جاتیں' نہ ہی تم ٹارزن کی طرح اتنے ماہر ہو کہ جھپٹا لگا کر مچھلی پکڑ لو...... پھر بغیر ڈور کے کیسے پکڑی جاتیں۔''

''اچھا؟۔'' رازی نے آنکھیں پھیلا کر کہا۔ ''آپ نے پہلے بتایا ہوتا۔''

''بس یونہی آوارہ گردی سوجھی تھی کیا؟۔'' نازیہ نے پوچھا۔

''بہت جلدی بوجھ لیا آپ نے۔'' رازی نے چاقو سے ایک ہری شاخ چھیلتے ہوئے شریر مسکراہٹ سے کہا۔ ''ویسے ارادہ تو تھا مچھلی پکڑنے کا۔ مگر افسوس ہاتھ نہ آ سکی۔''

تھوڑی دیر بعد لڑکیوں نے اپنے اپنے پکوان لا کر دری پر سجا دیئے دو تین گھنٹہ کی محنت سے سب کی بھوک چمک گئی تھی۔ سب کھانے میں جٹ گئے۔ مسلسل باتوں میں ہنسی مذاق میں کھانا ختم ہوا۔ بعد میں لڑکیاں تو چائے بنانے لگیں اور جمال اپنی شاعری لے بیٹھے۔ وہ تک بندی کے ماہر تھے۔ رازی پاس بیٹھے صلاح دیتے جاتے تھے۔

''غزل تیار ہے۔'' آخر جمال نے اناؤنس کیا۔ ''آپ حضرات کہیں تو سنائی جائے۔''

''ضرور۔ ضرور۔'' لڑکیوں نے تالیاں بجائیں اور ہمہ تن گوش ہو بیٹھیں جمال نے قریبی درخت سے کمر ٹیک کر آنکھیں بند کر لیں۔

''کیا زبانی سنائیں گے؟۔'' نازیہ نے پوچھا۔

''نہیں۔'' جمال نے آنکھیں کھولتے ہوئے بیاض پر نظر ڈالی۔ ''ذرا شاعرانہ پوز بنا رہا تھا۔''

لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

''عرض کیا ہے۔'' جمال نے نیاز مندی سے کہا۔ ''شاید کسی قابل ہو۔''

یہ چھانگا مانگا کا جنگل وقت سہانا
اس جگہ بیٹھ کر آپ کا پکوان پکانا
ہائے لالچی لڑکیوں کی نگاہیں کبابوں میں
کبھی دیکھے نہ ہوں گے اتنے تیتر خوابوں میں
اری سیفو' زارا' برجیس ہم ہیں شکاری ماہر
تم کیا جانو' کبھی دیکھی نہیں مکھی بھی مار کر
ایک گولی سے لگادی تیتر چکور کی قطار
پر تمہیں نہ آیا کبھی پکانا مزے دار
دھوئیں سے یہ آنکھوں میں آنسو بے شمار
یہ کالی زلفوں میں راکھ کے انبار
نہ تم سے آگ سلگتی ہے نہ چولہا جلتا ہے
ہٹو پیچھے دیکھو جی کیسے کباب تلتا ہے
اب لڑکیوں کے کام بھی لڑکے کریں
غضب ہے لڑکیاں پھر بھی نام دھریں
ہم مرد نہ ہوں تو رک جائے کاروبار
یہ تیتر چکور کبھی نہ ہوسکیں شکار
اے نکمی باورچنو! جلدی کرو چائے تیار
پی ہی لیں گے ہم دونوں چار و ناچار

ہنستے ہنستے سب کا برا حال تھا۔ جمال نے بڑی تصنع آمیز سنجیدگی سے سب کو جھک کر سلام کیا۔

''یہ شاعری کی کونسی صنف تھی بھائی جان۔'' طاؤسہ ہنستے ہوئے بولی۔

''پکنکی شاعری۔'' جمال نے بڑے اطمینان سے بیاض بند کرتے ہوئے کہا۔

''وزن' بحر وغیرہ پر نہ جائیے۔'' رازی مسکرا کر بولے۔ ''یہ سب فرسودہ چیزیں ہیں۔ یہ دیکھئے کہ شاعر حقیقت سے کتنا قریب ہے۔ کلام میں تکلف نام کو نہیں۔''.....

''یہ جمی تخلص آپ نے کب رکھا۔'' نازیہ نے مسکرا کر میاں سے پوچھا۔ ''پہلے تو کچھ اور تھا۔''......

''ماضی قریب میں۔''......وہ ہنس کر بولے۔

''اچھا یہ پہلے بھی اسی قسم کی شاعری فرماتے رہے ہیں؟'' رازی نے پوچھا۔ ''میں نے سمجھا شاید آج ہی یہ دورہ پڑا ہے۔''

''دورہ؟'' جمال نے آنکھیں نکالیں۔ ''یعنی آپ کے نزدیک اس قدر حسین شاعرانہ موڈ کا نام دورہ ہے......؟ واہ بھیا اچھی قدر کی۔''

''معافی چاہتا ہوں پیر و مرشد۔'' رازی نے ہنسی ضبط کر کے کہا۔

اب چائے آ گئی تھی۔ سب پینے لگے۔ کافی دیر یہ محفل جمی رہی آخر عصر کے قریب یہ لوگ واپس ہوئے۔



آج کوئی تعطیل تھی۔ لہذا جمال اسی طرح شیو بڑھائے' ابھی تک شب خوابی کا لباس پہنے مزے سے لان میں پودوں کو پانی دے رہے تھے۔ فرح اور توصیف ان کے ساتھ ساتھ چہکتے پھرتے تھے۔ چمن میں ایک طرف ذرا سایہ میں کرسی ڈالے رازی مصروف مطالعہ تھے' نازیہ اندر کمروں کی صفائی کرا رہی تھیں۔ خدیجہ بیگم بیٹھی خانساماں کو کھانے کے متعلق کچھ ہدایات دے رہی تھیں۔ کیونکہ چھٹی کے روز جمال کا اصرار ہوتا تھا کہ کوئی اچھوتی ڈش تیار ہو چنانچہ آج بھی آلو کا پلاؤ' ڈبل روٹی کی پڈنگ اور سیخ کباب بن رہے تھے۔

سیفو اپنے کمرے میں میز کے سامنے کھڑی کپڑے استری کر رہی تھی اس کمرے کی کھڑکی سامنے لان میں کھلتی تھی۔ کبھی کبھی اس کی نظر باہر جاتی تو ہرا بھرا لان' خوشنما پھول بڑے پیارے لگتے۔ فرح اور توصیف کی اپنے باپ سے باتیں کرنے کی آواز مسلسل آ رہی تھی۔ ماحول پر ایک عجیب خوابناک سا حسن طاری تھا۔

''ارے بھئی رازی۔'' جمال گردن موڑ کر اس سے مخاطب ہوئے۔ ''ایک بات بتاتا تو بھول ہی گیا تمہیں۔''

''فرمائیے۔'' رازی نے کتاب بند کرتے ہوئے کہا۔

''کل دفتر میں بیٹھا تھا کہ ٹیلی فون آیا۔'' وہ بولے۔ ''کوئی تمہاری جاننے والی محترمہ تھیں۔ بڑے ہی سٹائل سے بولیں۔ ''شیراز منصور صاحب ہیں؟'' میں نے بتایا کہ نہیں ہیں۔ اس پر فرمانے لگیں کہ ان سے کہہ دیجئے گا کل شام چھ بجے۔ ''گل مہر ولا۔'' میں میری سالگرہ ہے۔ ضرور آئیں۔'' ......

رازی حیرت سے آنکھیں کھولے یہ سب سن رہے تھے۔ حیران ہو کر بولے

کون تھیں وہ۔ بھائی جان آپ نے نام تو پوچھا ہوتا۔ میں کسی۔ ''گل مہر ولا۔'' کو نہیں جانتا۔ نام ہی پہلی مرتبہ آپ سے سن رہا ہوں۔''

''ان کا اسم گرامی تھا نیلم افتخار۔'' جمال نے رک رک کر کہا اور غور سے رازی کو دیکھنے لگے۔ ''ظاہر ہے اس نام سے آپ ناواقف نہیں ہو سکتے کیونکہ آپ کے جغرافیے سے وہ کماحقہ' واقف تھیں۔''

رازی کی کشادہ پیشانی پر ہلکی سی شکنیں پڑ گئی تھیں۔ ''اوہ نیلم افتخار۔'' انہوں نے ناگواری سے کہا۔

''جی ہاں۔ وہی۔ معلوم ہوتا ہے آپ نے پہچان لیا۔ جمال قدرے مسکرا کر بولے۔ ''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ کیسے وہ آپ کی شناسا ہیں اور ہیں کون؟۔''

رازی اٹھ کر ان کے قریب آ گئے اور دونوں ہاتھ کرسی کی پشت پر رکھ کر' اپنے دراز قد کو ذرا جھکا کر بولے۔ ''بھائی جان آپ نہ جانے کیا سمجھ رہے ہیں اور اس بارے میں کس قسم کے شبہات کو دل میں جگہ دے رہے ہیں۔ میں ابھی آپ کے سارے شکوک کا ازالہ کیے دیتا ہوں یہ سلسلہ یوں ہوا کہ ایک روز میں اور میرا ایک دوست گوہر جیلانی' ہم دونوں ہوٹل پیراڈائز میں بیٹھے تھے کہ ایک لڑکی وارد ہوئی۔ سخت الٹرا ماڈرن قسم کی اور بے حد فضول طرز کا لباس پہنے۔ یہ سیدھی ہماری ٹیبل کی طرف آئی۔ پتہ چلا کہ گوہر سے ان کی پرانی شناسائی ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کی گرل فرینڈ تھیں۔ نام' معلوم ہوا نیلم افتخار! گوہر کرکٹ کا بہت عمدہ کھلاڑی ہے۔ اسی وجہ سے اس کی دوستی ان سے ہو لی۔ بعد میں اس نے بتایا کہ یہ ان محترمہ کا تیسرا رومانس ہے پہلے دو بوائے فرینڈز کو پنشن دے کر اب گوہر سے دوستی فرما رہی ہیں اور یہ کہ امریکن پکچرز دیکھ دیکھ کر یہ اسی قسم کے۔ ''گیلنٹ۔'' اور۔ ''ہینڈسم۔'' ہیروز پسند کرتی ہیں۔ جیسے ان فلموں میں دکھائے جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ پنشن یافتہ محبوب بھی اس معیار پر جب تک پورے اترے۔ ان سے فلرٹ کرتی رہیں۔ پھر کسی یونیورسٹی میچ میں گوہر کو کھیلتے دیکھ پایا' تو وہ ان کو زیادہ۔ ''ویشنگ۔'' لگا۔ نتیجتاً اسی پر فریفتہ ہو گئیں' گوہر ہی کی زبانی پتہ چلا کہ بہت امیر کبیر خاندان کی چشم و چراغ ہیں جس کی فیشن زدگی اور سوشل پن کی داستانیں اکثر لوگوں کی زبان پر ہیں۔ گوہر نے یہ بکواس بھی کی تھی کہ اب تم اپنی خیر مناؤ۔ تم مجھ سے زیادہ۔

''ہینڈسم۔'' اور۔ ''ایرٹیکنو'' ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو وہ تمہاری طرف نگاہ کرم کا رخ پھیر دیں۔ جس پر میں نے اسے خوب ڈانٹا تھا۔ لیکن گوہر کی پیشین گوئی پوری ہو کر رہی۔ اس دن کے بعد سے وہ اکثر مجھ سے ملنے لگیں۔ کالج گیٹ پر کار لئے مل جاتیں۔ لفٹ کی پیشکش کو میں ہمیشہ ٹھکراتا رہا۔ ویسے بھی میرے پاس سکوٹر ہے۔ مجھے ضرورت بھی نہ تھی۔ کبھی سینما میں' کسی دکان پر مڈبھیڑ ہو جاتی تو گوند کی طرح چپک جاتیں۔ جان ہی نہیں چھوڑتیں...... اب تک تو میں نے اس چیز کو ایک مذاق سے زیادہ اہمیت نہ دی تھی' لیکن اب یہ سالگرہ پر بلانے کا سن کر میں واقعی ڈر سا گیا ہوں۔ عجب مصیبت ہے۔ آخر کیا کیا جائے۔''

وہ کچھ سوچتے ہوئے خاموش ہو گئے۔ سیفو اندر سے یہ ساری' باتیں بغور سن رہی تھی۔ اب اس نے ذرا سا باہر جھانکا۔ رازی پریشان سے کھڑے تھے۔ شفاف پیشانی پر بھنورا سے سیاہ بالوں کی لٹیں آوارہ تھیں۔ گہری نسواری پینٹ کے ساتھ انہوں نے سبز ٹینس کالر والی قمیص پہن رکھی تھی۔ بازو کھلے تھے۔ اس معمولی سے لباس میں بھی ان کا ورزشی جسم اور تراشیدہ مسلز نمایاں تھے۔ سیفو بلا ارادہ سی دیر تک ادھر دیکھتی رہی اچانک رازی کی نظریں بھی اس طرف اٹھ گئیں۔ سیفو ان نگاہوں کے والہانہ انداز کی تاب نہ لاتے ہوئے جلدی سے ایک طرف ہٹ گئی۔ اس کا چہرہ تمتما اٹھا تھا اور دل کسی وحشی گھوڑے کی طرح قابو سے باہر ہو رہا تھا۔

''تو اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔'' کچھ دیر خاموش رہ کر جمال بولے۔ ''ہو آؤ گل مہر ولا۔ تمہارے کہنے کے مطابق وہ ایک لکھ پتی باپ کی بیٹی ہے۔ حسین بھی ہو گی۔ آج کل کے زمانے کے ساتھ چلنے والی بھی ہے۔ پھر سب سے بڑی بات کہ تم پر فریفتہ ہے۔ اور کیا چاہئے۔ لڑکے تو ایسی بیوی کے خواب دیکھتے ہیں۔ جو دولت مند' ماڈرن اور چنچل ہو۔''

وہ مسکرا رہے تھے۔ مگر لہجہ میں خفیف سا طنز بھی تھا۔

رازی نے جھکا ہوا سر وقار سے اٹھایا اور بھاری آواز میں بولے۔ ''بھائی جان آپ نے مجھے غلط سمجھا مجھے افسوس ہے آپ میرے متعلق ایسی رائے رکھتے ہیں۔ میں آج کل کے ان آوارہ مزاج نوجوانوں میں سے نہیں ہوں جو اس طرح کی چمکتی دمکتی

سٹریم لائنڈ سوسائٹی گرلز کے پیچھے دیوانے ہو جاتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو مجھے کس نے روکا تھا۔ آج اس گھر میں نیلم افتخار آ بھی چکی ہوتی۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ مجھے ایسی الٹرا ماڈرن لڑکیوں سے سخت نفرت ہے۔ میں تو اس کے بارہا اصرار کرنے پر آج تک اس کے گھر تک نہیں گیا۔ خود میں جو کچھ بھی ہوں۔ بیوی حیادار اور مشرقی صفات والی چاہوں گا۔ میرا خیال ہے۔ تقریباً ہر خوددار مرد کی پسند یہی ہوتی ہے۔

''میں تو تمہیں آزما رہا تھا رازی۔'' جمال محبت بھری مسکراہٹ سے بولے۔ ''ورنہ کیا تمہارے کردار کا مجھے علم نہیں...... مگر ان محترمہ نے کچھ ایسے دلار سے اس روز تمہارا نام لیا تھا کہ میں کچھ کھٹک سا گیا۔ خیر اللہ کا شکر ہے تم اس کے شکار نہ بن سکے ورنہ کچھ دنوں میں تم بھی پنشن پانے والوں کی صف میں نظر آتے۔ ایسی لڑکیوں کی پسندیدگی محض عارضی ہوتی ہے۔''

رازی قہقہہ لگا کر ہنس پڑے اور واپس اپنی جگہ جا کر کتاب سنبھال لی۔

سیفو کو یوں محسوس ہوا جیسے ایک بھاری بوجھ اس کے دل پر سے اتر گیا ہو لیکن ایسا کیوں تھا۔ اس کا وہ تجزیہ نہ کر سکی۔

شام کو نازیہ کے سر میں درد تھا۔ سیفو کمرے میں آئی تو وہ بولیں۔ ''میرے سر میں بڑا درد ہو رہا ہے۔ بہت ڈھونڈے پر بھی اسپرو کی گولی کہیں نہیں ملی۔ میرا خیال ہے رازی اکثر اس قسم کی دوائیں اپنے کمرے میں رکھا کرتے ہیں۔ ذرا جا کر ایک ٹکیہ اسپرو یا ساریڈان کی لے آؤ''......

سیفو تعمیل حکم کرنے رازی کے کمرے کی طرف چل دی۔ وہ اس سے پہلے کبھی ان کے کمرے میں نہ آئی تھی۔ جھجکتے ہوئے وہ اندر داخل ہوئی۔ رازی اس وقت کمرے میں نہیں تھے۔ ذرا سا جھانک کر جب سیفو کو تسلی ہو گئی تو وہ اطمینان سے کمرے کا جائزہ لینے لگی۔

چھوٹا سا کمرہ کافی دلکش انداز سے سجا ہوا تھا۔ سبز سادہ قالین پر بید کی بنی ہوئی دو تین کریم رنگ کی کرسیاں ادھر ادھر پڑی تھیں۔ دریچے پر سبز پھولدار پردے شام کی نرم ہوا سے ہلکورے لے رہے تھے۔ ایک طرف بڑی سی میز تھی جس پر کچھ لکھنے کا سامان تھا اور چند موٹی موٹی ڈاکٹری کی کتابیں پڑی تھیں۔

سامنے کی دیوار کے ساتھ پلنگ بچھا تھا۔ اس پر سفید کینڈل وک بیڈ کور اور زرد سنبل کے تکئے پڑے تھے۔ دائیں جانب اس کو الماری نظر آئی۔ شاید اسی میں دوائیاں رکھی ہوں یہ سوچ کر اس نے الماری کھولی اچانک وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گئی۔ خوف سے اس کا چہرہ سپید پڑ گیا۔ الماری میں مختلف سائز کی انسانی ہڈیاں رکھی تھیں جو ڈاکٹری کے طالب علموں کے پاس اکثر ہوتی ہیں۔ مگر سیفو نے ایسی چیزیں پہلے کبھی نہ دیکھی تھیں' اس کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ ڈر کے مارے الماری کا پٹ بند کرنے کی بھی اس میں ہمت نہ رہی تھی۔

اسی وقت ملحقہ باتھ روم سے تولئے سے منہ پونچھتے رازی برآمد ہوئے۔ سیفو کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

''ارے شاعرہ یونان۔ آپ یہاں کیسے۔'' انہوں نے چڑایا۔ مگر سیفو پر خوف اس درجہ سوار تھا کہ وہ اس کا جواب بھی نہ دے سکی۔ رازی نے شام کے بڑھتے ہوئے دھندلکے میں ذرا غور سے اس کے چہرے کو دیکھا تو اس کا اڑا ہوا رنگ دکھائی دیا۔ پھر کھلی ہوئی الماری میں سے جھانکتی ہوئی کھوپڑی' بازو اور ٹانگ کی لمبی لمبی ہڈیاں ان کو نظر آئیں تو وہ اس کے خوف کا باعث سمجھ گئے۔ تولیہ کندھے پر ڈال کر قریب آتے ہوئے انہوں نے الماری بند کر دی اور مسکرا کر سیفو کو دیکھنے لگے۔ ''ارے واہ...... اس میں ڈرنے کی کون سی بات تھی......'' وہ ہنسے۔ ''شام کے وقت یہ ہڈیاں واقعی ڈراؤنی لگتی ہیں۔ مگر دن کے وقت نہیں۔ تم نے پہلے ان کو کبھی نہیں دیکھا جو یوں سہم گئی تھیں؟''

سیفو اپنی بزدلی کے اظہار پر شرمندہ سی کھڑی تھی۔ اسے کوئی جواب نہ سوجھا۔

''یہ الماری کیوں کھولی تم نے...... چوری کرنے کا ارادہ تھا؟'' رازی نے مسکرا کر پوچھا۔

''اسپرو لینے کے لئے۔'' سیفو نے ہمت کر کے کہہ ہی ڈالا۔ ''آپا ناز یہ کے سر میں درد ہے۔ انہوں نے مانگی تھیں۔''

''اسپرو۔'' رازی نے کچھ مایوس ہو کر کہا۔ ''وہ تو میز کی دراز میں رکھی ہیں کتنی چاہئیں۔''...... رازی نے میز کے قریب جاتے ہوئے پوچھا۔

''تین چار دے دیجئے۔'' سیفو نے کہا۔ اب اس کے اوسان بحال ہو چکے

تھے اور وہ یہاں سے بھاگنے کی فکر میں تھی۔

راضی نے چار ٹکیوں کا پیکٹ لا کر اسے تھما دیا۔ ''اگر اسپرو نہ لینی ہوتی تب بھی تم اس کمرے میں آتیں؟۔'' انہوں نے دھیرے سے پوچھا۔

''نہیں......'' سیفو نے مختصر سا جواب دیا اور دھڑکتے دل کو سنبھالے دروازے کی طرف بڑھی۔ راضی عین درمیان میں کھڑے تھے ایک طرف ہٹ کر اسے راستہ دیتے ہوئے بولے۔ ''جاؤ۔ اب کوئی رکاوٹ نہیں۔'' سیفو جلدی سے باہر نکل گئی۔

راضی اسے حد نظر تک جاتا ہوا دیکھتے رہے۔ ایک ملول سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر کھیل رہی تھی۔ وہ پلنگ پر جا لیٹے۔ دونوں ہاتھوں کو سر کے نیچے رکھے وہ دیر تک چھت کو دیکھتے اور کچھ سوچتے رہے۔ عجیب سی سوچیں۔

سیفو گھبرائی ہوئی سی نازیہ کے پاس آئی۔ ''یہ لیجئے اسپرو۔ پانی لاؤں کیا؟۔''

نازیہ سر کے درد میں مبتلا تھیں۔ اس کے لہجے میں لرزش پر دھیان نہ دے سکیں۔

''ہاں تکلیف نہ ہو تو لے آؤ۔'' انہوں نے تکیہ لیتے ہوئے کہا۔

سیفو نے پانی لا کر نازیہ کو اسپرو کھلائی۔ اور پھر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اس کے دماغ میں طرح طرح کے خیالات آپس میں دست و گریبان تھے۔

وہ بہت عرصے سے راضی کے رویہ میں ایک غیر محسوس سی تبدیلی محسوس کر رہی تھی۔ ایک ایسی کایا پلٹ جس کا احساس صرف دل کو ہوتا ہے' اس میں رونما ہو رہی تھی۔ اس کی حرکات و سکنات' باتوں اور نگاہوں سے بہت پہلے اس نے سمجھ لیا تھا کہ اس کے دل کی کیا کیفیت ہے۔ وہ بڑی تیزی سے اس کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا لیکن وہ اس کے لئے اپنے دل کے دروازے بند کر چکی تھی۔ نہیں' اب یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ اس نے خود سے عہد کیا تھا کہ اپنے باپ کے وقار اور ان کے کئے ہوئے وعدوں کے احترام کی خاطر وہ کسی طرح بھی راضی کے جذبات کی پذیرائی نہیں کرے گی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بڑی بیدردی سے اس کے جذبات کو روند ڈالتی۔ تند و تلخ اور بعض اوقات بڑی میٹر آف فیکٹ باتیں کہہ کر اس کا دل توڑ دیتی۔ وہ اپنے پاؤں کی زنجیروں سے باخبر تھی۔ جانتی تھی کہ یہ کبھی نہیں ٹوٹ سکتیں۔ پھر خود کے ساتھ ایک دوسرے بے گناہ کو غلط فہمیوں میں

مبتلا کرنے کا کیا جواز تھا۔ اسے علم تھا کہ انوار کے ساتھ اس کے رشتہ کو پرنسپل صاحب اپنے ذاتی وقار کا سوال بنا چکے ہیں اور ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے وہ اپنے ارادے سے ہٹنے والے نہیں۔ ان کے اٹل فیصلے کو جانتے ہوئے وہ خود کو بھی اس کا پابند سمجھتی تھی۔ اور پھر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اسے محض ایک سال کی مہلت ملی ہوئی ہے' اس قلیل مدت میں اس کا ارادہ تعلیم مکمل کرنے کا تھا۔ اس کے بعد وہی ہو گا جو اس کے ابا چاہتے ہیں۔ اس صورت میں وہ کسی طرح بھی رازی کے جذبات کو شرف قبولیت نہ بخش سکتی تھی لیکن یہ اس کے دماغ کا فیصلہ تھا۔ جس پر وہ سختی سے کاربند بھی تھی۔ رہا دل...... تو اس میں ان تمام پابندیوں کے باوجود رازی اپنی پوری سحر طراز شخصیت کے ساتھ جلوہ گر تھا۔ قریباً ایک سال سے وہ اس خاموش جدوجہد میں مصروف تھی کہ اس بت کو اپنے نہاں خانہ دل سے نکال باہر کرے مگر فطرت کے خلاف اس کی یہ جنگ قطعی غیر مؤثر ثابت ہوئی تھی۔ جتنا وہ جھنجھلا جھنجھلا کر اسے پرے کرتی اتنا ہی وہ دل کی گہرائیوں میں سماتا جا رہا تھا۔ اور اب وہ بیدم ہو گئی تھی۔ اس کی وہ تند و تیز جدوجہد اب ذرا سست پڑ گئی تھی تاہم وہ اس کوشش سے دستبردار نہ ہوئی تھی۔

آخر وہ کیا کرتی۔ ایک دلکش اور وجیہہ صورت ہر وقت پیش نظر رہے تو کب تک نہ دل میں سمائے گی۔ یہ قانون قدرت ہے کہ مخالف طاقتیں ایک دوسرے کو کھینچتی ہیں اور وہ اس قانون سے مبرا نہ تھی۔ رازی اس کے خوابوں کی تعبیر تھا۔ وہ ہر دوشیزہ کے خوابوں کی تعبیر ہو سکتا تھا۔ لیکن ہر دوشیزہ اس کے معیار پر پوری نہ اتر سکتی تھی...... یہ شرف سیفو کو ہی حاصل تھا کہ وہ اس کے دل میں جلوہ فرما تھی۔......

✪......✪......✪

وقت اسی طرح گزرتا رہا۔ سیفو اپنے ہر اضطراب ہر مایوسی کا علاج پڑھائی میں ڈھونڈتی۔ اس طرح اسے مستقبل کا خیال زیادہ نہ ستاتا۔ وہ مستقبل جو اس کے لئے ایک خلش پیہم بن چکا تھا۔ اس کی عمر میں لڑکیاں سپنوں کے سنہرے جال بنتی ہیں۔ حسین مستقبل کے خوش آئند تصورات انہیں آغوش میں لئے رہتے ہیں لیکن یہ سب کچھ سیفو کے نصیب میں نہ تھا اس کی قسمت پر تو مہر لگ چکی تھی۔ اس کے لئے خوشیوں کے سب دروازے بند تھے۔

وہ خاموشی اور صبر سے قدرت کی طرف سے کسی اعانت کی منتظر تھی۔ گو نہ جانتی تھی کہ یہ اعانت اس کے مقدر میں ہے یا نہیں۔ وہ اکثر نہ چاہتے ہوئے بھی ان تکلیف دہ خیالوں میں گم ہو جاتی۔ یہ ایک سال گزر جانے کے بعد کیا ہوگا۔ اگر میری خواہش کے مطابق حالات نے کروٹ نہ لی تو کیا کروں گی؟

ادھر رازی تھا جس کے ساتھ دانستہ بے رخی برتنے اور مسلسل سرد مہری اختیار کرنے کے باوجود وہ اسے اپنے دل سے دور کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی تھی۔ وہ حسین ساحر اپنی پوری مردانہ دلکشی کے ساتھ اس کے دل میں سما گیا تھا۔ تقابل تھا بھی تو زبردست۔ ایک طرف انوار تھا' دوسری جانب رازی۔ ان دونوں میں زمین آسمان' دن رات' نور و ظلمت کا فرق تھا اور سیفو اندھی نہ تھی جو اس فرق کو نہ دیکھ سکتی۔ ایک ٹھگنے قد و قامت کا معمولی شکل کا مٹولا سا نوجوان تھا تو دوسرا دراز قد سرخ و سپید اور انتہائی جاذب نظر شخصیت کا مالک۔ پھر اخلاقی طور سے بھی دونوں ایک دوسرے کی مکمل ضد تھے۔ انوار منافق' خودغرض' دھوکہ باز اور گری ہوئی ذہنیت کا مالک تھا تو رازی عین اس کے برعکس جس نے گھر میں بے حد وسیع امکانات ہوتے ہوئے بھی کبھی ان مواقع سے

ناجائز فائدہ نہ اٹھایا تھا۔کبھی کوئی رکیک اور معیار سے گری ہوئی حرکت نہ کی تھی۔ بے ہودہ اشعار نہ پڑھے تھے۔فلمی مکالمے نہ بولے تھے اور اگر اس کی جگہ انوار ہوتا تو ضرور یہ سب کچھ کرتا۔ پھر نیلم افتخار کا معاملہ اسے یاد آتا۔ کس قدر ثابت قدمی اور بلند اخلاقی کا مظاہرہ کیا تھا رازی نے......وہ سوچتی اگر اس کی جگہ انوار ہوتا تو......

یہ ساری باتیں نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے دماغ میں رینگتی رہتیں اور وہ قسمت کی اس ستم ظریفی پر آنسو بہا کر رہ جاتی۔ کاش وہ یہاں نہ آئی ہوتی اگر آئی ہی تھی تو رازی یہاں نہ ہوتا......تو شاید وہ اپنی زبوں قسمت پر شاکر رہتی اور آہستہ آہستہ اپنے باغی دل کو بھی حالات کے ساتھ سمجھوتہ کر لینے پر مائل کر لیتی لیکن اب اس کی آنکھیں نور کو دیکھ چکی تھیں۔ وہ کیسے ظلمت کو پسند کرتیں۔ اس نے اخلاقی اور جسمانی لحاظ سے ایک نہایت ہی دلکش پیکر کو دیکھا تھا تو کیسے ایک ذلیل ذہنیت اور کم رو انسان اس کی آنکھوں میں سماتا۔

یہ سب کچھ تھا لیکن وہ اپنی خاندانی روایات پر آنچ نہ آنے دینا چاہتی تھی۔ اس کے باپ کی آن اس کی اپنی آن تھی۔ ان کے کئے ہوئے فیصلے خواہ وہ کیسے بھی ہوں ان کی لاج رکھنا اس کا فرض تھا۔ وہ ایک شریف خاندان کی سعادتمند لڑکی تھی۔ اپنی خودسری سے باپ اور خاندان کو رسوا کرنے سے مر جانا بہتر سمجھتی تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اپنی محبت کو وقار پر قربان کر دے گی۔ وہ اس کمزوری کے ہاتھوں بے بس نہیں ہو جائے گی بلکہ اس کا مقابلہ کرے گی اور واقعی اس ایک سال میں اس نے نہایت ہی آہنی عزم و ثبات کا مظاہرہ کیا تھا۔ گو رازی نے ایک حرف بھی اپنی محبت کے بارے میں آج تک نہ کہا تھا۔ تاہم اس کی نگاہوں کی وارفتگی، مسکراہٹ میں مچلتی ہوئی محبت ایسی نہ تھی جو سیفو کی نظروں سے اوجھل رہتی۔ وہ بڑے ہی مستحکم اور فیصلہ کن انداز سے آہستہ آہستہ اس کی جانب بڑھتا آ رہا تھا لیکن سیفو نے اپنے اور اس کے درمیان سرد مہری اور اجنبیت کی خودساختہ خلیج حائل کر دی تھی۔ جس آغاز کا انجام بہتر نہ ہو سکے اسے شروع ہی سے دبا دینا چاہئے۔ اپنی اور رازی کی محبت کا مآل اسے نظر آ رہا تھا۔ اس لئے وہ دانستہ اس جادوگر سے دور رہتی۔ اس کی محبت پاش نظروں سے اغماض برتتی' اس کے دل دھڑکا دینے والے جملوں کو نظرانداز کر دیتی......

لیکن رازی اس کی الجھنیں نہ جانتا تھا۔ اس کی دانست میں سیفو کی یہ روش حیاداری پر مبنی تھی۔ لڑکیاں قدرتی طور پر شرمیلی ہوتی ہیں۔ اور سیفو کچھ زیادہ ہی تھی۔ وہ اس کی گریزاں اداؤں اور بے رخی برتنے کو بھی انتہائی پیار سے دیکھتا اور اس کی شرم وحیا کو دل ہی دل میں پسند کرتا۔ سیفو سے اس کی وارفتگی میں ہر لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔

بہار کی ایک گلابی شام سیفو پڑھائی سے اکتا کر چمن میں نکل آئی۔ سارا ماحول بڑا رنگین ہو رہا تھا۔ پائیں باغ میں دھیمے قدموں سے وہ آہستہ آہستہ چلتی رہی۔ اس وقت باغ میں اس کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ حتیٰ کہ فرح اور توصیف بھی اپنے دوستوں سے کھیلنے کے لئے ساتھ والے بنگلے میں گئے ہوئے تھے۔ فضا پر عجیب سا رومان پرور سکوت طاری تھا۔ کسی کسی وقت کوئی بلبل اپنی پیاری سی آواز میں بول اٹھتی۔ یا سامنے والے امرود کے درخت پر سیاہ رنگ کی جھانبل سیٹیاں بجانے لگی۔

سیفو کے پاؤں کے نیچے گہری سبز گھاس بڑی ہی نرم اور خنک لگ رہی تھی۔ اوپر نارنجی آسمان پر طوطوں کے جھلڑ آپس میں باتیں کرتے جا رہے تھے۔ فضا میں بہار کے پھولوں کی میٹھی میٹھی خوشبو رچی تھی۔ جوہی اور مولسری کی کلیاں خوابیدہ سی نظر آ رہی تھیں۔

ماحول کے بے پناہ حسن سے مسحور سی ہو کر اس نے دھیمی آواز میں فیض کی کسی دلکش غزل کا مصرع گنگنانا شروع کر دیا۔ بہت عرصے کے بعد اس نے اپنی روح میں ایسی تازگی محسوس کی تھی۔ خود بخود ہی ایک پیاری سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر کھیلنے لگی۔

بہار کی تازہ ہوا میں گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے اچانک اس نے سگریٹ کی بو محسوس کی۔ وہ چونک پڑی۔ سگریٹ؟ تو یہاں اس وقت اس کے سوا کوئی اور بھی ہے؟ حیران ہو کر وہ کھڑی ادھر ادھر دیکھ ہی رہی تھی کہ دور رات کی رانی کے گھنیرے پیڑ کے پیچھے سے شیراز یوں نکلا جیسے کیوپڈ کی کمان سے سنہرا تیر...... سیاہ پینٹ اور میرون قمیص میں اس کا چہرہ گردن اور بازو چمک رہے تھے شام کی شفق رنگ روشنی میں نہایا ہوا وہ کوئی یونانی دیوتا لگ رہا تھا۔ سیفو کی نظریں اس پر گڑ کر رہ گئیں۔

سلگتا ہوا سگریٹ ہاتھ میں پکڑے وہ آہستہ سے اس کی جانب بڑھا سیفو کو جیسے ہوش آ گیا۔ اور وہ بے اختیار چند قدم پیچھے ہٹ گئی۔

''سیفو۔'' وہ دھیرے سے مسکرایا۔ ''اس حسین شام تم یہاں کیسے؟۔''
''کیوں کیا بڑی عجیب بات ہے یہ۔'' سیفو نے خود پر قابو پا کر نارمل لہجے میں کہا۔

''بالکل۔'' وہ ہنسا۔ ''اس لئے کہ اکثر تم اپنے کمرے میں ہی بند رہتی ہو۔ میں سمجھا شاید وقت اور موسم کا حسن تمہیں اپنی جانب متوجہ کرنے میں ناکام رہا ہے۔''
''میں ایسی تو کند ذہن اور کور ذوق نہیں ہوں۔'' سیفو نے آہستہ سے کہا۔
''بڑی خوشی کی بات ہے۔'' رازی نے گرمجوشی سے کہا۔ ''اچھا یہ تو بتاؤ تم مجھ سے اتنا کتراتی کیوں ہو۔ جیسے میں کوئی نجس چیز ہوں۔''
سیفو نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ ہلکے سے مسکرا دیا۔ ملول سی مسکراہٹ۔
''یہ آپ نے کیسے سمجھ لیا۔'' سیفو نے چہرہ دوسری طرف کرتے ہوئے کہا۔
''مثال دوں؟۔'' رازی نے ذرا جھک کر اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔
''اس روز جب بھائی جان کی طبیعت خراب تھی اور وہ تمہیں کالج چھوڑنے نہ جا سکتے تھے تو میں نے تمہیں ساتھ لے جانے کی پیش کش کی تھی...... یاد ہے؟ اور تم نے بڑی حقارت سے وہ پرخلوص پیش کش ٹھکرا دی تھی۔ کیا یہ کترانا نہیں...... مجھے سخت صدمہ ہوا تھا اس بات سے۔''
''لیکن آپ کو صدمہ کس وجہ سے ہوا۔'' سیفو نے قدرے بے رخی سے پوچھا۔ ''یہ کوئی ایسی اہم بات تو نہ تھی......۔''
''اچھا؟۔'' رازی نے سگریٹ سلگاتے ہوئے رک کر کہا۔ ''تمہارے نزدیک نہ ہو گی۔ لیکن ایک ایسے شخص کے لئے جو تمہیں زندگی بھر کے لئے ہمسفر بنانے کے خواب دیکھتا ہو اور اسے چند لمحات کے لئے بھی تمہاری رفاقت میسر نہ آ سکے۔ یہ واقعہ کافی تکلیف دہ ہے۔''
سیفو نے گھوم کر اسے دیکھا۔ رازی کے جذبات اس کے چہرے سے عیاں تھے۔ سیفو کو اپنا دل حلق میں دھڑکتا ہوا محسوس ہوا۔ آج پہلی بار وہ اپنے محبوب سے چاہت کا اظہار سن رہی تھی۔ ان الفاظ کی گرمی نے اس کے سارے وجود کا احاطہ کر لیا۔ خون اس کی رگوں میں آتش سیال کی طرح بے قرار ہو کر بھاگنے لگا تھا۔

وہ کچھ دیر یونہی گم سم سی کھڑی رہی۔ اس کے دل میں انجانی سی مسرت کے ساتھ ساتھ خوف کی لہر بھی دوڑ گئی تھی۔ اس چاہت کا انجام اسے معلوم تھا۔ پھر وہ کیوں رازی کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبے۔ کیوں اسے حسین امیدیں دلا کر مایوسیوں سے ہمکنار کرے' کیوں اس کا مستقبل تاریک کر دے۔ نہیں۔ وہ جذبات کے اس طوفان کو یہیں روک دے گی......

''آپ ایسی عجیب و غریب باتیں نہ سوچا کریں رازی بھائی۔ یہ مجھے پسند نہیں۔'' آخر وہ دل کی فریاد کو کچل کر عام سے لہجہ میں بولی۔

''یہ چیز میرے اختیار میں نہیں سیفو۔'' وہ والہانہ لہجے میں بولا۔ قریباً ایک سال سے چاہت کی جو چنگاری اس کے دل میں آہستہ آہستہ سلگ رہی تھی وہ یک لخت بھڑک کر شعلہ بن گئی۔ اس آگ میں اسے اپنا وجود بھسم ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''یہ میرے بس میں نہیں کہ تمہیں اپنے تصورات سے نکال باہر کروں اور اگر ایسا کر بھی سکوں تو میرے پاس پھر رہ ہی کیا جائے گا۔''

وہ کتنی صاف گوئی سے اپنے دلی جذبات سے اسے آگاہ کر رہا تھا۔ سیفو اسے روکنا چاہتی تھی۔ مگر پیار کی اس یلغار کے سامنے وہ خود کو بے بس پا رہی تھی۔ تاہم اس نے دل کڑا کر کے کہا۔ ''میرے بارے میں کچھ مت سوچئے۔ اس لئے کہ میں اور آپ تعلیم کا مقصد لے کر یہاں آئے ہیں۔ اس قسم کے جذبات کی ہماری زندگی میں کوئی گنجائش نہیں۔''

''لیکن یہ مقصد تو عارضی ہے۔'' رازی نے جلدی سے کہا۔ ''یہ چند سال تو رہے ایک طرف۔ میں تمام عمر تمہاری راہ دیکھ سکتا ہوں۔ تعلیم کا یہ عارضی دور ہمارے لئے سدِ راہ نہیں بن سکتا......'' اس کے امنگوں بھرے لہجے نے سیفو کو لرزا دیا۔ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا رہے تو اچھا ہے کہ میں تعلیم کو پورا کرنے کی خاطر اس کے جذبات کی پذیرائی نہیں کر رہی کیونکہ کئی بار ارادہ کرنے کے باوجود بھی وہ اسے انوار سے اپنی منگنی کے متعلق کچھ نہ بتا سکی تھی۔ کسی بہانے ہی سہی۔ وہ اپنے شوق کے بڑھتے ہوئے قدم روک لے تو بہتر ہے یہ سوچ کر وہ خاموش رہی۔ لیکن رازی کے سامنے امید کا چہرہ روشن ہو گیا تھا۔ وہ والہانہ پن سے بولا۔

''سیفو مجھے اتنا بتا دو کہ تمہاری زندگی میں میری گنجائش ہے یا نہیں؟ مجھے اقرار ہے کہ قریباً ایک سال سے اس خاموش آگ میں جل رہا ہوں لیکن تمہاری بے رخی کی وجہ سے اسے ظاہر کرنے کی ہمت نہ تھی۔ ڈرتا رہا کہ کہیں تم ناراض نہ ہو جاؤ۔ ایک مرتبہ اپنی زبان سے کہہ دو سیفو' کہ تم واقعی مجھ سے متنفر نہیں تا کہ اس تکلیف دہ خیال سے نجات پا جاؤں کہ تمہاری نگاہ میں میری کوئی وقعت نہیں ہے۔ بولو نا سیفو......''

سیفو خوفزدہ ہو گئی۔ رازی اس کے کمزور بہانے کا سہارا پا کر اس حد کو عبور کر رہا تھا جو اس نے اپنی سرد مہری اور بے رخی سے بڑی مشکل کے ساتھ قائم کی تھی۔ وہ اس سے اقرار محبت سننے کا متمنی تھا جس کے بعد شوق و شیفتگی کا اک جہان آباد ہو جاتا ہے۔ نہیں۔ وہ اسے اس حد تک نہیں بڑھنے دے گی۔ لیکن اگر وہ اس جادوگر کے سامنے دیر تک کھڑی رہی تو اس کے تمام عہد ٹوٹ جائیں گے۔ سب اصول باطل ہو جائیں گے۔ اور وہ اس کے سامنے جھک جانے پر مجبور ہو جائے گی۔ دماغ نے ڈانٹا بھاگ یہاں سے۔ ورنہ کمزوری کا یہ لمحہ تجھ پر غالب آ جائے گا۔ اور تو نے اپنے باپ کے ساتھ غداری نہ کرنے کا جو عہد کر رکھا ہے اس کی دھجیاں اڑ جائیں گی۔

اس نے ہونٹ چبا کر غصہ سے کہا۔ ''آپ تنگ نہ کریں رازی بھائی مجھے کچھ معلوم نہیں۔''...... اور امنڈتے ہوئے آنسوؤں کو چھپانے کی خاطر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے بھاگتی ہوئی اندر چلی گئی۔ رازی حیران سا کھڑا اسے دیکھتا رہ گیا۔ پھر وہ شکست خوردہ سا گھاس پر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر گہری سوچ تھی اور دلکش آنکھوں میں پہلی بار غم کے سائے لہرا رہے تھے۔

رازی کو اپنی 24 سالہ زندگی میں قدم قدم پر جنس مخالف کی اتنی بہت سی چاہت اور گراں بہا نوازشات سے سابقہ پڑا تھا کہ اس نے لاشعوری طور پر خود کو فاتح تصور کر لیا تھا اس کو پختہ یقین ہو گیا تھا کہ اگر وہ خود سے کبھی کسی لڑکی کی طرف مائل ہوا۔ تو وہ اس کی پرکشش شخصیت سے مسحور ہو کر اس کی جھولی میں آ گرے گی۔ اور یہ خیال کچھ ایسا غلط بھی نہ تھا۔ لیکن جب اس یقین کو دھکا لگا تو وہ بدحواس سا ہو گیا۔ یہ وار اتنا شدید تھا کہ وہ پاگل ہوا جا رہا تھا۔ اس نے غصے اور دکھ سے سوچا کیا وہ ساری لیڈی ڈاکٹرز' ہم جماعت لڑکیاں اور نوخیز نرسیں بے وقوف تھیں جنہوں نے اس کی ایک نگاہ

التفات کی خاطر سو سو جتن کیے۔ یا میں ہی اندھا تھا جو آج تک خود فریبی میں مبتلا رہا۔ اسے خود پر غصہ آ رہا تھا آج اس کی انا اور غرور مردانگی کو ایک لڑکی روندتی ہوئی گزر گئی تھی۔ اور یہ بات تو رہی ایک طرف اس نے کبھی یہ تک نہ سوچا تھا کہ کوئی لڑکی اس کے لئے ناقابل حصول بھی ہو سکتی ہے۔ اس کی اس سے بڑھ کر تذلیل اور کیا ہو سکتی تھی مگر لطف یہ تھا کہ وہ اس توہین کا بدلہ بھی تو نہ لے سکتا تھا۔ کوئی اپنی محبت سے بھی بدلہ لیا کرتا ہے؟

وہ جو آج تک دوسروں کی پرستش بھری نگاہیں اپنی جانب اٹھتی دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہوتا تھا۔ اور ان نظروں کی جانب سے بے نیازی برت کر خود کو بہت اونچا سمجھنے لگا تھا۔ آج ایک ہی ٹھوکر سے زمین پر آ رہا تھا اور سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ اسے زندگی میں پہلی بار بڑی ہی شدید' بڑی ہی وارفتہ اور بڑی ہی ہٹیلی محبت سیفو سے ہو گئی تھی۔ محبت کے اندھے جذبہ نے اسے دیوتا کی مسند سے اٹھا کر پجاری بنا ڈالا تھا۔ کتنی عجیب بات تھی یہ۔ وہ دیر تک بیٹھا خود سے الجھتا رہا۔



اس روز کالج سے واپسی پر رازی کو دیر ہو گئی۔ بھوک کے مارے اس کا برا حال تھا۔ پہلے ہمیشہ اس کے لیٹ ہو جانے پر نازیہ اس کے لئے کھانا ڈائننگ روم کی میز پر رکھوا دیا کرتی تھیں۔ آج گھر میں کچھ مہمانوں کے آ جانے سے انہیں یہ خیال نہ رہا۔

رازی پہلے تو حسب معمول ڈائننگ روم میں آئے لیکن وہاں میدان صاف تھا۔ پریشان سے ہو کر نازیہ کو ڈھونڈتے ہوئے ان کے کمرے میں آ گئے لیکن وہ کمرے میں نہیں تھیں، جمال بھی کسی میٹنگ وغیرہ کی وجہ سے ابھی تک نہ آئے تھے۔ البتہ سیفو کو شوفر کالج سے لے آیا تھا۔

''کدھر ہیں بھابی آپ۔'' اس نے ذرا بلند آواز سے پکارا۔ مگر نازیہ ڈائننگ روم میں مہمان خواتین کے پاس بیٹھی تھیں۔ ان تک آواز نہ پہنچ سکی۔ البتہ فرح بھاگتی ہوئی اندر آئی۔ ''چچا جان آپ آ گئے۔'' اس نے رازی سے لپٹتے ہوئے کہا۔ ''اتنی دیر کیوں لگائی آج۔''

''اپنی امی کو بلاؤ فرح۔'' رازی نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اچھا ابھی بلاتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ باہر بھاگ گئی۔

رازی بھوک اور غصے کے مارے بے تاب ہو کر کمرے میں ٹہل رہے تھے کہ نازیہ آ گئیں۔

''آ گئے رازی تم۔'' وہ ہنس کر بولیں۔ ''اور میں آج تمہارا کھانا رکھنا بھول ہی گئی۔ آپا کو بھی کہنا یاد نہ رہا۔ بیگم سراج آئی ہوئی تھیں انہیں کے پاس بیٹھی رہی۔ اچھا میں ابھی کچھ کھانے کی چیزیں بھیجتی ہوں، تم بیٹھو۔'' یہ کہہ کر وہ واپس چلی گئیں۔

رازی کمرے میں ایک جانب پڑے ہوئے پلنگ پر لیٹ گئے۔

چند منٹ بعد کھانے کی ٹرے اٹھائے ہوئے سیفو اندر آئی اور ایک طرف رکھی ہوئی میز پر سب چیزیں سجا دیں۔ اس نے جھجکتے ہوئے رازی کو دیکھا اور دھیرے سے بولی۔ ''یہ آپا نازیہ نے کچھ سموسے' کباب اور پھل بھیجے ہیں۔ اگر آپ کو کچھ اور چاہئے ہو تو بتا دیں۔''

رازی اٹھ کر بیٹھ گئے تھے۔ ''ہاں چاہئے۔'' انہوں نے اپنے پریشان بالوں کو پیشانی سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

''کیا۔'' سیفو واپس جاتے ہوئے مڑی۔

''فقط تم......'' رازی نے والہانہ پن سے کہا۔ ''مجھے تمہاری ضرورت ہے سیفو اور تم نے ادھر کئی دن سے مجھے اپنی شکل تک نہیں دکھائی۔ ایسی کڑی سزا نہ دیا کرو مجھے۔''

وہ اٹھ کر اس کے قریب آ گئے۔ سیفو بے اختیار چند قدم پیچھے ہٹ گئی۔ وہ اتنا ہی آگے بڑھے...... سیفو پریشان سی ہو کر ہونٹ کاٹنے لگی۔

''کیوں کیا بہت ذلیل انسان ہوں میں۔'' رازی نے قدرے تلخی سے کہا اتنی شدید نفرت ہے مجھ سے کہ میرے وجود سے بھی بیزار ہو......''

''مجھے جانے دیجئے رازی بھائی......'' سیفو نے پریشان ہو کر ذرا تندی سے کہا۔ ''میں نے آپ سے اس دن کہہ دیا تھا کہ ہمارے راستے الگ الگ ہیں۔''

''مگر کیوں...... کیا وجہ ہے۔'' رازی نے ایک ضدی بچے کی طرح مچل کر کہا۔

''ضروری نہیں کہ ہر بات کی کوئی وجہ ہو۔'' سیفو نے سخت لہجے میں آہستہ سے کہا۔ ''آپ ذرا اپنی حدود میں رہا کیجئے۔ کیا آپ کو میری بدنامی کا بھی خیال نہیں؟۔''

''لیکن میں تو تمہاری عزت کو اپنی عزت سمجھتا ہوں۔'' رازی نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے آج تک اسی خیال سے اس راز کو سینے کے اندر محفوظ رکھا کہ تم پر کوئی حرف نہ آئے۔ اور ہمیشہ اس چیز کا خیال رکھوں گا۔ یہ تم نے کیسے جانا کہ میں تمہیں بدنام کر رہا ہوں۔''

''اگر آپ واقعی ایسا سمجھتے ہیں۔'' سیفو نے سنجیدگی سے کہا۔ ''تو میری راہ میں

نہ آیا کیجئے۔ میں اپنے بارے میں نازیہ آپا اور جمال بھائی کی رائے خراب نہیں کرنا چاہتی۔''

''بہت اچھا...... لیکن مجھے تم ایک بار اطمینان دلا دو تو میری زبان سے کبھی کوئی حرف نہ نکلے گا۔ یہ مایوسی ہے جو مجھے بار بار سر ٹکرانے پر اکساتی ہے۔''

''میں کسی قسم کا اطمینان آپ کو نہیں دلا سکتی۔'' سیفو نے زخمی دل کی آواز دباتے ہوئے کہا۔ ''آپ یہ خیال دل سے نکال دیں۔'' ...... اور وہ دروازے کی طرف بڑھی۔

''کیسے نکال دوں......'' رازی نے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپالیا۔

''یہ میرے بس میں نہیں۔'' ...... انہوں نے جیسے کراہ کر کہا۔

سیفو آنسو چھپاتی کمرے سے نکل گئی۔ زندگی کتنی ناقابل برداشت بن گئی تھی۔ وہ کہاں تک یہ تکلیف سہے۔ کیا کرے۔

سالانہ امتحان سر پر آ گئے تھے۔ رازی اور سیفو سب کچھ وقتی طور پر بھول کر پڑھائی میں مصروف رہنے لگے۔ اس دن کے بعد رازی نے پھر سیفو سے کوئی بات نہ کی تھی۔ وہ بھی ہمہ وقت پڑھائی میں جتی رہتی۔

کالج میں جگہ جگہ لڑکیاں کتابیں ہاتھ میں لئے پڑھتی نظر آتیں۔ فکر کے مارے ان کا برا حال تھا لیکن ان میں سے بھی کئی ایسی تھیں جو ہر قسم کی فکر سے بے نیاز ہنستی کھیلتی پھرتی تھیں۔ جن کے نزدیک فیل ہو جانے میں بھی کافی چارم تھا اور کچھ نہیں تو بے فکری کا ایک آدھ سال مزید مل جاتا تھا۔

امتحانات ہوئے۔ رزلٹ نکلا' سیفو اور اس کی کلاس کی تقریباً ساری لڑکیاں پاس ہو کر سیکنڈ ایئر میں آ گئیں۔ جمال اور نازیہ نے سیفو کی چیدہ چیدہ سہیلیوں کو اس موقع پر پارٹی دی۔

رازی بھی فرسٹ ڈویژن میں پاس ہو گئے تھے۔ دوستوں کے اصرار پر انہیں چائے پلانی پڑی۔ اس وقت ان کے عزیز دوست گوہر جیلانی' اشرف' وصال الدین

محسن اور قیصر، جمال کے پائیں باغ میں جمع ہیں۔ چائے کے ساتھ قہقہے لگ رہے ہیں۔ باتیں ہو رہی ہیں۔ سب نے ایک دوسرے کو پاس ہونے کی مبارکباد دی اور مستقبل کے بارے میں مشورے کیے جانے لگے۔ جمال کو ایک جگہ ضروری کام سے جانا تھا۔ چائے پینے کے بعد وہ معذرت کر کے چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد ادب ولحاظ کا مصنوعی نقاب اتر گیا اور محفل میں مزید بے تکلفی آ گئی۔

''رازی۔'' محسن نے پاس آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''یار تو فوج میں کیوں نہیں چلا جاتا...... بڑے موزوں ہو اس لائن کے لیے۔''

''کیوں غریب کی مٹی پلید کرواتے ہو۔'' قیصر نے رس گلے کھاتے ہوئے کہا۔ ''سارا دن پریڈ کرا کرا کے بھرکس نکال دیں گے۔ اچھے بھلے شیراز منصور کا حلیہ بگڑ جائے گا۔''

''اور پھر جسے کوئی اور لائن نہ ملے وہ جائے فوج میں۔'' اشرف نے ناک چڑھا کر کہا۔ ''رازی کو تو سول میں ہی فرسٹ کلاس ملازمت مل جائے گی۔''

''خیر یہ بات تو غلط ہے۔ کہ جسے کوئی اور ملازمت نہ ملے وہی فوج میں جاتا ہے۔'' رازی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں سمجھتا ہوں کہ فوج، ملک کے محنتی، قابل اور جفاکش ترین انسانوں کی تنظیم ہے۔ سول میں جو بدعنوانیاں ہوتی ہیں، وہ فوج میں کہیں نظر نہیں آتیں۔ رہی پریڈ وغیرہ تو میں اسے باعث فخر سمجھتا ہوں۔ جفاکشی مردانگی کا طرۂ امتیاز ہے۔ لیکن......''

''تو پھر چلے کیوں نہیں جاتے فوج میں۔'' وصال الدین نے چائے کی پیالی تھامے پاس آتے ہوئے کہا۔

''بھئی ابا جان نہیں جانے دیتے۔ کیا کروں۔'' رازی نے مجبوری سی صورت بنائی۔ ''ورنہ میں اس لائن کو بے حد پسند کرتا ہوں۔''

''اس ذکر کو چھوڑو اب۔'' قیصر نے اکتا کر کہا۔ ''کوئی اور بات کرو۔''

''مثلاً ذکر یار کی بات؟'' محسن نے شرارت سے کہا۔

''ارے ہاں خوب یاد آیا۔'' گوہر ہڑبڑا کر بولے۔ ''رازی، وہ نیلم افتخار کے

ساتھ تیرا رومان آج کل کن مراحل پر ہے۔''

''بھئی خوب اونچی جگہ ہاتھ مارا صاحبزادے!'' وصال نے آنکھ میچ کر کہا۔ ''بڑی دولت مند لڑکی ہے۔ اور پھر حسین اور فیشن ایبل بھی...... بڑے قسمت والے ہو کہ ایسی جگہ رسائی ہوگئی۔ ایک ہم ہیں کہ جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں۔''

رازی ہنسنے لگے۔ ''اگر چاہو تو میں تمہارے حق میں دستبردار ہونے کو تیار ہوں۔''

''قسم خدا کی؟'' وصال نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔ ''لا ہاتھ یار۔ واللہ دل خوش کر دیا تو نے۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہمیں اور کیا چاہئے۔''

''تم اچھی طرح اس کے بارے میں جانتے نہیں اسی وجہ سے اس قدر جوش و خروش کا اظہار کر رہے ہو۔''

گوہر نے کہا۔ ''تمہیں معلوم نہیں کہ وہ ایک ہرجائی لڑکی ہے۔''

''ہرجائی ہونا تو حسینوں کی صفت ہے۔'' قیصر بولے۔ ''یہ اور بات ہے کہ اس سے دل کو تکلیف پہنچتی ہے۔''

''جو لوگ ذرا ضمیر وغیرہ کی بندشوں سے آزاد ہوں انہیں یہ ہرجائی پن بھی زیادہ نہیں کھلتا۔''...... رازی نے مسکرا کر کہا۔

''معلوم ہوتا ہے آپ اسی زمرے میں آتے ہیں۔'' محسن نے ملامت آمیز انداز سے کہا۔

''شاید تم نہیں جانتے کہ میں اسے پسند نہیں کرتا۔'' رازی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''اسی گوہر سے پوچھ لو کتنی بار اس نے مجھے اس کے گھر دیکھا ہے یا۔ مجھے اس کے ناز اٹھاتے پایا ہے؟''

''بھئی یہ تو صحیح ہے۔'' گوہر نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ ''میں نے واقعی اسے بہت کم اس کے ہمراہ دیکھا ہے اور وہ بھی سیر وغیرہ پر جاتے ہوئے نہیں بلکہ کسی دکان یا سینما میں...... اور میں اکثر اسی بات پر حیران بھی ہوا ہوں۔''

''اور ایسی سرِراہ ملاقاتیں کسی سے بھی ہو سکتی ہیں۔'' قیصر نے تائید کی۔ ''ان

میں کوئی خصوصیت نہیں ہوتی۔''

''اگر تم لوگ میرے دوست ہوتے ہوئے بھی میرے متعلق نہیں جانتے تو میں تمہیں خود بتاتا ہوں کہ ایسی لڑکیاں مجھے نہیں لبھا سکتیں۔'' رازی نے کہا۔

''جانتے ہیں بھائی۔'' وصالی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم ہر لڑکی سے دور کیوں بھاگتے ہو...... ابھی اس روز سسٹر آئرس نے جس ادا سے بل کھا کر تمہیں پکارا تھا۔ اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو وہیں انتقال فرما جاتا۔ ارے وہ تو چلنے میں بھی ٹوئسٹ کرتی جاتی ہے...... کیا غضب کی چال ہے۔''

''بنتے ہیں یہ حضرت اور کچھ نہیں۔'' اشرف نے بڑے مفکرانہ انداز سے کہا۔ ''ورنہ یہ کوئی ماننے کی بات ہے کہ ان کو کوئی لڑکی نہ پسند آئے۔ آخر سبھی تو ہرجائی' فیشن زدہ اور شوخ نہیں ہوتیں' کوئی تو انہیں بھی پسند آنی چاہئے۔''

''اور خصوصاً ان حسین لڑکیوں کی اکثریت ان کے آگے پیچھے پھرتی ہے۔ ایسے ماحول میں تو فرشتے بھی ثابت قدم نہیں رہ سکتے۔'' محسن نے کہا۔

''تم جیسے فرشتے۔'' رازی مسکرائے۔ ''اور میں نے کب دعویٰ کیا ہے کہ میں فرشتہ ہوں۔ ارے بھائی میں بھی تم جیسا انسان ہوں۔ صرف میرے اور تمہارے نقطہ نظر میں فرق ہے۔''

''تمہارے دماغ میں فرق آ گیا ہے اور کچھ نہیں۔'' وصال نے جھنجھلا کر کہا۔ ''ارے راجہ اندر! اس موقع سے فائدہ اٹھا لو۔ ورنہ بوڑھے ہو گئے تو کوئی بدشکل سے بدشکل لڑکی بھی تم سے شادی پر راضی نہ ہو گی۔''

''تم سے فریاد کرنے نہیں جاؤں گا۔'' رازی نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''خاطر جمع رکھو۔''

''ایک لطیفہ سناؤں رازی۔'' قیصر پاس آتے ہوئے بولے۔ ''اگلے روز یہ اشرف صاحب اپنی منظور نظر مس روبینہ سے پٹ گئے تھے۔''

''قسم خدا کی؟'' محسن نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ ''ملاؤ ہاتھ۔ یار اشرف اب تو تم باقاعدہ مجنوں کے جانشین بن گئے۔ یہ فخر کیسے حاصل ہوا؟''

''ارے یہ عشق کی باتیں ہیں نادان۔'' اشرف نے جھوم کر کہا......۔ ''پٹ بھی گئے تو کیا۔ اس کوچے میں یہی کچھ ہوتا ہے۔ سنا نہیں مرزا غالب فرما گئے ہیں ؎

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا

''اس میں ذرا سی ترمیم ہونی چاہئے۔'' قیصر نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''گالیاں کی بجائے۔ ''جوتیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا۔'' کہو۔''

''جواب نہیں تمہاری بے غیرتی کا بھی۔'' وصال نے کہا۔ ''یعنی ایک معمولی نرس سے پٹ گئے؟۔''

''معمولی؟۔'' اشرف نے تیوری چڑھائی۔ ''تم اسے معمولی کہتے ہو؟ اتنی توہین نہ کرو میری......وہ تو وینس ہے' ہیلن ثانی ہے نور جہاں' پدمنی سب کچھ ہے۔''

''سبحان اللہ......۔'' رازی بولے۔ ''اور کبھی اس کی بھینگی آنکھوں پر بھی دھیان دیا آپ نے؟۔''

''بھینگی نہیں ترچھی نظروں سے دیکھتی ہے وہ۔'' اشرف نے تصریح کی۔ ''اور پھر یہ بھی تو دیکھو کہ نیلم کی طرح نیلی آنکھیں ہیں اس کی۔''

''اکثر غیر ملکیوں کی ایسی ہی آنکھیں ہوتی ہیں۔'' وصال نے لاپروائی سے کہا۔

''مگر اس کی آنکھیں......واللہ جواب نہیں ان کا۔'' اشرف نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ''نشہ سا چھا جاتا ہے۔''

''شاید اسی نشے کے زیر اثر آج آٹھویں سال تم ڈاکٹری پاس کر رہے ہو۔'' گوہر نے مسکرا کر کہا۔

''کیا ہوا۔ پاس تو کر لی نا......۔'' اشرف نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

وصال الدین ایک طرف کھڑے بھنی ہوئی دال پھانک رہے تھے۔ قیصر پاس جا کر بڑی رازداری سے بولے۔ ''یار تم نے سکوٹر کب خریدنا ہے۔ ہم اسی انتظار میں سوکھتے چلے جا رہے ہیں۔''

''کیوں سکوٹر ان کا اور سوکھ آپ رہے ہیں؟ یہ کس تقریب میں؟'' محسن نے کان کھڑے کرتے ہوئے کہا۔

''وہ اس لئے کہ آغا عزیز کے سکوٹر کی عقبی سیٹ ہمارے لئے ریزرو ہو گی۔'' قیصر نے سمجھایا۔

''ابا جان پیسے ہی نہیں بھجواتے۔'' وصال نے بیزار سا منہ بنا کر کہا۔ ''ورنہ کب کا خرید چکا ہوتا۔''

''ارے خان بہادر کمال الدین کیا اتنے کنجوس ہو گئے کہ صرف ڈھائی تین ہزار کی قلیل رقم نہیں بھجوا سکتے؟'' محسن نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

''یار یہ بتاؤ۔ ماڈل کون سا لو گے؟ رازی والا یا کوئی دوسرا؟'' گوہر نے پوچھا۔

''خدا کے لئے تم میرا جی نہ جلاؤ۔ ابا جان نے نہ روپیہ بھیجنا ہے نہ میں سکوٹر لے سکوں گا۔'' وصال نے اداسی سے کہا۔ ''سب کے پاس ہیں' ایک ہم ہی ایسے پھرتے ہیں۔''

''اچھا پیارے بھائی روؤ مت۔'' اشرف نے چمکارتے ہوئے کہا۔ ''ہم تمہارے لئے کالج میں چندہ کی مہم چلائیں گے۔''

''کریک ہو بالکل۔'' وصال کو ہنسی آ گئی۔

''لیجئے ایک تو اتنا بڑا کام کر رہے ہیں آپ کا۔ اور خاطر یہ ہوئی۔ واللہ بڑے ہی احسان فراموش ہو۔'' اشرف نے منہ بنایا۔

''اچھا یعنی احسان کا ارادہ ہی گویا احسان ہو گیا......رازی نے مسکرا کر کہا۔

اب شام کافی گہری ہو گئی تھی۔ خاصی دیر تک یہ لوگ باتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد سب دوستوں کے رخصت ہو جانے پر رازی بھی اندر چل دیئے۔ برآمدے میں ان کی مڈبھیڑ سیفو سے ہوئی وہ ٹھٹھک سے گئے۔ سیفو کے پاس ہونے پر انہوں نے بڑی گرمجوشی سے اسے مبارکباد دی تھی۔ اب انہیں انتظار تھا کہ شاید وہ بھی کوئی لفظ کہے۔ مگر وہ خاموش رہی۔

''مجھے مبارکباد نہ دو گی سیفو؟۔'' آخر اس نے کہا۔ ''میری کامیابی پر تم خوش نہیں ہوئیں؟۔''

''آپ کو یہ کامیابی مبارک ہو۔'' سیفو نے سر جھکائے جھکائے کہا اور جلدی سے اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ وہ بات چیت کا سلسلہ دراز نہیں کرنا چاہتی تھی۔

رازی بھی اداس ہو کر اپنے کمرے میں چلے آئے۔ زبردستی مبارکباد لینے سے کیا خوشی ہوتی۔ الٹا طبیعت بوجھل ہو گئی تھی۔ سیفو کے ناقابل فہم رویے سے ان کا دل ٹوٹ چکا تھا۔ اب یوں لگتا تھا جیسے سیفو کو حاصل کئے بنا یہ سب کچھ بیکار ہے۔ زندگی کی ننھی منی خوشیاں، کامیابیاں، ہمکتی ہوئی مسرتیں...... یہ سب بیکار تھیں۔ وہ پلنگ پر جا کر یوں لیٹ گئے جیسے امتحان میں کامیاب نہیں ناکام ہوئے ہوں......



چند ماہ اور گزر گئے ...... سیفو کے رویئے میں کوئی تبدیلی نہ آئی تھی۔ البتہ رازی پر اس گھٹن اور اذیت دہ خاموشی کا یہ اثر ہوا تھا کہ وہ جھنجھلایا سا رہتا۔ اپنی پہلی محبت کی ناکامی اس سے برداشت نہ ہو رہی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے دماغ میں باغیانہ خیالات پرورش پاتے جا رہے تھے۔ سیفو کی بدنامی کے خوف سے وہ اس سے اب فالتو بات چیت بھی نہ کرتا تھا۔ جتنا وہ کھنچتی اتنا اس کے والہانہ پن میں اضافہ ہوتا۔ شاید اکثر مردوں کی یہی فطرت ہوتی ہے۔ آسانی سے ہاتھ آ جانے والی چیز سے بے توجہی برتتے ہیں اور جس کے بارے میں علم ہو جائے کہ ناقابل حصول ہے۔ اس کے پیچھے پوری جذباتی شدت سے بھاگتے ہیں۔

وہ اکثر سوچتا قدرت نے میری گزشتہ لاپروائیوں کا بدلہ سیفو کی شکل میں لیا ہے۔ مجھے میرے غرور کی سزا مل رہی ہے۔ رازی کی قلبی اور ذہنی حالت اس قسم کی ہو چکی تھی کہ اگر اس کے کردار کی بنیادیں مضبوطی سے استوار نہ ہوتیں تو وہ برائی کی طرف مائل ہو جاتا۔ وہ لڑکھڑایا تو نہیں۔ البتہ اس کی محبت میں مزید شدت اور منہ زوری پیدا ہو گئی۔

ایک روز جمال کو دفتر میں دیر ہو گئی۔ اور انہوں نے کہلا بھیجا کہ ضروری میٹنگ ہے۔ رات کو آؤں گا۔ خدیجہ بیگم بھی دو روز پیشتر سرگودھا چلی گئی تھیں۔ نازیہ کو اپنی ایک بہت ہی عزیز سہیلی کے بچے کی پہلی سالگرہ پر جانا تھا۔ انہوں نے بہت اصرار کیا کہ سیفو بھی چلے۔ لیکن اس نے بغیر مدعو ہوئے جانا مناسب نہ سمجھا اور ٹال گئی۔ آخر وہ بچوں کو ہمراہ لے کر چلی گئیں۔ اب گھر میں صرف سیفو اور آیا تھیں۔

سیفو اپنے کمرے میں آ گئی۔ باہر آسمان پر بادل گھر آئے تھے۔ اور قرائن

سے لگتا تھا کہ بارش ضرور ہو گی۔ آپا بچوں والے کمرے میں ڈھیر سارے کپڑے رکھے انہیں استری کرنے میں مصروف تھی۔

اب ہلکی ہلکی بوندا باندی ہونے لگی تھی۔ کھڑکی کے راستے آنے والی ہوا سرد تھی۔ لہٰذا سیفو نے اس کا پٹ بند کر دیا اور بلی کی طرح گدگدے صوفے میں دبک کر ناول پڑھنے لگی۔

کالج سے واپسی پر رازی سب کمروں میں جھانکتے ہوئے سیفو کے کمرے میں آ گئے۔

''کدھر گئے سب لوگ؟'' انہوں نے حیران سا ہو کر پوچھا۔

''کیا کہیں ہجرت کر گئے؟''

سیفو کا دل انہیں دیکھ کر دھڑکنے لگا تھا۔ وہ بولی ''آپا نازیہ! تو بچوں سمیت بیگم حق کے ہاں بچے کی سالگرہ پر گئی ہیں اور بھائی جان نے کہلا بھیجا ہے کہ میٹنگ کی وجہ سے رات کو آؤں گا۔''

رازی اسے غور سے دیکھ رہے تھے۔ وہ اس وقت فاختی ریشمی شلوار اور دوپٹے کے ساتھ ہلکے لیمن کلر کی پرنٹڈ قمیض پہنے تھی۔ جس کے نیچے اس کی سفید جلد شعلہ کی طرح فروزاں تھی۔ چسٹ نٹ بالوں کی دو پست قد چوٹیاں چہرے کے گرد ہالہ بنائے تھیں۔ بالوں میں صبح کنگھی کی گئی ہو گی۔ لہٰذا اب وہ کچھ بے ترتیب سے ہو رہے تھے۔ کچھ لٹیں کانوں کے پاس جھول رہی تھیں تو کچھ گردن پر آن پڑی تھیں۔ اس کی سبزی مائل سنہری آنکھوں میں عجیب سا غیر ارضی حسن تھا۔ وہ اس وقت بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ رازی کی نگاہوں کی گرمی کی تاب نہ لاتے ہوئے اس نے نظریں جھکا لیں۔ وہ تنہائی میں اس کے جادوگر وجود سے کچھ خائف ہو گئی تھی۔

''آج پھر ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں سیفو! اجازت ہے؟'' رازی نے بھاری آواز میں کہا۔

سیفو کا دل بے طرح دھڑک رہا تھا۔ رخسار گلابی ہو گئے تھے اس نے دقت سے کہا۔

''کہیے......''

''تم مجھ سے ڈرتی ہو......؟'' رازی نے کھڑے کھڑے پوچھا۔
سیفو نے نفی میں سر ہلا دیا لیکن بولی کچھ نہیں۔ اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔
''اچھا تو میں تمہیں برا لگتا ہوں۔'' رازی کے لہجے میں خفیف سی لرزش تھی۔
''نہیں تو......'' بے ساختہ سیفو کے منہ سے نکلا۔
''تو پھر یہ معمہ کیا ہے؟'' رازی نے جھنجلا کر کہا۔
''تم نہ پسند کرتی ہو مجھے' نہ ناپسند' نہ مجھے خود سے محبت ہی کرنے کی اجازت دیتی ہو' نہ کچھ کہنے سننے کی نوبت آنے دیتی ہو۔ آخر کیوں......سیفو! اگر مجھ میں کسی قسم کی خامی ہے جو تمہیں کھٹکتی ہو تو خدارا بلا کم و کاست بتا دو۔ میں خود کو تمہارے قابل بنانے کے لیے سب کچھ کروں گا لیکن یہ بے رخی چھوڑ دو۔ خدا کے لیے میرے جذبات کی توہین نہ کرو سیفو!......''

رازی جذبات کی شدت سے سرخ ہو رہے تھے۔ پسینے کی ننھی ننھی بوندیں ان کی شفاف پیشانی پر ابھر آئی تھیں۔ سیفو شل سی ہو کر بیٹھی رہی۔ یہ بتانے کی اس میں ہمت نہ رہی تھی کہ انوار سے اس کی منگنی ہو چکی ہے۔ کیونکہ رازی کے جذبات کی شدت کا جو حال تھا۔ اس کے پیش نظر یہ عین ممکن تھا وہ کہہ بیٹھتے کہ یہ منگنی تڑوا دو اور میری بن جاؤ......اور سیفو اس قسم کا قدم اٹھانے سے مر جانا بہتر سمجھتی تھی۔

وہ اس وقت خود کو بے حد لاچار اور مجبور پا رہی تھی۔ اس کے دل کا تقاضا یہ تھا کہ ان کے جذبات کی پذیرائی کرے۔ ان کے آگے سرنگوں ہو جائے۔ اس کا رواں رواں زبان حال سے پکار کر کہہ رہا تھا کہ تم رازی کی ہو۔ اس کے سوا کسی اور کی نہیں۔ تمہارا جسم نہ سہی' روح اور دل مکمل طور پر ان کے قبضہ میں ہیں۔ مگر اپنے پاؤں میں پڑی ہوئی بیڑیوں کے پیش نظر وہ مجبور تھی کہ رازی کے جذبات کی پذیرائی نہ کرے۔ اس کے دل و دماغ میں شدید کشمکش جاری تھی۔ ایک طرف دل کہتا اپنی ہٹ چھوڑ دو۔ دیکھو وہ تم سے کتنی محبت کرتا ہے۔ اور یہ وہ شخص ہے جس کی محبت حاصل کرنے کی کئی ایک نے کوشش کی مگر نہ حاصل کر سکیں۔ تمہاری خوش قسمتی میں کلام نہیں کہ یہ از خود تمہارے قدموں پر جھک رہا ہے۔ اور تم کتنی بدنصیب ہو کہ اس کی محبت کو رد کر رہی ہو۔ یہ موقع بڑا زریں ہے۔ یہ لمحہ بڑا انمول ہے۔ ایک دفعہ گزر گیا تو کبھی واپس نہیں آئے گا۔ اور تم

ساری عمر قسمت کو روتی رہو گی۔ اسے پکڑ لو جانے نہ دو۔

دوسری جانب دماغ خبردار کرتا کہ ایسی کمزوری ہرگز نہ دکھانا۔ یہ صحیح کہ تم دونوں ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو۔ مگر اپنے باپ کے کئے پر پانی نہ پھیرنا۔ تم جانتی ہو وہ کبھی انوار کو چھوڑ کر رازی سے تمہاری شادی نہ کریں گے۔ دنیا بدل جائے۔ مگر ایسا ہونا ناممکن ہے۔ یہ ہٹ ہی سہی مگر اس ضد کی لاج رکھنا تمہارا فرض ہے۔ ان کی بات کو ہیٹا نہ ہونے دو۔ وہ ساری عمر سربلند رہے ہیں۔ دیکھنا اپنی خودغرضی میں کہیں ان کے ضعیف دل کو ٹھیس نہ پہنچانا۔

اندرونی کشمکش سے سیفو کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا۔ ایک جا رہا تھا۔ وہ پتھر کے بت کی مانند بے حس و حرکت بیٹھی خلا میں تک رہی تھی۔ رازی متفکر اور پریشان کھڑے اس کی صورت دیکھ رہے تھے۔ آخر سیفو نے آنکھیں بند کر کے صوفے کی پشت کے ساتھ سر ٹکا دیا۔ اس کی زخمی محبت فرض کے آہنی بوجھ تلے پھڑ پھڑا رہی تھی۔ لیکن اس نے اس کی کراہوں کی طرف سے اپنے کان بند کر لیے۔

''تمہارا کیا فیصلہ ہے سیفو!؟ ......'' رازی نے عجلت سے پوچھا۔

''وہی جو پہلے تھا۔'' سیفو نے خود پر قابو پا کر کہا۔

''یعنی میں ہمیشہ کے لیے تمہیں حاصل کرنے کی امید ترک کر دوں؟ مایوس ہو جاؤں؟ لیکن یہ نہیں ہو سکتا سیفو! ......'' رازی کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔ چہرہ غصہ اور رنج سے سرخ ہو گیا تھا۔ وہ سیفو کے قریب آ گئے اور اس کی کلائی تھامتے ہوئے دبی آواز میں بولے۔

''میں تمہیں حاصل نہ کر سکا سیفو تو کوئی دوسرا بھی تمہیں حاصل نہ کر سکے گا۔ سنتی ہو؟ میں تمہیں ختم کر دوں گا اور خود بھی مٹ جاؤں گا۔ تم نے ابھی میری ضد نہیں دیکھی۔ صرف محبت میں سر ٹپکنا دیکھا ہے۔''

وہ ہانپ رہے تھے۔ انجانے ہی میں سیفو کی کلائی پر ان کی گرفت سخت ہو گئی۔ سیفو کے منہ سے سسکی سی نکلی۔ اس کا چہرہ بالکل سپید پڑ گیا تھا۔ رازی نے اس کی کلائی چھوڑ دی۔ ان کا جوش یک لخت ٹھنڈا پڑ گیا۔ وہ کچھ نادم سے نظر آ رہے تھے۔ دوسری جانب چہرہ کرتے ہوئے بولے۔

''مجھے معاف کر دینا سیفو! میں نے تمہیں تکلیف پہنچائی۔ مگر تم جو اس قدر ظلم کر رہی ہو مجھ پر تو آخر کیوں ...... پتہ نہیں مجھے جلا کر تمہیں کیا ملے گا ...... اور اگر یہ مذاق ہے تو خدا کے لیے اسے ختم کر دو۔ میرے حال پر رحم کرو ...... ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا......''

اب سیفو کی قوت برداشت جواب دے گئی تھی۔ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں۔ رازی گم سم سے کھڑے اسے دیکھتے رہے۔ پھر قریب آ کر انہوں نے رومال سے اس کی آنکھیں پونچھنا چاہیں تو سیفو نے ان کا ہاتھ جھٹک دیا۔ رازی نے ہونٹ چبا ڈالے اور ایک لمبی سانس لے کر بولے۔

''سیفو خدا کے لیے میرا امتحان نہ لو ...... میں اس آزمائش میں پورا نہ اتر سکوں گا۔ کافی طویل مدت سے مسلسل اس امتحان سے دوچار ہوں۔ اب مجھے اس ذہنی عذاب سے نجات دے دو......''

سنو سیفو! تم مجھے برا نہیں سمجھتیں نا ...... اسی ایک سیڑھی کے سہارے مجھے اپنی محبت کی بلندیاں چھو لینے دو۔ یہی ایک سہارا میرے لیے کافی ہے کہ تم مجھ سے نفرت نہیں کرتیں ...... مگر مجھے تو خود کو پوجنے کی اجازت دو ...... سیفو ...... خدا کے لیے جواب تو دو کچھ......''

مگر سیفو برابر روتی رہی۔ اس کے آنسو کسی طرح رکنے ہی میں نہ آ رہے تھے۔ رازی بدحواس کھڑے اسے دیکھتے رہے۔ پھر قریب آ کر شکست خوردہ سی آواز میں بولے۔

''اچھا جانے دو ...... پتہ نہیں اپنے پاگل پن میں کیا کیا کہتا رہا ہوں۔ تم اسے ایک دیوانے کی بڑ سمجھ کر معاف کر دو ...... میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ اس سلسلہ میں تم سے کوئی بات نہ کروں گا۔ لو اب تو چپ ہو جاؤ۔ میں تمہیں روتے نہیں دیکھ سکتا سیفو!''

سیفو نے آنکھیں پونچھ ڈالیں اور آہستہ سے بولی۔ ''مجھے معاف کر دیجیے رازی بھائی میں اس سلسلہ میں مجبور ہوں۔''

رازی نے ہونٹ چبا ڈالے۔ ایک کرب سے بھری ہوئی نظر اس پر ڈالی اور کمرے سے نکل گئے۔

سیفو نے وہ رات جیسے کانٹوں پر گزاری۔ صبح اٹھی تو بخار تھا۔ گھر والوں کو کسی بات کی خبر نہ تھی۔ رازی نے حسب معمول ناشتہ کیا اور چپ چاپ کالج چلے گئے۔ وہ آجکل ہاؤس جاب کرتے تھے۔

سیفو کے بخار کا پتہ چلا تو نازیہ نے دوا منگوا کر پلائی۔ جمال تو ڈاکٹر بلانے کو کہتے تھے۔ لیکن سیفو نے منع کر دیا۔ ''معمولی سا بخار ہے خود ہی اتر جائے گا۔ آپ تکلیف نہ کریں۔''

اس نے کہا...... یہ وہ اکیلی ہی جانتی تھی کہ یہ بخار محض دماغ اور دل کی تپش کا نتیجہ ہے اور کچھ نہیں۔

کچھ روز اسی طرح گزر گئے۔ سیفو کا بخار اتر چکا تھا۔ مگر دل کی خلش دو چند ہو چکی تھی۔ اس نے جان لیا تھا کہ رازی کا سامنا ہوتے ہوئے یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنے ارادے پر قائم رہ سکے۔ اسے دیکھتے ہی اس کے دل کی حالت دگرگوں ہو جاتی۔ پڑھتے وقت الفاظ آنکھوں کے سامنے ناچنے لگتے۔ دل و دماغ کی پیہم آویزش سے اس کا پڑھائی کا مقصد ختم ہو چلا تھا۔ کالج میں بھی وہ اپنا معیار برقرار رکھنے میں دقت محسوس کر رہی تھی۔ سہیلیاں اس کی رنجیدہ تبدیلی کو تاڑ گئی تھیں مگر وہ کسی کو کچھ بتانے کے لیے تیار نہ تھی۔

وقت گراں باری سے گزرتا گیا۔ گرمی کی تعطیلات میں سب ادارے بند ہو گئے اور سیفو گھر آ گئی۔



سیفو کو علی پور آئے ایک ماہ ہو چکا تھا لیکن اس دوران وہ ایک لمحہ کے لیے بھی رازی کو نہ بھول سکی تھی۔ آخری ملاقات کا سارا نقشہ اکثر اس کی نگاہوں کے سامنے آ جاتا۔ کیسے کیسے اس نے التجائیں کی تھیں؟ اور کس کس طرح سیفو کا دل ان التجاؤں پر تڑپا تھا؟ مگر وہ اپنی اور اس کی خوشی روند ڈالنے پر مجبور تھی۔ آخر وہ کیا کرتی۔ اس کے لیے خوشیوں کے سب دروازے بند ہو چکے تھے۔ وہ کیوں رازی کو جھوٹی امیدیں دلاتی۔

وہ چھپ چھپ کر روتی۔ تاہم بظاہر خود کو پرسکون رکھتی تھی۔ حقیقت حال کو چھپانے کی خاطر وہ خود کو سارا دن مختلف کاموں میں مصروف رکھتی۔ لیکن فارغ ہوتے ہی اذیت دہ خیالات اس پر یورش کر دیتے۔ دل و دماغ پر جو بوجھ تھا اس کے نیچے وہ پسی جا رہی تھی۔ کوئی اور ماں ہوتی تو بیٹی کی نگاہوں سے چھن چھن کر نظر آتی اداسی کو فوراً محسوس کر لیتی، لیکن نفیسہ خانم خود اپنے غم سہہ سہہ کر اس قدر شل ہو چکی تھیں کہ ان کے کند حواس ان کو سیفو کے غم سے روشناس نہ کرا سکے۔ رہے پرنسپل صاحب تو وہ باپ تھے اور مردوں کی مخصوص لاپروائی و بے حسی ان کے حصہ میں کچھ زیادہ ہی آئی تھی۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جنہیں اولاد کا ظاہری رکھ رکھاؤ مطمئن کر دیتا ہے۔ اس سے آگے ان کی نظر نہیں جاتی۔

سیفو اپنے ہی گھر میں یوں پھرتی رہتی جیسے کوئی بھٹکی ہوئی روح، جسے کسی کی تلاش ہو۔ اس کے زخمی دل پر مرہم رکھنے والا بھی تو کوئی نہ تھا۔ نہ کوئی دلاسہ دینے والا تھا۔ ویسے بھی دلاسے اور جھوٹی تسلیاں کب دل کے زخموں کا علاج ہوتے ہیں۔

اس کی عزیز دوست عافیہ ایک دو بار آ چکی تھی۔ اس کی ذہین آنکھوں نے سیفو کی کوشش سے چھپائی ہوئی بے دلی اور زبردستی کی مسکراہٹیں دیکھ لی تھیں۔ لیکن اس

بارے میں پوچھ نہ سکی تھی۔ آج وہ پھر آئی ہوئی تھی۔ اور اس نے ارادہ کرلیا تھا کہ سیفو کی اداسی دور کر کے رہے گی۔

''سیفو! اس دفعہ تم نے اپنی دوستوں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا کیسی ہیں وہ۔ پاس تو ہوگئی ہوں گی سب؟'' عافیہ نے پوچھا۔

''ہاں سب پاس ہوگئی تھیں۔ اب میرے ساتھ ہی ہیں سیکنڈ ایئر میں۔'' سیفو نے بتایا۔

''اب جناب کے صاحب بہادر کے آنے میں بھی تو چار پانچ ماہ رہ گئے ہیں۔'' عافیہ نے کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے شرارت سے کہا۔ ''پھر کہاں لاہور اور کہاں آپ؟''

سیفو کے چہرے پر کرب سا چھا گیا۔ اس نے زخمی نگاہوں سے عافیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کم از کم تم سے یہ امید نہ تھی عافی کہ یوں میری بے بسی اور بدنصیبی کا مذاق اڑاؤ گی۔''

عافیہ سنجیدگی سے بولی۔ ''مجھے معاف کر دو سیفو لیکن اتنا پوچھنے کی اجازت دو کہ آخر تم نے سوچا کیا ہے اس بارے میں۔ کیا یونہی گھل گھل کر جان دے دو گی؟''

''ہاں' اگر ہوسکا تو۔'' سیفو نے سر جھکا کر لرزتی ہوئی آواز سے کہا۔

''میں تو تمہیں بڑا بہادر سمجھتی تھی۔ تم تو بالکل بودی نکلیں۔'' عافیہ نے کہا ''اری پاگل ہم مشرقی لڑکیوں کی اکثریت کی قسمت میں یہی لکھا ہوتا ہے۔ انمل بے جوڑ شادی۔ جب تمہاری بھی ہو جائے گی تو تم بہر حال حالات سے سمجھوتہ کر لو گی پھر کیا فائدہ اپنی جان ہلکان کرنے سے؟''

''اپنا بھی تو بس چلتا ہے گریبان پر۔'' سیفو نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں اوپر اٹھا کر کہا۔

''حالات کے رخ کو موڑنا میرے بس سے باہر ہے۔ لیکن تمہارا خیال ہے اپنی بدنصیبی پر رووں بھی نہیں؟''

''ایک بات کہوں برا تو نہ مانو گی ......'' عافیہ نے محبت سے کہا۔

''دیکھو سیفو ذرا ٹھنڈے دل سے میری بات سننا۔ انوار بھائی کی عادات

بیشک تمہیں ناپسند سہی لیکن وہ برسرروزگار ہیں اور اچھے بھلے شوہر بن سکتے ہیں۔ بہت ممکن ہے شادی کے بعد ان کی بری عادات بھی کچھ سنور جائیں۔ آخر کو تمہارا ساتھ ہو گا۔ تو اس صورت میں تمہارا اکڑھنا فضول ہے۔ کتنی لڑکیوں کو ان سے بھی بدتر شوہر ملتے ہیں لیکن وہ ہنسی خوشی گزارہ کر لیتی ہیں۔ تم بھی صبر وتحمل سے کام لو اور راضی بہ رضا ہو جاؤ۔''

''یہ تم اس لیے کہہ رہی ہو کہ تمہیں ریحان بھائی ملے ہیں۔'' سیفو نے ملامت آمیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''جو تمہیں پسند ہیں اور ہر طرح ایک نہایت آئیڈیل انسان ہیں۔ پسند کی اور ناپسند کی شادی میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے عافیہ! وہ شخص جو خود اس قسم کے درد سے ناآشنا ہو وہ دوسرے کی تکلیف کیسے جان سکتا ہے۔''

''خدا کے لیے مجھے غلط نہ سمجھو سیفو!'' عافیہ! نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ ''میں نے یہ سب کچھ صرف اس لیے کہا تھا کہ تم حالات سے سمجھوتہ کر لینے کے بعد یکسو ہو جاؤ اور رنج وغم کا یہ بوجھ جو تمہیں پیسے ڈال رہا ہے یہ دور ہو جائے۔ میری بہن! تم نہیں جانتیں مجھے تمہاری تکلیف کا کتنا احساس ہے لیکن میں تمہیں یہ مشورہ بھی تو نہیں دے سکتی کہ روئے جاؤ اور خود کو تباہ کر لو...... تم نہیں جانتیں کہ تمہاری صحت کس قدر گر چکی ہے۔ تمہارے رخسار بالکل زرد ہو گئے ہیں۔ سیفو! خدا کے واسطے خود کو سنبھالو ورنہ بیمار پڑ جاؤ گی۔''

''میں کیا کروں عافی! یہ چیز میرے بس سے باہر ہے۔'' سیفو نے اندوہناک آواز میں کہا۔ ''تم نہیں جانتیں مجھے انوار سے کتنی سخت نفرت ہے اور جس شخص سے نفرت ہو اس سے نباہ کرنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔ اگر میں صرف اسے ناپسند ہی کرتی تو دوسری بات تھی۔ لیکن میرا دل اس سے شدید طور پر متنفر ہے۔ آج سے نہیں بچپن سے۔ بتاؤ پھر ایسے شخص کو شریک زندگی کے روپ میں دیکھنا میرے لیے ممکن ہو گا؟''

عافیہ خاموش بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی۔ آخر دبی آواز میں بولی۔ ''اگر تم کہو تو میں چچا جان سے بات کروں کہ سیفو اس شادی سے ناخوش ہے؟''

''ہرگز نہیں۔'' سیفو نے تڑپ کر کہا۔ ''میں اپنی جان دے دوں گی مگر ابا جان پر یہ چیز ظاہر نہ کروں گی۔ کیا کہیں گے وہ۔ لڑکی کو آگے پڑھانے کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ

خودسر ہوگئی۔ نہیں عافیہ! میں اپنی تعلیم کو بدنام نہ کروں گی۔"

"تو پھر کیا کیا جائے آخر؟" عافیہ نے جھنجلا کر کہا۔ "تمہاری یہ مایوسی مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔"

"کچھ بھی نہیں۔" سیفو نے دھیرے سے کہا۔ "اور تم کیوں کڑھتی ہو عافی! تم خدا کے لیے مجھ بدنصیب کے واسطے فکر کرنا چھوڑ دو۔ تمہارے اور میرے...... حالات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تمہارا مستقبل اپنے دامن میں دنیا بھر کی امیدیں' خوش آئند لمحات اور حسین تمنائیں سمیٹے بانہیں پھیلائے تمہارے انتظار میں ہے۔ جبکہ میرے سامنے ویرانیوں کے سوا کچھ نہیں۔ تم میرے لیے نہ کڑھا کرو۔ یہ چیز مجھے پسند نہیں۔"

"یہ بھی تو نہیں ہوسکتا کہ تمہاری طرف سے فاتحہ پڑھ لوں۔" عافیہ نے غصے سے کہا۔

سیفو اداسی سے ہنس دی۔ "پڑھ ہی لو تو بہتر ہے۔ فاتحہ پڑھنا کوئی بری بات تو نہیں۔"

"دل چاہتا ہے اس انوار کے بچے کا خون کر دوں۔ میری اتنی باغ و بہار سہیلی کو اس نے غم سے آشنا کر دیا۔" عافیہ دانت پیس کر بولی۔

"ارے رے رے۔ اتنا غصہ ٹھیک نہیں۔" سیفو نے زبردستی کی بشاشت سے کہا۔ "اور تم یہ بتاؤ تمہارا اپنی اپوئنٹ کب ہے۔"

"میں تو طے کر چکی ہوں کہ جب تک تمہاری شادی اپنے کسی پسند کے آدمی سے نہ ہوگی تب تک اپنی بھی نہ ہونے دوں گی۔"

"پھر تو قیامت تک انتظار کرنا پڑے گا۔" سیفو اداس سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"ویسے محترمہ آپ ہیں کس کھیت کی مولی' پکڑ کر باندھ دی جاؤ گی تو یہ سب وعدے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔"

کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوگئیں۔ سیفو نے دانستہ اس ذکر کو پھر چھیڑنے نہ دیا۔ اس کے بعد عافیہ چلی گئی۔ سیفو وہیں خاموش سی بیٹھی تھی کہ نفیسہ خانم ادھر آ نکلیں۔

اس کی اداسی محسوس کر کے بڑی محبت سے پاس بیٹھ کر بولیں۔ ''کسی دن تم بھی عافیہ کے ہاں ہو آؤ۔ ذرا دل بہل جائے گا۔ تنہائی میں بیٹھی بیٹھی پریشان ہوا کرتی ہو۔'' پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولیں۔ ''ٹھیک بھی تو ہے۔ کہاں کالج کی رونق' کہاں یہ سنسان گھر' جہاں دو بوڑھوں کے سوا کوئی بات کرنے والا بھی نہیں۔ ایسے میں تم اداس نہ ہو تو کیا ہو......'' انہوں نے محبت سے سیفو کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

''میری جان! اداس نہ رہا کرو جس وقت طبیعت گھبرائے کار موجود ہے کسی سہیلی کے پاس چلی جایا کرو۔''

''بہت اچھا امی جان!'' سیفو نے سعادت مندی سے کہا۔ وہ مطمئن سی ہو کر اٹھ گئیں۔

''امی! آپ کس قدر انجان ہیں۔ کتنی دور ہیں مجھ سے؟'' سیفو نے دل ہی دل میں ماں سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''مگر ٹھیک ہے۔ آپ اس حقیقت سے بے خبر ہی رہیں تو اچھا ہے۔ ورنہ شاید میرے بارے میں آپ کی رائے تبدیل ہو جائے اور یہ چیز میں برداشت نہیں کر سکتی......''

دن گزرتے رہے۔ سیفو خود پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی۔ لیکن وہ ناکامی محبت کے جاں سوز غم سے نجات نہ پا سکی۔ دل کے زخموں نے اسے چور چور کر ڈالا۔ پیہم خلش اور جذبات کی مستقل کشاکش کے سامنے آخر اس کے جسم نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس کی صحت خراب رہنے لگی۔

نفیسہ خانم بیٹی کے سوز نہاں سے بے خبر تھیں۔ مگر اس کی بیماری سے غافل نہ رہ سکیں۔ وہ پریشان ہو گئیں۔ شوہر کو بتایا۔ پرنسپل صاحب گھبرا کر ڈاکٹر کو بلا لائے۔ ڈاکٹر نے خوب دیکھ بھال کر کہا کہ بیماری کا فوری علاج نہ کیا گیا تو پھیپھڑوں کے مزید متاثر ہونے کا اندیشہ ہے۔ بہتر ہے آپ علاج کے ساتھ ساتھ فوری طور پر انہیں کسی پہاڑی مقام پر لے جائیں۔ ویسے مرض بہت خفیف ہے۔ زیادہ فکر کی ضرورت نہیں۔ مگر اتنے ہی سے پرنسپل صاحب کے ہوش اڑ گئے تھے۔ ڈاکٹر کو فیس دے کر رخصت کیا۔ سیفو اندر جا چکی تھی۔ وہ گم سم سے پلنگ پر بیٹھ گئے اور سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ نفیسہ خانم گھبرائی سی اندر آئیں۔ انہیں ڈاکٹر کی تشخیص بتائی گئی تو رونے لگیں۔

''خدا کے لیے تم رو رو کر میرے حواس اور پراگندہ نہ کرو۔ مجھے کچھ سوچنے دو۔'' انہوں نے ترش روئی سے کہا۔ ''تم جانتی ہو کہ میں بلڈ پریشر کی وجہ سے پہاڑ پر نہیں جا سکتا۔ دل کے مرض کی وجہ سے تم بھی کسی پہاڑی مقام پر جانے سے معذور ہو۔ ادھر سیفو کا پہاڑ پر جانا اشد ضروری ہے۔ مرض شدید نہیں اس لیے میں اسے ہسپتال میں داخل نہیں کروں گا۔ آخر کیا کیا جائے۔'' وہ سوچنے لگے' چہرے پر فکر کی لکیریں نمایاں تھیں' آخر بولے۔

''میرے ذہن میں اس مشکل کا ایک حل آیا ہے کہ سیفو کو زیدی کے ہاں ایبٹ آباد بھیج دوں۔ تم جانتی ہو وہ میرا نہایت عزیز دوست ہے۔ سمیرا خاتون کی وجہ سے سیفو کو کسی قسم کی دقت نہ ہو گی وہ تم سے بڑھ کر اس کا خیال کریں گی۔ اور پھر وہی گھر ایسا ہے جہاں میں بے کھٹکے سیفو کو بھیج سکتا ہوں۔ ورنہ رہتے تو وہاں مبارک علی بھی ہیں۔ مگر وہ لوگ بہت زیادہ آزاد خیال ہیں۔ وہاں بھیجنا میں مناسب نہیں سمجھتا۔''

نفیسہ خانم شوہر کی رائے سے پوری طرح متفق تھیں۔ پرامید ہو کر بولیں۔

''بس یہی ٹھیک ہے۔ آپ زیدی صاحب کے ہاں سیفو کو بھیج دیں۔ مجھے بھی سمیرا بہن پر بڑا اعتماد ہے۔ وہ اسے بچوں کی طرح رکھیں گی۔''

''میں ابھی زیدی کو مفصل خط لکھتا ہوں۔'' پرنسپل صاحب بولے۔ ''ڈاکٹر کی تشخیص سے بھی اسے آگاہ کروں گا۔ اس کا جواب آ جانے پر سیفو کو بھیجوں گا۔ یہاں سے کرم داد اس کے ساتھ چلا جائے گا۔ بہر حال تم اس کی تیاری کر چھوڑو......اور خدا پر بھروسہ رکھو۔ فکر کی ضرورت نہیں۔ ڈاکٹر نے بتایا تھا کہ محض پہاڑ پر جانے سے ہی اس کا مرض دور ہو جائے گا۔ خواہ علاج نہ بھی کیا جائے۔ تاہم میں اس کا علاج بھی کما حقہ کراؤں گا تاکہ آئندہ کبھی اس قسم کا خدشہ نہ رہے۔''

پرنسپل صاحب نے زیدی کے علاوہ جمال اور نازیہ کو بھی ایک خط لکھا۔ جس میں بیماری کے بارے میں کچھ نہ لکھتے ہوئے انہوں نے کہا تھا کہ اس کے لیے تعطیلات کے اختتام پر مزید دو ماہ کی رخصت منظور کرالی جائے۔

سیفو کو اس کی بیماری کے بارے میں صرف اتنا بتایا گیا تھا کہ ڈاکٹر کی رائے میں اس کا یہاں گرمی میں رہنا ٹھیک نہیں۔ پہاڑ پر جانے سے صحت بحال ہو جائے گی۔

لہٰذا کرنل زیدی کے ہاں اس کی رہائش کا بندوبست کیا جا رہا ہے۔ سیفو یہاں سے جانے کے خیال سے بہت خوش ہوئی۔ وہ خود کو کسی طرح بہلانا چاہتی تھی اور علی پور میں رہ کر یہ چیز ناممکن نظر آتی تھی۔ ممکن ہے نئی جگہ نئے ماحول میں وہ اپنے غم اور پریشانیاں بھول جائے۔

پانچویں روز کرنل زیدی کا جواب آ گیا۔ انہوں نے اس تجویز کا بڑی گرمجوشی سے خیر مقدم کیا تھا اور یہ لکھا تھا کہ ہم بڑی بے تابی سے بٹیا کی آمد کے منتظر ہیں۔ پرنسپل صاحب نے سیفو کی آمد کی صحیح تاریخ سے آگاہ کرنے کے لیے انہیں تار دیدی اور دوسرے روز کرم داد کے ہمراہ سیفو ایبٹ آباد کے لیے روانہ ہوگئی۔ نفیسہ خانم اور پرنسپل صاحب نے دعاؤں اور آنسو بھری مسکراہٹوں سے اسے الوداع کہا۔

✪......✪......✪

ڈرائیور علی بخش نے کار بسوں کے اڈے کے قریب ٹھہرا لی۔ راستہ کے چکروں اور طبیعت کی خرابی کی وجہ سے سیفو نڈھال سی سیٹ پر دراز تھی۔ کار رکتے ہی اس نے اٹھ کر کھڑکی میں سے ادھر ادھر نظر دوڑائی پھر کرم داد سے کہنے لگی کہ نیچے اتر کر زیدی صاحب کا پتہ کرو وہ لینے آئے ہوں گے۔

اتنے میں سامنے سے کرنل زیدی اور ان کی بہن سمیرا خاتون آتے دکھائی دیئے اور سیفو مطمئن ہو گئی۔ کرنل صاحب نے پاس آ کر دروازہ کھولا۔ سیفو نے دونوں کو سلام کیا اور برقعے کا نقاب گرا کر نیچے اتر آئی۔ سمیرا خاتون نے اسے گلے لگا لیا۔ کرنل زیدی نے سر پر ہاتھ پھیر کر مزاج پوچھا اور پھر ڈرائیور سے مخاطب ہو کر بولے۔ ''تم اور کرم داد سامان کے ہمراہ اسی کار میں میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ بٹیا کو میں اپنی کار میں لے چلوں گا۔''

سیفو کو چکر آ رہے تھے۔ مگر سنبھل سنبھل کر سمیرا خاتون کے سہارے قدم اٹھاتی وہ کار تک پہنچ گئی۔ سمیرا خاتون اس کے ساتھ ہی پچھلی نشست پر بیٹھ گئیں اور حال پوچھنے لگیں۔

کرنل زیدی خود کار ڈرائیو کر رہے تھے۔ بولے۔ ''بیٹی! راستہ میں زیادہ تکلیف تو نہیں ہوئی؟''

سیفو کا سر ابھی تک چکرا رہا تھا لیکن وہ زبردستی مسکرا کر بولی۔ ''نہیں چچا جان! تکلیف تو بالکل نہیں ہوئی۔ البتہ میری عادت باہر کے نظارے دیکھتے رہنے کی ہے۔ اس وجہ سے سر کچھ چکرانے لگ گیا تھا اب ٹھیک ہوں۔''

''گھر چل کر چائے پیو گی تو تکان بالکل دفع ہو جائے گی۔'' سمیرا خاتون

نے محبت سے کہا۔ ''یہ کمبخت پہاڑی راستے ہوتے ہی ایسے بل دار ہیں کہ اچھے بھلے صحت مند آدمی کی طبیعت مالش کرنے لگتی ہے۔ تم تو ہو بھی کچھ کمزور......''

''ان راستوں پر سفر کرنے کا گر یہی ہے کہ باہر نہ جھانکو۔'' کرنل زیدی سٹیئرنگ گھماتے ہوئے بولے۔ ''بس پھر طبیعت بالکل ٹھیک رہتی ہے۔''

سیفو نے اب نقاب اٹھا لیا تھا اور باہر کی ہوا لگنے سے اس کی طبیعت بھی کچھ پہلے سے بہتر تھی۔ کہنے لگی۔ ''چچا جان! یہ پہاڑی نظارے یوں بھی بڑے خوبصورت ہوتے ہیں اور میں چونکہ ایبٹ آباد پہلی دفعہ آئی ہوں اس لیے یہاں کے مناظر مجھے زیادہ حسین معلوم ہوئے۔''

''ایبٹ آباد واقعی بڑی خوبصورت جگہ ہے۔'' کرنل بشاشت سے بولے۔ ''اب یہاں رہو گی تو جی بھر کر سیر کرائیں گے تمہیں......''

''انشاء اللہ یہاں تمہاری صحت پوری طرح بحال ہو جائیگی۔'' سمیرا خاتون پیار سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیر کر بولیں۔ وہ بڑھاپے کے باوجود بڑی دلکش تھیں۔ سرخ و سفید رنگت' چوڑی پیشانی بڑی بڑی غلافی آنکھیں سرمئی اور سفید لہریئے دار بال' لب پتلے اور ناک ستواں' ان کی صورت سے ہی ذہانت اور عالی نسبی ظاہر ہوتی تھی۔ جوانی میں بہت حسین رہی ہوں گی۔ گو اب بھی بہت جاذب نظر تھیں۔ انہوں نے کسی خاندانی وجہ سے تمام عمر شادی نہ کی تھی...... ان کے بھائی کرنل زیدی نے شادی تو کی مگر اولاد نہ ہوئی اور جب ان کی بیوی بھی فوت ہو گئیں تو یہ دونوں بہن بھائی اکھٹے ہی رہنے لگے...... جائیداد بہت زیادہ تھی۔ اس کو سنبھالنے کے لیے انہوں نے دو معتمد آدمی رکھ لیے تھے۔ یہ ایبٹ آباد والی کوٹھی بھی ان کی اپنی تھی۔ غرض ہر طرح خوش حال اور دولت مند تھے۔

کرنل زیدی جو اپنی بہن کی طرح سرخ و سپید اور بڑے سارے تن و توش کے مالک تھے۔ بہت ہنس مکھ اور زندہ دل انسان تھے۔ انہیں قدیم نوادرات جمع کرنے کا بے حد شوق تھا اور یہی مشترکہ شوق پرنسپل جہاں زیب اور کرنل زیدی کی قلبی دوستی کا باعث بنا۔ اس دوستی کی جڑیں بہت گہری تھیں۔ دونوں پہلے اکھٹے پڑھتے رہے۔ ملازمت کے دوران بھی ملتے رہتے تھے۔ لیکن جب کرنل زیدی کی پنشن ہو گئی تو وہ

ایبٹ آباد میں گوشہ نشین ہو گئے۔ اب پانچ چھ سال سے یہ دونوں دوست مل نہیں سکے تھے۔ تاہم خط و کتابت میں فرق نہیں آیا تھا۔ پرنسپل صاحب نے جب سیفو کے بھیجنے کے بارے میں لکھا تو یہ بہن بھائی بہت خوش ہوئے۔ یوں بھی اکیلے رہتے تھے۔ سیفو کے وجود سے اس سنسان کوٹھی میں رونق ہو جائے گی۔ یہ سوچ کر وہ بڑی چاہت سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ اور اب خود اسے لینے آئے تھے۔

سیفو بڑی دلچسپی سے راستے کی خوب صورت کوٹھیاں اور باغات دیکھتی آ رہی تھی۔ آخر ایک موڑ مڑنے کے بعد کار ایک ننھی سی سڑک پر ہو لی۔ سڑک کے اختتام پر چناروں میں گھری ہوئی ایک بڑی ہی خوبصورت کوٹھی نظر آ رہی تھی۔

لوہے کے گیٹ سے گزر کر کار آہستہ ہوگئی اور پھر گھوم کر پورچ میں رک گئی۔ کرنل زیدی اتر آئے۔ سمیرا خاتون نے سہارا دے کر سیفو کو اتارا...... اتنے میں سب نوکر چاکر بھاگے آئے اور پرنسپل صاحب والی کار جو پیچھے کھڑی تھی۔ اس میں سے اسباب اتارنے لگے۔ ایک بوڑھی نوکرانی نے پاس آ کر سیفو کو سلام کیا اور دعا دی۔

''بیٹی برقع اتار کر حمیدن کو دے دو۔'' سمیرا خاتون نے کہا اور پھر مڑ کر نوکروں کو چائے وغیرہ کے احکامات دینے لگیں۔

ملازمین نے حسب معمول کوٹھی کے بائیں باغ میں کرسیاں لگا رکھی تھیں۔ کرنل اور سمیرا خاتون سیفو کو ہمراہ لیے وہیں آ گئے۔ یہاں چاروں طرف گلاب کے سرخ پھول کھلے تھے اور کوہستان کی مخصوص خنک ہوا چل رہی تھی۔ فضا میں خوشبوئیں آوارہ تھیں۔ سیفو کو اپنی وائل کی قمیض میں کچھ سردی سی محسوس ہوئی۔ سمیرا خاتون نے اسے سکڑتے ہوئے دیکھ کر کہا۔ ''شال منگا دوں بیٹی؟ میدانوں سے آنے والوں کو ایک مرتبہ تو ضرور سردی لگتی ہے۔ بعد میں ان ہواؤں کے عادی ہو جاتے ہیں۔'' یہ کہہ کر انہوں نے حمیدن کو آواز دے کر شال لانے کے لیے کہا۔

سیفو مسکرا دی۔ ''منگا دیجئے' ویسے یہ ہوا مجھے بڑی اچھی لگ رہی ہے۔ سر کے چکر تو یوں معلوم ہوتا ہے کبھی تھے ہی نہیں۔''

''جلد ہی تمہاری طبیعت بالکل چاق و چوبند ہو جائے گی۔'' کرنل زیدی خوش ہو کر بولے۔ ''یہ پہاڑ کا اعجاز ہے کہ راستہ میں جتنے چکر آتے ہیں وہ سارے کے

سارے یہاں کی معجز اثر ہوا دور کر دیتی ہے......"

حمیدن شال لے آئی تھی۔ سیفو نے کندھوں کے گرد لپیٹ لیا۔ "گرم کپڑے تو لائی ہو نا؟" سمیرا خاتون نے پوچھا۔

"جی ہاں ...... ابا جان نے تو کوٹ بھی زبردستی بندھوا دیئے۔" سیفو ہنس کر بولی۔

"بڑا اچھا کیا انہوں نے۔" سمیرا خاتون نے کہا۔ "اس وقت تو نہیں البتہ جب ستمبر شروع ہو گا تو تمہیں کوٹ کی ضرورت محسوس ہو گی۔"

چائے آ گئی تھی سمیرا خاتون نے بہت اہتمام کرایا تھا۔ بادام کا حلوہ، سموسے، پالک کے پکوڑے، نمک پارے، حلوہ سوہن اور نہ جانے کیا کیا الم غلم سے میز بھر گئی۔ پھل ان کے علاوہ تھے۔

"آپ نے پھوپھی جان! بہت تکلف کیا ہے۔" سیفو ان سب کو دیکھتی ہوئی بولی۔

"تکلف کا ہے کا بیٹی! ......" سمیرا خاتون شفقت سے مسکرائیں۔

"یہ تو تمہارا اپنا گھر ہے۔ لو یہ چیریز کھاؤ۔ یہ ہمارے خانہ باغ کی ہیں۔" انہوں نے سرخ سرخ چیریاں اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"شکریہ! یہ مجھے بے حد پسند ہیں۔" سیفو نے پلیٹ لے لی۔ پھوپھی جان مجھے ان کا پیڑ دکھایئے۔ پھل سے لدا ہوا کیسا لگتا ہو گا۔"

"بے حد خوبصورت۔" وہ بولیں۔ "چائے پی لو پھر تمہیں ساری کوٹھی دکھاؤں گی۔"

دلچسپ باتوں کے دوران چائے پی گئی۔ کرنل زیدی پرنسپل صاحب کے بارے میں پوچھتے رہے۔ سمیرا خاتون ایک ایک چیز محبت آمیز اصرار سے سیفو کو کھلاتی رہیں۔ چائے کے بعد کرنل زیدی تو شام کو آنے والا اخبار لے بیٹھے اور سمیرا خاتون سیفو کو لے کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"آؤ تمہیں کوٹھی کی سیر کراؤں۔" انہوں نے مسکرا کر کہا اور واقعی وہ کوٹھی سیر ہی کے قابل تھی۔ کوئی دس کنال رقبے میں پھیلی ہوئی یہ خوبصورت کوٹھی اور اس سے ملحق

باغ دیکھنے کی چیز تھے۔ سامنے کے رخ دونوں جانب گل لالہ، نرگس اور گل داؤدی کے پھول جھوم رہے تھے۔ ان پر بے شمار شہد کی مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ ہلکی ہلکی دھوپ میں خوشگوار سی حدت تھی اور ہوا میں جاں بخش خنکی، وہ مسحور سی سب کچھ دیکھتی رہی اور سمیرا خاتون کے ساتھ آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہوئے چلتی رہی۔ سامنے کا چکر کاٹ کر یہ دونوں برآمدے تک آ پہنچیں۔ سفید چکنی ٹائلوں اور چپس لگے سرمئی ستونوں والا یہ برآمدہ اتنا شفاف تھا کہ دیکھنے والے کو اپنا عکس نظر آتا تھا۔ برآمدے میں جگہ جگہ پیتل کی ہانڈیوں میں چوڑے پتوں والا منی پلانٹ اگا تھا۔ جسے برآمدے کی دیواروں پر چڑھایا گیا تھا۔ ایک جانب بانس کی تیلیوں سے بنے ہوئے نازک سے پنجرے لٹک رہے تھے۔ ان میں رنگ برنگی خوبصورت چڑیاں چہچہا رہی تھیں...... سمیرا خاتون کو فالتو وقت میں باغ کی دیکھ بھال کے علاوہ خوبصورت پرندے، باتیں کرنے والے ننھے منے طوطے اور مینائیں پال رکھی تھیں۔ وہ اپنے ہاتھ سے ان کو دانہ کھلاتیں اور دیکھ بھال کرتیں۔

"دیکھو بیٹی! یہ ننھا سا سلیٹی طوطا میں نے آسٹریلیا سے منگایا ہے۔" وہ ایک پنجرا چھوتی ہوئی بولیں۔ "اور یہ ننھی منی مینا اتنی پیاری باتیں کرتی ہے کہ آدمی حیران رہ جائے۔ اس وقت اس کا موڈ نہیں۔ پروں میں منہ دیئے سو رہی ہے۔ ورنہ تم سے باتیں کرتی۔"

سیفو چڑیاں دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ وہ خود کو اس ماحول میں بڑا ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔

برآمدے کی غربی جانب خوشبودار پھولوں والی بیلیں چڑھی تھیں جن کی وجہ سے آس پاس کی ساری ہوا معطر ہو رہی تھی۔ یہ گوشہ سیفو کو بہت پسند آیا۔ وہ دیر تک کھڑی بیل کے زرد اور سفید خوشبودار پھول سونگھتی رہی۔ اس کی روح پر سے جیسے کسی نے ایک بوجھ اتار پھینکا تھا۔

برآمدے سے نکل کر وہ داہنی جانب ثمر دار حصہ میں پہنچیں۔ یہاں خوبانی، ناشپاتی، آلوچے اور چیری کے پیڑ پھلوں سے لدے کھڑے تھے۔ ایک جانب ننھی سی جھونپڑی پر انگور کی گھنی بیل چڑھی تھی۔ جس کے ساتھ عنابی انگوروں کے رس دار خوشے

لٹک رہے تھے۔ سمیرا خاتون نے ایک گچھا توڑ کر سیفو کو دیا۔

"تازہ پھل کا مزہ کتنا پیارا ہوتا ہے۔" سیفو انگور کھاتی ہوئی بولی۔ "ہمارے ابا جان کو بھی پھل دار درخت لگانے کا بہت شوق ہے۔ امرود' کیلے' آم اور لوکاٹ لگوائے ہیں انہوں نے۔"

"گھر کے پھلوں کی بات ہی اور ہے بیٹی!" سمیرا خاتون خود بھی انگور کے دانے منہ میں ڈالتی ہوئی بولیں۔ "جب جی چاہا توڑ کر کھا لیے۔ ہم دو بوڑھوں نے تو کیا کھانے ہیں۔ عموماً نوکر ہی چٹ کر جاتے تھے اب تم آئی ہو تو یہ پھل صحیح جگہ استعمال ہوں گے۔" سمیرا خاتون نوکروں کے حقوق کی کچھ زیادہ قائل نہ تھیں۔

"بیٹی ناشپاتیاں بڑی رس دار ہیں۔ توڑ کر کھاؤ۔ آلوچے بھی کافی پکے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ ایک تو یہ کمبخت ملازم نہیں چھوڑتے جو پھل پکے' اتار کر کھا جاتے ہیں۔"

"پھوپھی جان! اس وقت خواہش نہیں۔" سیفو نے ہنس کر کہا۔ "چائے کے ساتھ بہت کچھ کھا لیا تھا پھر کسی وقت سہی......"

"تمہاری مرضی' اچھا آؤ اب اصل عمارت تمہیں دکھاؤں۔" انہوں نے کہا سیفو ننھی سی نالی پھاند کر سمیرا خاتون کے ساتھ ہو لی۔ عقبی رخ سے گیلری میں دونوں داخل ہوئیں۔ جس کے گہرے سبز فرش پر سفید چپس روشنی پڑنے سے دمک رہے تھے۔ درمیان میں تنگ سا قالین بچھا تھا۔ اوپر سفید چھت میں جگہ جگہ بجلی کے گول قمقمے روشن تھے۔ گیلری کے دونوں جانب کمرے تھے۔ ایک کمرے کا سفید دروازہ کھول کر سمیرا خاتون اندر داخل ہوئیں۔ سیفو ان کے عقب میں تھی۔ یہ کمرہ سمیرا خاتون کا تھا۔ پورے کمرے میں براؤن رنگ کا سادہ قالین بچھا تھا۔ جس میں پاؤں دھنسے جاتے تھے۔ ایک طرف دیوار کے ساتھ لگا ہوا انگلش طرز کا سپرنگ دار بیڈ تھا۔ جس پر سبز رنگ کا پلنگ پوش پڑا تھا۔ بیڈ کے ساتھ جڑی ہوئی میز پر ایک نیلے شیڈ والا لیمپ اور کچھ کتابیں پڑی تھیں۔ کمرے میں ایک جانب تخت پڑا تھا جس پر نہایت اعلیٰ قسم کی جانماز بچھی تھی۔ پاس ہی مونگے کی تسبیح اور پنجسورہ شریف رکھے تھے۔ کشادہ دریچے اور دروازوں پر براؤن پردے لہرا رہے تھے۔

''بہت پیارا کمرہ ہے آپ کا پھوپھی جان!'' سیفو نے خوش ہو کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بس بیٹی! ہم بوڑھوں کا جس طرح کا ذوق ہوسکتا ہے ویسا ہی کمرہ ہے۔'' وہ مسکرائیں۔

''اچھا آؤ اب تمہیں بھائی جان کا کمرہ اور ان کی لائبریری دکھاؤں' کتابوں کے بارے میں ان کا معیار بہت بلند ہے۔ تم دیکھ کر خوش ہو گی۔''

''ہر چیز ہی ان کے اور آپ کے بلند ذوق کی غمازی کرتی ہے۔'' سیفو نے کہا۔

گیلری میں خاموش چلتی ہوئی وہ کرنل زیدی کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ عنابی رنگ کے دبیر قالین والے اس کمرے میں ہلکا فاختئی بیڈ تھا۔ ہلکے سرمئی رنگ کی دیواروں پر چغتائی کی شاندار سنہری فریم والی تصاویر آویزاں تھیں۔ ایک طرف قرمزی پردوں والے بڑے سے دریچے کے آگے رائٹنگ ٹیبل پڑی تھی۔ جس پر سنہری گلدانوں میں پھول سجے تھے۔ ساتھ ہی گھومنے والی کرسی تھی۔

سیفو دیوار پر لٹکی ہوئی تصاویر دیکھنے لگی۔ سمیرا خاتون نے آہستہ سے ایک جانب کا چھوٹا سا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ ''یہ لائبریری ہے سیفو' یہاں تمہیں اپنی پسند کی کتابیں ملیں گی۔'' سیفو اشتیاق سے ادھر مڑی۔ اور ایک نسبتاً مختصر کمرے میں داخل ہو گئی۔ اس کی دیواریں ہلکی نیلی تھیں چاروں طرف شیشے کی پست قد الماریاں پڑی تھیں۔ جن میں مشہور مصنفین کی شہرہ آفاق کتابیں سجی تھیں۔ حقیقتاً جن میں سے بیشتر کتب نایاب تھیں۔ دیواروں پر قدیم زمانے کے خنجر' تلواریں اور نیچے لٹک رہے تھے۔ کمرے کے درمیان شیشے کے شوکیسوں میں تاریخی نوادرات پڑے تھے۔ سیفو نے پاس جا کر دیکھا۔ بہت سے قدیم سکے' قلمی نسخے' قیمتی پتھر اور کندہ کاری والے حسین و جمیل برتن جگمگا رہے تھے۔ ہر چیز کے ساتھ ضروری کوائف والی ایک چٹ لگی تھی۔

''بڑی عجیب و غریب چیزیں ہیں۔'' سیفو نے چٹیں پڑھتے ہوئے کہا۔ چچا جان کو انہیں جمع کرنے میں ایک عرصہ لگا ہو گا۔ کیونکہ میں دیکھ رہی ہوں کئی چیزیں جاپان کی ہیں' کچھ افریقہ کے نوادرات ہیں۔ یہ کتبے مصر کے ہیں اور یہ عجیب شکلوں

والے برتن چین کے بنے ہوئے ہیں۔"

"ہاں بیٹی! بھائی جان کو نوادرات جمع کرنے کا شوق جنون کی حد تک ہے۔" سمیرا خاتون نے کہا۔ "پتہ نہیں کتنا روپیہ اسی میں خرچ کیا۔ جہاں کہیں سن پاتے تھے کہ فلاں خاندان کے پاس ایسی نادر چیز موجود ہے۔ فوراً پہنچتے اور کسی نہ کسی طرح خرید لاتے۔ کئی نادر چیزیں تو انہوں نے چین اور مشرق وسطیٰ کے کباڑیوں سے خریدیں۔ غرض ان نوادرات کے پیچھے انہوں نے کہاں کہاں کی خاک نہیں چھانی۔"

"واقعی عجائب خانہ ہے پورا۔" سیفو نے تعریفی نظروں سے چیزیں دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہاتھ تو نہیں لگانے دیتے ہوں گے کسی کو اتنی محنت سے جو جمع کی ہیں۔" وہ ہنسی۔

"قطعی نہیں۔" سمیرا خاتون نے مسکرا کر کہا۔ "ان کی ہفتہ وار صفائی بھی وہ خود کرتے ہیں۔ البتہ مجھے اتنی اجازت ضرور ہے کہ انہیں گاہے بگاہے دیکھ سکتی ہوں۔"

سیفو کچھ دیر کتابیں دیکھتی رہیں۔ "چچا جان سے پوچھ کر کبھی کبھی ان کی لائبریری سے کتابیں لے کر پڑھا کروں گی۔ ان میں سے کئی میرے پسندیدہ مصنفین کی ہیں۔" ...... وہ بولی۔

"ضرور ...... کتابوں کے بارے میں وہ اتنے ہی وسیع الخیال ہیں جتنے عجائبات کے متعلق تنگ نظر ...... تم شوق سے کتابیں پڑھا کرنا۔" ...... سمیرا خاتون نے ہنس کر کہا۔ ان کے دانت مصنوعی تھے لیکن وہ ان کو اتنے جچتے تھے کہ حد نہیں۔ ان کی ہنسی میں ذرا بھی مصنوعی دانتوں والا بینڈا پن نہیں تھا۔

"چلو اب اپنا کمرہ بھی لگے ہاتھوں دیکھ لو۔" ...... انہوں نے کہا۔

"پتہ نہیں وہ تمہیں پسند بھی آتا ہے یا نہیں۔ بوڑھے اور جوان آدمیوں کے ذوق میں یقیناً فرق ہوتا ہے۔ یہ میں نے خود سجایا تھا۔"

دونوں گیلری میں نکل آئیں۔ سمیرا خاتون نے ایک سنہری ہینڈل والا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "یہ تمہارا کمرہ ہے سیفو! اس کے ساتھ ہی ڈریسنگ روم اور باتھ روم بھی ہیں۔" یہ کمرہ نہایت ہی پیارے انداز سے سجایا گیا تھا۔ بلو اور پنک کلر سکیم بڑی ہی جاذب نگاہ تھی۔

سمیرا خاتون نے اپنی ذہانت سے کام لیتے ہوئے اسے ایک جوان لڑکی کے ٹیسٹ کے مطابق سجایا تھا۔ کمرے میں نیلا پھولدار صوفہ پڑا تھا۔ جس میں جھالر لگی تھی۔ سفید ساٹن کے کشن صوفے کی گود میں آسودہ تھے۔ نیچے گہرے گلابی رنگ کا پلین قالین تھا۔ جھالر دار بیڈ پر گلابی شنیل کے نرم نرم تکیے پڑے تھے۔

ایک کونے میں ننھی سی رائٹنگ ٹیبل تھی۔ جس پر ساٹن کا میز پوش پڑا تھا۔ اور چاندی کے گلدان میں گلاب کے سفید پھول جھوم رہے تھے۔ ان کی خوشبو سے کمرہ معطر ہو رہا تھا۔ پاس ہی چھوٹی سی تپائی پر نیلے کیبنٹ کا ٹرانسسٹر رکھا تھا۔

باہر کی طرف کھلنے والے کشادہ دریچے پر پیازی پھولوں والے نیلے پردے لہرا رہے تھے۔ دروازوں پر بھی اسی رنگ کے پردے تھے۔

کمرہ سیفو کو بے حد پسند آیا۔ وہ مسرت سے تالی بجا کر بولی۔ ''بہت بہت شکریہ پھوپھی جان! اس قدر پیارے کمرے کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ کتنی خوب صورتی سے آپ نے اسے سجایا ہے۔''

سمیرا خاتون مسکرا رہی تھیں۔ ''شکر ہے تمہیں پسند آیا۔''

سیفو دروازہ کھول کر ڈریسنگ روم میں گھس گئی۔ یہاں قد آدم آئینے والی ڈریسنگ ٹیبل پڑی تھی۔ جس پر بڑا خوبصورت ڈچس سیٹ سجا تھا۔ ایک جانب ہینگنگ الماری تھی۔ نیچے پھولدار رگ بچھا تھا۔

''ہر چیز دیدہ زیب اور ہر سامان مکمل ہے۔'' وہ بولی۔ ''کمال تو یہ ہے کہ آپ نے ٹرانسسٹر تک رکھوا دیا۔''

''بیٹی تمہارے آنے کی ہمیں جس قدر خوشی ہے۔ اس کمرے کا اہتمام تو اس کا دسواں حصہ بھی نہیں۔'' سمیرا خاتون سیفو کو گلے لگا کر بولیں۔ پھر انہوں نے اسے ڈرائنگ روم اور ڈائننگ روم بھی دکھائے۔ اب شام ہوتی جا رہی تھی۔ دونوں باہر نکل آئیں۔ کرنل زیدی گاف کے لیے نکل گئے تھے۔ ماحول پر سرمئی اندھیرا آ رہا تھا۔ وہ دونوں شام کی خنک ہوا میں کافی دیر بیٹھی باتیں کرتی رہیں۔



سیفو کے پہنچنے کا تفصیلی خط کرنل زیدی نے ڈرائیور علی بخش اور کرم داد کے

ہاتھ بھجوا دیا تھا۔ اس کا تیسرے ہی روز جواب آ گیا۔ خط کے ساتھ پانچ ہزار کا چیک تھا۔ سیفو کے علاج کے لیے۔

کرنل کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ انہوں نے چیک واپس بھیجتے ہوئے لکھا۔ ''کیا تم نے مجھے اتنا کمینہ سمجھا ہے کہ اپنی بھتیجی کی دواؤں کا خرچ نہ اٹھا سکوں گا اور اس کے پیسے تم سے لوں گا۔ سیفو کیا تمہاری ہی بیٹی ہے میری کچھ نہیں۔ وہ زندگی میں پہلی مرتبہ میرے گھر آئی ہے۔ کیا میرا اتنا بھی حق نہیں کہ اسے اپنے پلے سے کھلا پلا ہی سکوں۔ کیا سمجھ کر تم نے مجھے چیک بھیجا...... کبھی ملو گے تو اس حرکت پر تمہارے کان کھینچے جائیں گے۔'' اور بھی ایسی بہت سی باتیں لکھیں جو فقط ایک بے تکلف دوست ہی لکھ سکتا ہے۔

پرنسپل صاحب نے چپکے سے چیک واپس لے لیا اور پھر آئندہ اس بارے میں کبھی کچھ نہ کہا۔ کرنل زیدی نے پرنسپل صاحب کی اجازت سے سیفو کا برقع بھی اتروا دیا تھا۔ سمیرا خاتون خود پردہ نہیں کرتی تھیں۔ سیفو اب آزادی کے ساتھ گھومتی پھرتی تھی۔ اس کی آمد کے چند دن بعد کرنل زیدی اسے اپنے ساتھ ہسپتال لے گئے۔ پوری طرح اس کا میڈیکل چیک اپ کرایا مگر کوئی قابل ذکر بات نہ نکلی۔ ڈاکٹر نے پہلی تشخیص سے اتفاق رائے نہ کرتے ہوئے کہا کہ لڑکی کے پھیپھڑوں پر کوئی اثر نہیں البتہ خون کی کمی ہے۔ اسے خوب کھلایا پلایا جائے اور خوش رکھا جائے۔ اس کی غذا میں پھلوں کی بہتات ہونی چاہیے۔ علاوہ ازیں اس نے بہت سی قیمتی پیٹنٹ ادویہ لکھ کر کرنل کو دیں کہ ان کے استعمال سے لڑکی میں فوری توانائی آ جائے گی۔

کرنل صاحب نے گھر آتے ہی احکام جاری کر دیئے کہ فلاں وقت سیفو کو دودھ دیا جائے گا۔ فلاں وقت مرغی کا سوپ ہوگا اور فلاں ٹائم پر پھلوں کا تازہ رس پلایا جائے گا۔ علاوہ ازیں انہوں نے گھر میں سیب کا مربہ' جواہر مہرہ اور خمیرہ مروارید وغیرہ بھی لا رکھے یہ وہ اپنی طرف سے لے آئے کہ مقوی ہوتے ہیں۔ ضرور دیئے جائیں گے۔

ہر قسم کے فکر اندیشے سے دور رکھنے کا سامان یوں کیا گیا کہ اسے المیہ ناول تک نہ پڑھنے دیتے۔ کورس کی کتابیں ویسے ہی پرنسپل صاحب نے ساتھ نہیں بھیجی

تھیں۔ لٰہذا پڑھائی میں دماغ کھپانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

یہ انتظامات کر کے زیدی صاحب مطمئن ہو گئے۔ وہ روزانہ باقاعدگی سے خود کھڑے ہو کر سیفو کو دودھ' پھلوں کا رس اور جوس پلواتے۔ سمیرا خاتون کے ذمے حریرے' مقویات اور ادویہ کی نگرانی تھی۔

سیفو کی صحت اب بہتر ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اسے وہی خیالات ستانے لگے تھے جو پہلے پہل اس کی صحت کی خرابی کا باعث بنے تھے۔ گو سمیرا خاتون اکثر اسے ساتھ رکھتیں۔ ادھر ادھر اپنے واقف کاروں کے ہاں ملانے لے جاتیں۔ ہر طرح اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتیں۔ تاہم وہ ہر وقت تو اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی تھیں۔ جوں جوں جگہ اور ماحول کا نیا پن ختم ہوتا گیا۔ وہ رنجیدہ خیالات میں غرق رہنے لگی۔ اپنے کمرے کی تنہائی میں وہ اندیشوں میں گھر جاتی۔ اس کے تفکرات اب دودھاری تلوار کی طرح اسے دونوں جانب سے کاٹ رہے تھے۔ ایک طرف تو اپنی ناکام محبت کا غم اسے کھائے جاتا۔ وہ رازی کو کسی وقت نہ بھول سکی تھی۔ گو جگہ کے نئے پن کے باعث اس تکلیف کا اثر ذرا کم ہو گیا تھا۔ دوسری جانب انوار سے شادی کا اندیشہ اسے مارے ڈال رہا تھا۔ یہ ذاتی پریشانیاں ایسی تھیں جن سے وہ کسی وقت بھی نجات نہ پا سکتی تھی۔ تاہم وہ سمیرا خاتون اور کرنل زیدی کے سامنے خود کو خوب خوش و خرم ظاہر کرتی۔ ہنستی، مسکراتی وہ نہیں چاہتی تھی کہ اداس رہ کر ان کے تمام کئے کرائے پر پانی پھیر دے۔

تین چار دن دھوپ رہ کر آج ایبٹ آباد کے آسمان پر بادل گھر آئے تھے۔ سیفو اپنے کمرے سے نکل کر برآمدے کے خوشبودار بیلوں والے حصے کے باہر کھڑی آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ منظر بے حد حسین لگ رہا تھا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے دور پہاڑوں کی سیاہ چوٹیاں سفید روئی جیسے بادلوں میں چھپ گئیں۔ ان سے ذرا دور گھرے نیلے اور کاسنی پہاڑوں کی گود میں سرمئی بادل اترتے آ رہے تھے۔ اچانک تند ہوا کا ایک ایسا ریلا آیا کہ چنار دوہرے ہو کر زمین کو چھونے لگے اور سیفو کو سانس لینے کے لیے منہ پھیر لینا پڑا۔

اب آسمان پر سیاہ بادل اس کنارے سے لے کر اس کنارے تک چھا گئے

تھے۔ اس نے گھرے بادلوں سے گھرے ہوئے آسمان کی طرف نگاہ کی اور پٹ سے ایک بوند اس کی ناک پر آ گری۔ اس کے بعد مینہ کی زوردار بوچھاڑ پڑنے لگی۔ سیفو بھاگ کر برآمدے میں آ گئی اور کھڑی ہو کر بارش کا حسن دیکھنے لگی۔

کوہستانی بارش اپنے پورے جوش و خروش سے شروع ہو چکی تھی۔ مینہ کی لڑیوں میں سے دور کا منظر دھندلا دکھائی دے رہا تھا۔ اور بوندوں کے شور سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ اس پر مستزاد کوٹھی کے پچھواڑے پہاڑی نالے کی گونج گرج تھی۔ اس کا پانی اپنی پوری تندی سے خس و خاشاک بہاتا' پتھروں سے سر ٹکراتا' جھاگ اڑاتا بہہ رہا تھا۔ اس کا زناٹے دار شور مینہ کی بوچھار کے ساتھ مل کر عجب پرخروش آواز پیدا کر رہا تھا۔

ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر سمیرا خاتون بھی کمرے سے نکل آئیں۔ سیفو کو برآمدے میں کھڑا دیکھ کر مسکرائیں۔ ''بارش کا نظارہ کر رہی ہو سیفو!'' وہ بولیں۔ ''یہ کوہستانی بارش بھی عجب ہوتی ہے۔ ادھر شروع ادھر ختم۔''

''جی ہاں' میں تو اس کے طلسم میں کھو گئی تھی۔ کتنا پیارا شور ہوتا ہے بارش کا بھی۔ نیند آنے لگتی ہے۔'' سیفو نے کہا۔

''شاید اسی وجہ سے بھائی جان ہمیشہ بارش کے وقت سو جاتے ہیں۔'' سمیرا خاتون ہنسیں۔ ''البتہ میں نہیں سو سکتی' باہر آ کر نظارہ دیکھتی رہتی ہوں۔''

ان لوگوں کے دیکھتے دیکھتے بادل کھل گئے اور گو ابھی بارش ہو رہی تھی۔ لیکن ساتھ دھوپ نکل آئی۔ اس کی روشنی میں مینہ کی بوندیں موتیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ مشرق کی جانب شوخ رنگوں کی قوس قزح اس طرح تن گئی کہ اس کا ایک سرا افق پر تھا اور دوسرا پہاڑوں کے سینے میں گڑا تھا۔ سیفو اس منظر کو دیکھ کر بے خود سی ہو گئی۔ ''کاش میں مصور ہوتی تو اس حسین نظارے کو ہمیشہ کے لیے قید کر لیتی۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ ''کس قدر خوب صورت منظر ہے پھوپھی جان۔''

سمیرا خاتون بھی حیران ہو کر دھنک کو دیکھ رہی تھیں۔ بولیں۔ ''واقعی عجب نظارہ ہے ایسا کبھی نہیں دیکھا کہ قوس قزح کا ایک سرا آسمان پر ہو اور دوسرا زمین پر...... سچ کہتی ہو۔ تصویر بنی چاہیے اس کی تو...... تم کسی وقت پینٹنگ کا سامان کیوں نہیں لے

آ تیں بٹی۔ یہاں اردگرد نظارے ہی نظارے بکھرے پڑے ہیں۔ اپنے فالتو وقت میں مصوری کیا کرو۔ چند دن کی مشق سے اچھی خاصی کرنے لگو گی۔''

سیفو خوش ہو کر بولی۔ ''واقعی اس کا تو مجھے کبھی خیال ہی نہیں آیا تھا۔ کسی زمانے میں مجھے مصوری سے خاصا شغف تھا۔ لیکن پھر پڑھائی کی وجہ سے ترک کر دیا۔''

''بس پھر تم اس شغل کو جاری کر لو۔ مجھے خود مصوری بے حد پسند ہے۔'' سمیرا خاتون نے کہا۔

اب پوری طرح دھوپ نکل آئی تھی اور بارش تھم گئی تھی۔ قوس قزح بھی مدھم ہوتے بالکل غائب ہو گئی۔ آسمان پر سفید بادلوں کے ٹکڑے تیرتے پھر رہے تھے اور دور پہاڑیوں پر دھوپ چھاؤں کے لہریئے سے بن گئے تھے۔

شام کو موسم صاف تھا۔ سمیرا خاتون سیفو کو ہمراہ لے کر بازار چلی گئیں وہاں سے پینٹنگ کا سامان خریدا۔ واپسی پر اپنی ایک دوست کو ملتی آئیں۔ رات کے کھانے تک یہ لوگ گھر لوٹیں۔ واپسی پر سیفو نے ایک پیار بھرا خط نازیہ کو لکھا جس میں تقریباً سارے حالات تحریر کر دیئے۔

دوسرے دن باغ کے ایک گوشے میں سامان پھیلا کر سیفو نے تصویریں بنانی شروع کیں۔ برش اور رنگوں کا کھیل چھوڑے مدت ہو گئی تھی کچھ خاکے بیکار گئے۔ تاہم ذرا دیر کی محنت سے پرانی مشق عود کر آئی اور تصاویر کچھ بہتر بننے لگیں۔ کچھ روز پریکٹس میں گزرے اب گھریلو مناظر کچھ پرانے ہو گئے تھے۔ لہٰذا حسین تر مناظر کی تلاش میں وہ نکل کھڑی ہوئی۔ سمیرا خاتون نے حمیدن کو ساتھ لے جانے کے لیے کہا تھا مگر اس نے انکار کر دیا۔ کون اتنے حسین ماحول میں ایک اجڈ ساتھی کی کوفت برداشت کرے۔

ضروری ساز و سامان کا تھیلا ہاتھ میں لٹکائے' آہستہ آہستہ چلتی وہ گھر سے کافی دور آ گئی تھی۔ اچانک جنگلی گلاب کی جھکی ہوئی بیلوں کے نیچے ایک بڑا سا پتھر اسے نظر آیا۔ یہ بیٹھنے کے لیے آئیڈیل جگہ تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ یہیں بیٹھ کر پینٹنگ کی جائے گی۔ تھیلا ایک طرف رکھ کر اس نے رومال سے پتھر کو صاف کیا اور بیٹھ کر محل وقوع کا جائزہ لینے لگی۔ دائیں جانب ہرے بھرے چناروں اور خوبانی کے درختوں میں گھری ایک زرد رنگ کی کوٹھی نظر آ رہی تھی۔ سامنے ڈوبتے ابھرتے' سرخ اور زرد رنگ کی

چھتوں والے مکانات کا سلسلہ تھا۔ ان سے پرے حد نظر تک سیاہ اور نیلے پہاڑ نظر آتے تھے۔ اس نے بائیں جانب دیکھا۔ قریب ہی عناب کی سرسبز جھاڑی پر ایک سیاہ رنگ کی چڑیا بیٹھی چہچہا رہی تھی۔ کتنا خوبصورت منظر تھا۔ یہ قدرت کے موقلم سے بنی ہوئی ایک نہایت ہی رنگین اور مکمل تصویر تھی۔ اس نے اسے کینوس پر اتارنے کا ارادہ کر لیا۔ پینٹنگ کا سامان نکال کر اس نے ایزل رکھا۔ احتیاط سے رنگ گھولے اور برش چلانے لگی۔ اردگرد عجیب خوابناک سا سکوت طاری تھا۔ جنگلی گلاب کے پھولوں پر رنگ برنگی تتلیاں اڑ رہی تھیں۔ ننھی سیاہ چڑیا اب غائب تھی دور کہیں کوئی بہار کا پرندہ اپنی مخصوص آواز میں سیٹیاں بجا رہا تھا غرض بڑا ہی طلسم زدہ ماحول تھا۔

وہ بڑی محویت سے تصویر بنا رہی تھی کہ آواز آئی۔ ''بہت اچھی تصویر بنا رہی ہیں آپ' بڑے ہی اوریجنل کلر ہیں۔''

اس نے چونک کر نظر اٹھائی۔ دائیں جانب اس کی پشت پر ایک جواں سال لڑکی جینز پہنے بڑے غور سے تصویر دیکھ رہی تھی۔

''میں غزالہ اصغر! ہوں۔'' وہ مسکرائی۔ ''ماشاء اللہ تصویر ہی کی طرح آپ خود بھی بڑی دلکش ہیں۔'' اس نے بے باکی سے سیفو کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

''شکریہ۔'' سیفو گلابی پڑ گئی تھی۔ ذرا جھجک کر بولی۔ ''اور میرا نام صفورا جہاں زیب! ہے۔''

''اس کوٹھی سے آئی ہیں آپ؟'' غزالہ نے کرنل زیدی کی کوٹھی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں' اور آپ؟'' سیفو نے ابرو اٹھائے۔ اس نے برش ہاتھ سے رکھ دیا تھا اور اس لڑکی میں دلچسپی لینے لگی تھی۔

''میں اس زرد کوٹھی سے آئی ہوں۔'' اس نے مسکرا کر اپنے تراشیدہ بال جھٹکے۔ ''ارے آپ رک کیوں گئیں' تصویر بنائیے نا......''

سیفو مسکرا دی۔ ''اسے پھر کسی وقت مکمل کر لوں گی۔ آپ یہاں بیٹھ جائیں۔''

غزالہ اس کے پاس ہی بے تکلفی سے بیٹھ گئی۔ ''اس کوٹھی میں غالباً کوئی ریٹائرڈ کرنل رہتے ہیں مگر سنا ہے ان کی تو کوئی اولاد ہی نہیں۔

''پھر آپ......''

''میں ان کی بھتیجی ہوں۔''سیفو نے جلدی سے کہا۔

''اچھا چھٹیاں گزارنے آئی ہوں گی یہاں۔''غزالہ نے سر ہلایا۔

''کونسی جگہ پڑھتی ہیں آپ؟''

''میں لاہور سے آئی ہوں۔ سیکنڈ ایئر میں ہوں۔''سیفو نے بتایا۔

''خوب' میں یہیں کانونٹ میں سینئر کیمبرج کی سٹوڈنٹ ہوں۔''غزالہ بولی۔

''یہ ہابی بہت اچھی ہے۔ آپ کی مجھے پینٹنگ بڑی پسند ہے۔ مگر کیا کروں ہاتھ ہی نہیں چلتا اس پر...... آپ سکھا دیں گی؟''

سیفو ہنس دی۔ ''میں تو ابھی خود اناڑی ہوں۔ تمہیں کیا سکھاؤں گی۔ بہرحال جو کچھ آتا ہے اس کے لیے حاضر ہوں۔''

''اچھا میرے ہاں آؤ گی نا؟''غزالہ نے بے تکلفی سے سیفو کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ''مجھے ابھی رائیڈنگ کے لیے جانا ہے۔ ورنہ کچھ دیر تمہارے پاس بیٹھتی۔ اچھا دیکھو بھئی مجھے یہ تکلف پسند نہیں کہ تم مجھے غزالہ کہہ کر پکارو اور میں تمہیں صفورا جہاں زیب کہوں۔ مجھے یہاں سب زیگی! کہتے ہیں۔ تم بھی یہی کہہ کر پکارو......اور تمہیں کیا کہہ کر بلاؤں۔ یہ بھی بتا دو......''

''تم مجھے سیفو! کے نام سے پکار سکتی ہو۔''سیفو نے مسکرا کر کہا۔ ''سبھی لوگ مجھے یہی کہہ کر بلاتے ہیں۔''

''ہائے کتنا سویٹ نک نیم ہے۔''غزالہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ وہ صحت مند جسم کے اچھے دلکش نقوش والی لڑکی تھی۔ سیاہ تراشیدہ بال اس کی برہنہ گردن جنیز پہن رکھی تھی۔ اور کافی سمارٹ لگ رہی تھی۔ ''کاش میرا بھی ایسا ہی ہوتا۔''وہ بولی۔

''تم اپنا نک نیم غزل رکھ لو۔ بڑا پیارا لگے گا۔''سیفو نے مشورہ دیا۔

''مارولس'' غزالہ نے تالی بجا کر کہا۔ ''اچھا تم مجھے اسی نام سے پکارا کرو۔ لیکن باقی سب لوگوں کی زبان پر زیگی چڑھا ہوا ہے۔ وہ غزل کہہ کر نہیں پکار سکیں گے۔ اچھا سیفو پیاری خدا حافظ۔ کسی وقت تمہارے ہاں آؤں گی۔ بور تو نہیں ہوئیں میری کمپنی سے؟''وہ ہنسی۔

"کیسی باتیں کرتی ہو؟" سیفو نے بشاشت سے کہا۔ "تم بور کرنے والی مخلوق نہیں ہو۔"

"تھینکس" غزالہ نے جھک کر کہا۔ "اچھا بائی بائی' مجھے افسوس ہے میری وجہ سے تم اپنی تصویر مکمل نہ کرسکیں۔" یہ کہہ کر وہ اچھلتی کودتی کوئی انگلش ٹیون گنگناتی اپنی کوٹھی کی جانب چل دی۔ سیفو کا پینٹنگ موڈ ختم ہو چکا تھا۔ اس نے سامان سمیٹ کر تھیلے میں رکھا اور اس نئی دلچسپ دوست کے بارے میں سوچتی گھر روانہ ہوئی۔



اگلے ہفتے حسب وعدہ غزالہ ملنے آئی۔ سمیرا خاتون بہت محبت سے پیش آئیں۔ اس کی امی کے بارے میں پوچھتی رہیں۔ پھر سیفو اسے اپنے کمرے میں لے آئی۔ غزالہ بڑی بے تکلفی سے اسے اپنے بارے میں سب کچھ بتاتی رہی۔ مثلاً یہ کہ اس کے ابا اصغر علی بہت بڑے کنٹریکٹر ہیں۔ ایبٹ آباد کی اکثر سرکاری و غیر سرکاری عمارتیں انہی نے بنوائی تھیں۔

اور یہ کہ غزالہ کے بڑے بھائی اجمل نے کینیڈا میں فنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہیں شادی کر لی تھی اور وہیں ملازم ہو کر سیٹل ہو گئے۔ ان کے خطوط آتے رہتے ہیں۔ چھوٹے بھائی اکمل ابھی زیر تعلیم ہیں۔ ان کی شادی پھوپھی زاد بہن ثمرانہ سے طے پا گئی ہے۔ بلکہ نکاح بھی ہو گیا ہے۔ غزالہ کی بڑی بہن شہلا! اپنے خاوند کے پاس راولپنڈی میں ہیں۔

"سب سے چھوٹی میں ہوں۔" اس نے ہنس کر بتایا۔ "اور چونکہ آجکل گھر میں اکیلی امی ابا کے ساتھ رہتی ہوں اس لیے گھر بھر پر ہمارا ہی سکہ چلتا ہے۔"

"اور تمہارا انتظام نہیں ہوا اب تک۔" سیفو نے مسکرا کر پوچھا۔

"یعنی شادی وادی؟" غزالہ شرارت سے ہنسی۔ "کیوں نہیں میری انگیجمنٹ ایک کیپٹن سے ہو گئی ہے۔ ان کا نام ہے شفقت علی!"

"پسند ہیں تجھے؟" سیفو نے ٹرانزسٹر آن کرتے ہوئے کہا۔

"سخت......" غزالہ نے کہا۔

"اچھا اب تم اپنے بارے میں کچھ بتاؤ نا......"

''مثلاً کیا بتاؤں؟'' سیفو نے اس کا مدعا سمجھ کر تجاہل سے پوچھا۔
مثلاً یہ کہ آپ خیر سے انگیجڈ ہیں یا نہیں۔ میرج کب ہونی ہے؟ آپ کے منگیتر کیسے ہیں؟ وغیرہ...... بہتیری باتیں ہیں بتانے کی۔'' وہ آنکھیں گھما کر بولی۔
''افسوس کہ ان میں سے ایک بھی ابھی مجھ پر وارد نہیں ہوئی۔ بتاؤں کیا۔'' سیفو نے سنجیدگی سے کہا۔
''جھوٹ'' غزالہ نے انگلی ہلائی۔ ''یہ کوئی ماننے کی بات ہے کہ اس صورت شکل کے باوجود تم ابھی تک آزاد ہو......''
''نہ مانو تو تمہاری مرضی ......'' سیفو نے متانت سے کہا۔ ''ویسے ہے بالکل سچ۔''
''تعجب ہے کہ اس ہیرے پر ابھی تک کسی جوہری کی نظر نہیں پڑی۔'' غزالہ نے حیرانگی سے اسے تکتے ہوئے کہا۔
''شاید ایسا نہ ہو سکنا میری بدقسمتی ہی ہو۔'' سیفو نے مسکرا کر کہا۔ وہ اسے اپنے بارے میں کچھ نہ بتانا چاہتی تھی۔ فائدہ بھی کیا تھا آخر۔
''خیر یہ بات تو نہیں۔'' غزالہ جلدی سے بولی۔ ''مگر حیرت ہے' کچھ یقین نہیں آتا۔ تمہاری فیملی میں لڑکے نہیں ہیں کیا...... یا ان کے منہ پر آنکھیں نہیں ہیں جو تمہیں نہیں دیکھ پائے۔''
''ہمارا خاندان ان کم نصیب خاندانوں میں ہے جن میں لڑکوں کی تعداد لڑکیوں سے کم ہوتی ہے۔'' سیفو نے کہا۔
''کاش! بھائی اکمل کا نکاح ثمرانہ سے نہ ہوا ہوتا تو میں یقینی تمہیں اڑا لیتی۔'' غزالہ نے ایک آنکھ میچ کر کہا۔
''شکریہ! اتنا ترس نہ کھاؤ مجھ پر۔'' سیفو نے ہنس کر کہا۔ اتنے میں ملازم چائے لے کر آ گیا۔ سیفو چائے بنانے لگی اور نمکین باداموں والی طشتری غزالہ کے سامنے کھسکا دی۔
''پکچر آئی ہے بڑے مزے کی ...... دیکھو گی؟'' غزالہ نے بادام اٹھاتے ہوئے کہا۔

''بھئی اسے میرا گنوار پن سمجھو یا کچھ' بہر حال میں پکچرز کی زیادہ شائق نہیں۔'' سیفو نے مسکرا کر کہا۔ ''بہت کم پکچرز دیکھی ہیں میں نے آج تک اور جو دیکھی ہیں انہوں نے متاثر نہیں کیا۔''

''ارے سچ مچ؟'' غزالہ نے تعجب سے کہا۔ ''اور میں اسی قدر ان کی شوقین ہوں۔ خیر یہ ایک پکچر میری خاطر دیکھ لو...... اس کا ہیرو راک ہڈسن ہے۔ ہم لوگ تو اس کی کوئی پکچر مس نہیں کرتے۔''

سیفو کے دل کو دھکا سا لگا۔ طاؤسہ وغیرہ نے کئی بار رازی کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ بالکل راک ہڈسن کا ہم شکل ہے۔ اس وقت رازی کی یاد اس شدت سے آئی کہ اس کے حواس کو شل کر گئی۔ مگر وہ اسے بھولی کب تھی۔ وہ تو اس کی رگ جان سے زیادہ قریب تھا۔ یہ اور بات تھی کہ محض دنیاداری کی خاطر وہ اپنے جذبات دوسروں پر ظاہر نہ ہونے دے۔ اس نے خود کو سنبھال کر رس گلوں کی پلیٹ غزالہ کی طرف بڑھائی۔ اس نے ایک رس گلا اپنی کوارٹر پلیٹ میں لیتے ہوئے کہا ''پھر کیا ارادہ ہے۔ دیکھو گی پکچر؟''

''امید ہے تم مجھے معاف کر دو گی غزل۔'' سیفو نے کہا۔ ''کیا کروں مجھے پکچرز سے کوئی دلچسپی نہیں......''

''اچھا رہنے دو...... کسی روز کلب ضرور لے چلوں گی تمہیں' پھر دیکھوں گی کیسے انکار کرتی ہو۔'' غزالہ نے دھمکی دی۔

دونوں کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں پھر سیفو سے اپنے ہاں آنے کا وعدہ لے کر غزالہ رخصت ہوئی۔

ان کے جانے کے بعد سیفو گم سم سی دریچے میں آ بیٹھی۔ اتنے دنوں سے وہ خود کو بہلاتی رہی تھی۔ ادھر ادھر کی مصروفیات میں گم ہو کر وہ سمجھنے لگی تھی کہ رازی کو بھلانے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ آخر کیا فائدہ تھا سراب کے پیچھے دوڑنے کا۔ ان دونوں کی راہیں الگ الگ تھیں۔ وہ کبھی یکجا نہ ہو سکتے تھے۔ پھر اس خواہ مخواہ کی اذیت سے کیا حاصل تھا۔ لیکن محبت مصلحتوں اور پیش بینیوں کی پابند نہیں ہوتی۔ یہ اس کی بہت بڑی بھول تھی کہ وہ خود کو اس کلیے سے مستثنیٰ سمجھ بیٹھی تھی۔ اسے آج یکلخت یہ پتہ چلا کہ

وہ جتنا اسے بھلانے کی کوشش کرتی ہے۔ اتنا ہی وہ زیادہ قریب ہوتا جاتا ہے۔ خود کو روکنے کے باوجود وہ خیالات کے تند دھارے پر بہتی چلی گئی۔ رازی کے متعلق باتیں یاد آنے لگیں۔ وہ کہاں ہوگا۔ کیا لاہور ہی میں یا کسی دوسری جگہ اسے ملازمت مل گئی ہو گی۔ ہاؤس جاب تو ختم کر چکا ہوگا۔ کیا کبھی وہ مجھ جیسی ناکارہ ہستی کو بھی یاد کرتا ہوگا۔ امید تو نہیں ...... آخری ملاقات میں جس طرح میں نے اس کے جذبات پامال کئے تھے۔ اس کے بعد مشکل ہی ہے کہ میرے بارے میں اچھے خیالات رکھتا ہو۔ لیکن اس سے کیا ہوتا ہے۔ وہ تو تمام عمر اس کے تصور سے چھٹکارا نہیں پا سکے گی۔

کیا مجھ سے بڑھ کر بھی بدقسمت لڑکی کوئی ہو سکتی ہے۔ جسے دو شدید طاقتیں مخالف سمتوں میں کھینچ رہی ہوں۔ اور وہ بے بس ہو کر کبھی ایک طرف دیکھے کبھی دوسری طرف' محبت کے اندھے جذبے اور ماں باپ کی اطاعت اور خاندانی روایات کے درمیان کشمکش جاری تھی۔ اور بیچ میں اس کا وجود پسا جا رہا تھا۔ وہ کیا کرے۔ اس مشکل کا کوئی حل بھی تو نہیں۔ رازی کے بغیر دنیا کی دلچسپیاں ہیچ ہیں۔ یوں لگتا ہے اس کے بغیر زندگی میں کچھ بھی نہیں۔

پھر اسے انوار کا خیال آیا...... اس کے آنے میں بھی صرف دو ماہ رہ گئے ہیں۔ اس پھانسی کے پھندے سے نجات ناممکن نظر آتی ہے۔ کوئی جائے مفر نہیں۔ الٰہی یہ دوہرا عذاب کس طرح برداشت کروں۔ تقدیر کے ان الجھاؤں کو کیسے سلجھاؤں۔

انجانے ہی میں اس کی آنکھوں سے آنسو ڈھلکنے لگے مگر اسے کچھ خبر نہ تھی۔ اپنی پریشانیوں میں وہ یوں گم تھی کہ گردوپیش کا بھی ہوش نہ رہا تھا۔ باہر کچھ آہٹ محسوس ہوئی تو اس نے جلدی سے اٹھ کر غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ دھونا شروع کر دیا۔ مگر یہ سمیرا خاتون نہ تھیں۔ حمیدن تھی جو چائے کے برتن اٹھانے آئی تھی۔



یہ مقوی دواؤں کا اعجاز تھا یا کوہستانی آب و ہوا کی مسیحائی کہ دوسری بار جب سیفو کا چیک اپ کرایا گیا تو وہ بالکل تندرست نکلی۔ ڈاکٹر نے کرنل زیدی کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ لڑکی اب بالکل خطرے سے باہر ہے اور آئندہ بھی مرض کا کوئی اندیشہ نہیں رہا۔ تاہم یہ چند ادویہ لکھ دیتا ہوں۔ احتیاطاً کچھ عرصہ استعمال کراتے رہیں۔

باقی ہدایات وہی ہیں۔ ان پر عمل کرتے رہیئے گا۔

کرنل زیدی نے ڈاکٹر کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ اور کہا کہ چند دن بعد وہ اس کا پھر معائنہ کرائیں گے۔ تاکہ پوری طرح تسلی ہو جائے۔ ڈاکٹر نے کہا کہ اب تیسری بار چیک اپ کی ضرورت میں تو نہیں سمجھتا۔ تاہم اگر آپ کرانا چاہیں تو کروا لیں۔ ضمناً یہ بھی بتایا کہ میرا تو اب ٹرانسفر ہو گیا ہے۔ بس کچھ روز تک چلا جاؤں گا۔

کرنل زیدی کو یہ خبر سن کر صدمہ ہوا۔ وہ کچھ متفکر سے ہو کر چلے آئے۔ موجودہ ڈاکٹر احمد حسن سے ان کے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ وقت بے وقت بچارہ خود آ جاتا۔ ہمیشہ آڑے وقت میں کام آتا رہا تھا۔ اب وہ چلا جائے گا تو نئے ڈاکٹر سے دوستی ہوتے ہوئے بھی بہرحال دیر لگے گی۔ اور ان لوگوں سے شناسائی ہونی بہت ضروری ہوتی ہے۔

گھر پہنچ کر سمیرا خاتون کو کرنل زیدی نے سیفو کے مکمل طور پر صحت یاب ہونے کی خوش خبری سنائی اور اپنے کمرے میں آ کر پرنسپل صاحب کو خط لکھنے بیٹھے۔ وہ بڑی باقاعدگی سے سیفو کی صحت کے بارے میں ہفتہ وار رپورٹ پرنسپل جہاں زیب کو بھیجا کرتے تھے۔

اس ڈیڑھ ماہ کے عرصے میں نازیہ کے دو خط سیفو کے نام آ چکے تھے۔ سیفو بھی بڑی مستعدی سے جواب لکھتی تھی۔ آج ہسپتال سے واپس آنے پر سیفو کو نازیہ کا تیسرا خط ملا جس میں اس کی صحت کے بارے میں اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے اس نے لکھا تھا۔ شکر ہے خدا کا کہ تمہاری صحت اب ٹھیک ہو گئی ہے۔ بہت یاد آتی ہو۔ رازی ہاؤس جاب ختم کر کے اب ملازمت کا انتظار کر رہے ہیں۔ کچھ دنوں تک ان کے پوسٹنگ آرڈر آ جائیں گے...... پھر اس نے حیرانگی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا...... کہ گزشتہ ایک دو مہینے سے رازی کا عجب رویہ ہو گیا ہے۔ وہ پرانا رازی ہی نہیں رہا۔ بات بات پر کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔ کئی کئی دن شکل نہیں دکھاتا یا باہر رہتا ہے۔ یا اپنے کمرے میں۔ نہ جانے اس کی ہنس مکھ عادت کو کیا ہوا کسی دلچسپی میں بھی حصہ نہیں لیتا۔ اکثر خاموش رہتا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ چچا جان نے اس کو فوج میں جانے کی اجازت جو نہیں دی۔ اس وجہ سے چڑچڑا ہو گیا ہے۔ اس کی صحت پر بھی اس بات کا کافی اثر پڑا

ہے۔ چچا جان کو اپنے جوان لڑکے کی خواہش کا احترام کرنا چاہیے تھا...... ابھی پندرہ دن ہوئے چچی تو قیر جہاں کے اصرار پر میں نے رازی کے لیے ایک نہایت اچھی جگہ رشتہ ڈھونڈا مگر رازی نے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ میرے ساتھ خوب لڑا کہ بغیر میرے پوچھے آپ ایسے گل کیوں کھلایا کرتی ہیں...... اتنا سعادت مند تھا پتہ نہیں اسے کیا ہو گیا ہے۔

نازیہ نے اپنے خط میں اور بھی بہت سی باتیں لکھی تھیں۔ لیکن سیفو کو ان سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس نے خط کا وہ حصہ بار بار پڑھا جس میں رازی کے بارے میں لکھا تھا...... اس کا دل گواہی دیتا تھا کہ رازی کی بدمزاجی محض اسے کھو دینے کی وجہ سے ہے۔ وہ اپنی محبت کی ناکامی پر جھنجلا گیا ہے۔ اور اسی دکھ نے اس کے مزاج میں تغیر پیدا کر دیا ہے اور آپا نازیہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ یہ چڑچڑاپن فوج میں جانے کی اجازت نہ ملنے پر ہے۔ اسے یقین تھا کہ ایسا نہیں ہے۔ ورنہ وہ شادی سے انکار کیوں کرتا...... کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ ابھی تک اس کی آس لگائے بیٹھا ہو اور قسمت نے ہمارے درمیان جو ناقابل عبور خلیجیں حائل کر رکھی ہیں ان سے بے خبر ہو...... اگر ایسا ہوا تو یہ تقدیر کی بہت بڑی ستم ظریفی ہو گی۔ اسے شادی کر لینی چاہیے۔

سیفو یہ ساری باتیں خود سے کہہ رہی تھی لیکن دل کے ایک گوشے میں رازی کے انکار سے ایک نامعلوم سی مسرت بھی کروٹیں لے رہی تھی۔ وہ تیرا ہے۔ اس کے دل نے دھڑک کر کہا۔ اس کے دل میں ابھی تک تیری محبت موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے شادی سے انکار کر دیا کہ اگر وہ تجھے نہیں پا سکا تو کوئی اور بھی اسے نہ پا سکے گا۔ اس نے تو اپنی محبت کی لاج رکھ لی ہے لیکن تم سے تو اتنا بھی نہ ہو سکے گا۔ تمہیں تو والدین کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا پڑیگا...... جو طوق وہ تمہارے گلے میں ڈال دیں۔ خاموشی سے قبول کر لینا ہو گا...... وہ دیر تک اپنے وجود پر لعنتیں بھیجتی رہی۔

شام کو غزالہ کا رقعہ ملا۔ اس نے اپنی اور اپنے والدین کی طرف سے سیفو کو مع سمیرا خاتون اور کرنل زیدی کے پکنک کی دعوت دی تھی۔ سیفو رقعہ لیے ہوئے سمیرا خاتون کے پاس پہنچی۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھی اس کے لیے ایک زرد رنگ کا سویٹر بن رہی تھیں۔ سیفو پاس جا کر بیٹھ گئی۔

''پھوپھو جان'' اس نے لاڈ سے کہا ''یہ غزالہ کا دعوت نامہ آیا ہے۔''

سمیرا خاتون رقعہ لے کر پڑھنے لگیں۔ پھر مسکرا کر سیفو کو دیکھا ''تم اس روز ان کے ہاں گئی تھیں۔ کیسے لوگ ہیں۔ میرا مطلب ہے اس کی امی اور ابا کا برتاؤ تمہارے ساتھ کیسا تھا.....''

''بے حد مخلص اور پیارے لوگ ہیں پھوپھی جان'' سیفو نے جوش سے کہا ''بڑی ہی محبت سے پیش آتے تھے۔ بلکہ آنٹی تو بار بار کہتی تھیں کہ اگلی دفعہ اپنی پھوپھی جان کو بھی ہمراہ لانا...... بلکہ شاید ہم ہی کسی وقت آئیں۔ بہت دل چاہتا ہے ملنے کو۔''

''تو بس پھر ٹھیک ہے۔'' سمیرا خاتون نے محبت سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ''تم جواب لکھ دو کہ بخوشی آئیں گے۔''

''بہت اچھا میں ابھی لکھے دیتی ہوں۔'' سیفو نے اٹھتے ہوئے کہا ''آپ چچا جان کو بھی بتا دیں۔ کل تیار رہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو وہ گاف کھیلنے چل دیں۔''

''نہیں نہیں تم اطمینان رکھو۔ میں ان سے کہہ دوں گی۔'' سمیرا خاتون نے ہنس کر کہا۔

سیفو نے کمرے میں آ کر غزالہ کو رقعہ لکھا۔ جس میں شکریہ ادا کرنے کے بعد بتایا کہ وقت مقررہ پر ہم سب پہنچ جائیں گے۔

گزشتہ ہفتے وہ غزالہ کے ہاں گئی تھی۔ بیگم اصغر بہت ہی محبت سے ملی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد غزالہ کے والد اصغر صاحب بھی وہاں آ گئے ان کا برتاؤ بھی بے حد مشفقانہ تھا۔ پھر غزالہ اسے اپنے کمرے میں لے گئی تھی۔ جہاں ہر طرف بے شمار انگلش میوزک کے ریکارڈ بکھرے پڑے تھے، پاس ہی نیچی سی میز پر ریڈیو گرام رکھا تھا۔ ایک جانب بڑے سے شیلف میں انگریز مصنفین کی جاسوسی کی کتابیں الٹی سیدھی ٹھنسی تھیں۔ سامنے شیشے کی اونچی سی الماری میں آٹھ دس گڑیاں سجی تھیں۔ کسی کے بال سنہری تھے کوئی اونچی ایڑی کی سینڈل پہنے تھی۔ ایک سیاہ رنگ کی حبشن گڑیا بھی ایک کونے میں پڑی تھی۔ اس کے ساتھ ہی خوبصورت کمونو پہنے اور بالوں کے سہ منزلہ جوڑے میں جھالریں لگائے جاپانی گڑیا کھڑی تھی۔

''یہ میرے بچپن کی گڑیاں ہیں۔'' غزالہ نے اترا کر کہا تھا۔ ''دیکھو کتنی سنبھال کر رکھی ہوئی ہیں'' پھر اس نے سیفو کو جاسوسی کی کتابیں دکھا کر پڑھنے کی دعوت دی

تھی۔لیکن سیفو کو جاسوسی ادب سے کوئی دلچسپی نہ تھی اس لیے اس نے کوئی کتاب نہ لی۔
البتہ وہ غزالہ کے دیئے ہوئے کامک دیکھ دیکھ کر لطف اندوز ہوتی رہی۔جن میں بہت
مزیدار کلاسیکی قصے مصور کئے گئے تھے پھر غزالہ نے انگلش میوزک پر ٹوئسٹ ڈانس کر کے
دکھایا۔

''میں بال روم ڈانسنگ بھی جانتی ہوں'' اس نے بڑے فخر سے سیفو کو مطلع کیا
تھا۔

ان سب باتوں کے بعد پر تکلف چائے پلا کر گویا غزالہ نے مہمان نوازی کی
حد کر دی تھی۔اپنی طرف سے اپنی عزیز دوست کو خوش کرنے میں اس نے کوئی کسر نہ اٹھا
رکھی تھی اور واقعی سیفو کو اس خبطی سی لڑکی کے پاس بیٹھ کر برائے چندے اپنے دکھ درد
بھول جاتے تھے۔شام کو غزالہ اسے خود کوٹھی تک چھوڑنے آئی تھی۔



دوسرے روز صبح ہی سے دونوں گھروں میں پکنک پر جانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ گو غزالہ نے لکھ دیا تھا کہ تمام لوازمات کی ذمہ داری ہم پر ہو گی۔ تاہم سمیرا خاتون نے بالکل ہی خالی ہاتھ جانا مناسب نہ سمجھا۔ بڑی لگن سے انہوں نے خود اپنے ہاتھ سے مرغی کے تکے' شیر مالیں اور آلو کے کباب تیار کئے۔ سیفو کی وجہ سے ان کی بے رس اور جامد زندگی میں بھی بہار آ گئی تھی۔

کرنل زیدی بھی اپنے مووی کیمرے اور واکنگ سٹک سے لیس ہو کر آ گئے۔ کچھ سیفو کی خوشنودی کی خاطر انہوں نے یہ دعوت قبول کر لی تھی۔ کچھ یوں بھی وہ یار باش قسم کے انسان تھے۔ اور نئے نئے دوست بنانا پسند کرتے تھے۔ ویسے حیرت کی بات تھی کہ ابھی تک اصغر علی کے کنبے سے ان کی صاحب سلامت نہ ہوئی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ کرنل صاحب کلب نہیں جاتے تھے۔ ورنہ اصغر علی سے ملاقات ضرور ہو جاتی۔ گھروں میں جانے کے وہ زیادہ قائل نہ تھے۔ ہاں البتہ اگر اصغر علی گالف کے رسیا ہوتے تو ان کی دوستی ہو جانے میں یہ چیز ممد ثابت ہوتی۔

ناشتے کی باسکٹ اور چائے کی تھرماس کار میں رکھ کر یہ مختصر سا قافلہ اصغر صاحب کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ غزالہ گیٹ پر ملی' سیفو سمیرا خاتون اور کرنل زیدی نیچے اتر آئے۔ غزالہ آج خلاف معمول شلوار قمیض میں ملبوس تھی۔ اس نے انکل اور آنٹی کو سلام کیا۔ اتنے میں اصغر علی اور ان کی بیگم بھی آ گئے۔ دونوں میاں بیوی بڑے تپاک سے کرنل زیدی اور سمیرا خاتون سے ملے اور رسمی باتیں ہونے لگیں۔

''شکر ہے بچیوں کی بدولت آپ سے ملاقات ہو گئی۔'' بیگم اصغر ہنس کر بولیں۔ ''ورنہ ہم لوگ اتنے سال سے قریب رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے بیگانہ

تھے۔"

"واقعی ایٹی کیٹ کے خلاف تھی یہ چیز۔" اصغر علی بولے۔ "دراصل ہمیں ایک دوسرے کا پتہ ہی نہیں چلا کہ تقریباً پڑوس میں رہتے ہیں۔"

کرنل زیدی نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "ٹھیک کہتے ہو میاں! آجکل کے بچے ہی بڑوں کو راہ پر لا رہے ہیں۔"

"آپ کا شکریہ ادا کرنا تو رہا ہی جاتا ہے۔" سمیرا خاتون بولیں۔ "اس پکنک پر مدعو کرنے کا شکریہ قبول کریں۔"

"اس میں شکریہ کی کیا بات ہے؟" بیگم اصغر ہنسیں۔ "میں تو بلکہ آپ کی مشکور ہوں کہ آپ نے ہماری دعوت قبول کر لی اور اس بہانے ہمیں اپنی زیارت کا موقع دیا۔"

"اچھا یہ شکریہ وغیرہ تو بعد میں ادا ہوتے رہیں گے۔" اصغر علی بولے۔ "فی الحال تو چلنا چاہیے۔ کافی دیر ہو گئی ہے۔"

اتنے میں دو نوکر بڑے بڑے ٹوکروں میں کچھ برتن اور پکنک پر لے جانے کی ضروری چیزیں ڈال کر لے آئے۔ جو انہوں نے کرنل زیدی اور اصغر صاحب کی کاروں میں رکھ دیں۔ ایک نوکر چائے وغیرہ پکانے اور کھانا گرم کرنے کے لیے ساتھ جا رہا تھا۔ لڑکیوں کو پتہ چلا تو انہوں نے شور مچایا کہ اسے لے جانے کی ضرورت نہیں۔ یہ سارا کام ہم خود کریں گے۔

چنانچہ اسے واپس بھیج دیا گیا۔

آگے پیچھے دونوں کاروں میں یہ لوگ روانہ ہوئے۔ راستہ بیحد سرسبز تھا۔ تنگ سڑک کے دونوں جانب جنگلی گلاب کی بیلیں بے تحاشا اگی ہوئی تھیں۔ گلابی رنگ کے پھولوں کی ہر طرف بھرمار تھی۔ فضا میں ان کی شیریں خوشبو رچی تھی۔

"ہم جا کہاں رہے ہیں غزل؟" سیفو نے باہر دیکھتے ہوئے آہستہ سے پوچھا۔ یہ دونوں اگلی کار میں تھیں۔ جسے کرنل زیدی ڈرائیو کر رہے تھے۔

"پہلے الیاسی مسجد جائیں گے۔ پھر تھائی ریسٹ ہاؤس میں لنچ کھائیں گے۔ بڑی پر فضا جگہیں ہیں یہ دونوں ......" غزالہ نے مٹھی بھر چلغوزے ٹوکری سے نکال کر آدھے سیفو کو دیتے ہوئے کہا۔

''اچھا یہ بتاؤ۔ آج شلوار قمیض کس وجہ سے پہنی ہے۔ تم تو سلیکس کے سوا کچھ پہنتی ہی نہیں۔'' سیفو نے پوچھا۔

''بتایا نہیں۔ الیاسی مسجد جا رہے ہیں ہم۔''

''پھر......؟'' سیفو نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

''پھر یہ سیفو صاحبہ کہ میں بھی مسلمان ہوں نا...... جینز وغیرہ میں مسجد کے اندر قدم رکھتے شرم آتی ہے......'' غزالہ نے سنجیدگی سے کہا۔

سیفو مسکرا دی۔ ''یہ جان کر مجھے بڑی ہی خوشی ہوئی ہے غزل کہ اوپر سے انگریز ہونے کے باوجود تمہارا دل ابھی تک مسلمان ہے۔'' اس نے پیار سے کہا۔

''کیا جینز پہننا انگریز ہونے کی نشانی ہے؟'' غزالہ نے پوچھا۔

''اور نہیں تو کیا تمہارے خیال میں یہ عربوں کا لباس ہے؟''

''ارے آج کل تو عرب ممالک نے بھی یورپین لباس اپنا لیا ہے۔'' غزالہ مسکرا کر بولی۔ ''تم ہو کس خیال میں......''

''ٹھیک ہے لیکن نہ ان کا یہ کلچر ہے نہ ہمارا...... ان کا قومی لباس بھی موجود ہے اور ہمارا بھی۔'' سیفو نے سنجیدگی سے پلکیں جھپکائیں۔

''اچھا یہ بتاؤ ہمارا قومی لباس کونسا ہے۔'' غزالہ نے ازرہ مذاق پوچھا۔

''غزل! یہاں کسی خاص قسم کے لباس سے بحث نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ کونسا لباس پہن کر تم اسلامی اقدار کو ریپرزنٹ کرتی ہو؟ اور کونسا لباس پہن کر ان کی نفی کرتی ہو؟ تمہارے خیال میں جینز، سلیکس اور بلاؤز ہمارے مذہب اور ثقافت کی نمائندگی کرتی ہیں یا شلوار، غرارہ قمیض اور دوپٹہ...... میرا مقصد تمہیں نصیحت کرنا یا تمہیں کسی دوسری راہ پر چلانا نہیں۔ یہ کام تمہارے والدین کا ہے۔ میں تو یونہی تمہاری بات کا جواب دے رہی ہوں۔'' سیفو نے متانت سے کہا۔ اس وقت اس کی سبزی مائل سنہری آنکھیں بے حد سنجیدہ اور پروقار نظر آ رہی تھیں۔ گلابی بھرے بھرے لبوں کے آس پاس مسکراہٹ کا کہیں نشان نہ تھا۔ وہ روز کی بھولی بھالی خاموش سی سیفو سے کتنی مختلف نظر آ رہی تھی۔

گھمبیر اور پرتمکنت! غزالہ حیران سی اسے دیکھے جا رہی تھی۔

''تمہاری باتیں دل کو لگتی ہیں سیفو۔'' اس نے دھیرے سے کہا۔ ''مجھے ان پر اپنی عادت کے خلاف غور کرنا ہی پڑے گا۔ گو یہ وے آف لائف میری فطرت بن چکا ہے۔ تاہم دیکھوں گی اس میں کوئی تبدیلی کر سکتی ہوں یا نہیں۔''

''پیاری بہن کبھی سوچا تم نے کہ غیر ملکی حضرات ہمیں اپنے انداز کی نقل کرتے دیکھ کر کیا سوچتے ہوں گے یہی کہ یہ قوم کتنی تہی دست ہے اس کے پاس اپنا کچھ بھی نہیں، نہ لباس نہ زبان۔''

سیفو نے کہا۔ ''میرا مقصد تم پر یا کسی اور پر تنقید کرنا نہیں۔ لیکن یہ ٹوئسٹ ڈانس، یہ بلیلو اور باردو ہیئر سٹائلز، یہ ہوز پائپ پتلونیں اور نوکدار جوتے، سچ بتاؤ یہ ساری چیز امریکن فلموں میں نظر نہیں آتیں؟ اور یہی ہمارے ہاں بھی رائج ہیں، ہے نا ہنسی کی بات؟''

کرنل زیدی چپکے بیٹھے ڈرائیونگ کر رہے تھے اور دونوں کی باتیں سن سن کر لطف اندوز ہو رہے تھے اب نہ رہ سکے۔ ہنس کر بولے۔ ''تم دونوں کی باتیں سن کر میں بہت خوش ہوا ہوں۔ تعلیم یافتہ ہونے کی اصل نشانی یہی ہے کہ انسان نہ صرف غلط اور صحیح میں تمیز کرنا سیکھے بلکہ اس کے برملا اظہار پر بھی قادر ہو۔ لیکن سیفو بیٹی یہ تو بتاؤ کہ تمہارے کہنے کے مطابق اگر میں بھی اپنی برسوں کی سوٹ پہننے کی عادت ترک کر کے شیروانی وغیرہ پہننا شروع کر دوں تو کس قدر مضحکہ خیز بات ہو گی۔ کیونکہ یہ لباس میری عادت ثانیہ بن چکا ہے۔ پھر جن لوگوں نے کئی سالوں سے مجھے اسی لباس میں دیکھا ہے۔ وہ میری اس کایا پلٹ پر ہنسیں گے نہیں کہ بجائے پتلون قمیض اور ہیٹ کے شلوار قمیض اور ٹوپی پہنے چلا جا رہا ہوں۔

''چچا جان اگر ایک شاندار مقصد سامنے رکھ کر پورے اعتماد کے ساتھ انسان خود میں تبدیلی پیدا کرے اور احساس کمتری کا شکار نہ ہو تو لوگوں کی جرأت نہیں ہو سکتی کہ اس پر ہنسیں۔'' سیفو نے ادب سے کہا۔ ''اور ویسے بھی ہر انقلاب کے آغاز میں لوگ ہنسا ہی کرتے ہیں۔ ان کے ہنسنے کی پروا کی جائے تو ایک بہترین آئیڈیل سے محروم ہونا پڑتا ہے۔''

کرنل زیدی دیر تک سر ہلاتے رہے۔ گو معلوم ہوتا تھا کہ سیفو کے خیالات

سے انہیں کلی طور پر اتفاق نہیں۔

اب الیاسی مسجد آ گئی تھی۔ یہ لوگ اتر پڑے۔ دونوں لڑکیاں، بیگم اصغر اور سمیرا خاتون سروں پر دوپٹے اوڑھے اندر داخل ہوئیں۔ اونچے اونچے پہاڑوں کے دامن میں سفید رنگ کی یہ نازک اندام اور خوبصورت مسجد، پاکیزگی اور حسن کا مظہر نظر آتی تھی۔ بڑے کمرے کی چھتوں پر بے حد نفیس نقش کاری کی گئی تھی۔ نچلے حصے میں ایک کمرے کے اندر قدرتی چشمہ محصور کیا گیا تھا۔ فرش کی جگہ اس میں پانی سے لبالب بھرا ہوا حوض تھا۔ جس میں سے ننھی ننھی شفاف پانی کی نالیاں لہراتی ہوئی نکلتی تھیں۔ سیفو اور غزالہ نے جوتے ہاتھ میں لے رکھے تھے۔ وہ پانی میں پاؤں ڈال کر جھلانے لگیں۔ دونوں نے چلو میں بھر کر کچھ پانی پیا بھی، بے حد ٹھنڈا اور شیریں تھا۔

بزرگ حضرات ایک جانب پتھروں پر بیٹھ گئے تھے۔ کرنل زیدی کیمرہ نکالے پہاڑ اور مسجد کے مناظر لے رہے تھے۔ کچھ دیر یہ لوگ اسی طرح سیر کرتے رہے۔ پھر سب کے ہمراہ باہر آ گئے۔ باہر کی طرف مسجد سے ملحق ایک بڑا سا تالاب تھا۔ جس میں پلی ہوئی بڑی بڑی مچھلیاں انسانوں سے اس قدر ہلی ہوئی تھیں کہ دور سے لوگوں کو آتا دیکھ کر منہ کھولے پاس تیر آئیں سیفو اور غزالہ نے وہیں سے خرید کر کچھ پکوڑے اور چنے ان کو ڈالے تو فوراً چٹ کر گئیں۔

الیاسی مسجد کے بعد یہ لوگ کارواں میں سوار ہو کر تھائی ریسٹ ہاؤس کی طرف چلے۔ راستے میں ایک بہت بڑا سرکاری باغ تھا۔ یہاں پہنچ کر کرنل زیدی نے کار ٹھہرالی اور کھڑکی میں سے منہ نکال کر اصغر علی سے مخاطب ہوئے۔ ”بھئی میں ان لڑکیوں کو ذرا بوٹنی کے کچھ سبق دے لوں۔ یہاں بے شمار ایسے درخت ہیں جو اس سے پہلے انہوں نے کبھی نہ دیکھے ہوں گے۔“

”بہت اچھا آپ جایئے ہم یہیں رک جاتے ہیں۔“ اصغر علی نے جواباً ہنس کر کہا۔

سیفو اور غزالہ کرنل زیدی کے ہمراہ اندر داخل ہوئیں اور بڑے بڑے عظیم الشان درخت دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ واقعی ان میں اکثر ایسے تھے جو انہوں نے پیشتر ازیں کبھی نہ دیکھے تھے۔ غزالہ نے بوٹنی کا سبجکٹ لے رکھا تھا وہ بڑے غور سے انہیں

دیکھنے لگی۔ درختوں کے تنوں کے ساتھ ان کے ناموں کی تختیاں لگی تھیں۔

''ارے یہ دیکھو کالی مرچ'' سیفو نے ایک تناور درخت کے نیچے سے پکارا۔

غزالہ بھاگتی ہوئی آئی ''ارے قسم خدا کی کالی مرچ ہی ہے'' وہ اس کے ساتھ لگے ہوئے گچھے توڑتی ہوئی بولی ''میں سمجھتی تھی کہ منے منے پیڑ ہوتے ہوں گے کالی مرچ کے مگر یہ تو ماشاء اللہ اتنا بڑا درخت ہے اور اس کا پھل دیکھو کتنا چھوٹا سا۔''

کرنل زیدی نے دونوں کو خوب سیر کرائی پھر یہ تینوں واپس آئے۔

''کہو کیسی رہی سیر'' اصغر علی نے جھانک کر غزالہ سے پوچھا ''کچھ معلومات حاصل ہوئیں؟''

''بہت زیادہ'' غزالہ نے گرمجوشی سے کہا ''ڈیڈی یہ درخت تو پہلے آپ نے کبھی دکھائے ہی نہیں تھے۔ آج میری معلومات میں بہت اضافہ ہوا۔''

کاریں پھر روانہ ہوئیں۔ اس دفعہ منزل مقصود تھائی ریسٹ ہاؤس تھا۔ وہاں پہنچ کر سب اتر پڑے۔ ڈکی سے چیزیں نکالی گئیں۔ ریسٹ ہاؤس زمین سے کچھ بلندی پر پہاڑ کے دامن میں واقع تھا۔ عمارت کوئی خاص خوبصورت نہ تھی۔ البتہ اردگرد خوبانی وغیرہ کے پیڑوں کی وجہ سے ماحول کافی دلکش لگتا تھا۔ کچھ ہی دور سڑک کے دوسری جانب ایک پہاڑی نالہ بہتا تھا۔ سرمئی اور سفید پتھروں پر اس کا شفاف اور نتھرا ہوا پانی بڑا پیارا لگتا تھا۔ سیفو اور غزالہ کافی دیر اس میں ننگے پاؤں چلتی رہیں۔ پانی ان کے ٹخنے ٹخنے تھا۔ انہوں نے کچھ دور جا کر ایک پن چکی بھی دیکھی۔ پھر پہاڑ پر چڑھیں اتریں۔ اتنے میں دوپہر ہو گئی۔ تو سب لوگ کھانے کے لیے ریسٹ ہاؤس میں اکھٹے ہو گئے۔

باہر بادل گھر آئے تھے اور بونداباندی ہونے لگی تھی۔ کھانا سب ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

''جاؤ بیٹیو'' کرنل زیدی مسکرا کر ایزی چیئر پر دراز ہوتے ہوئے بولے ''اب کھانا گرم کر کے لاؤ...... اس کے بعد چائے بھی بنانی پڑے گی۔''

''جی...... ابھی گرم کر کے لاتے ہیں۔'' غزالہ نے ہاٹ کیس کھولتے ہوئے کہا ''اور فکر نہ کیجئے انکل آپ کو چائے بھی ملے گی۔''

''اور وہ بھی بڑی مزیدار......'' سیفو نے ٹوکرے میں سے برتن نکالتے ہوئے کہا۔

''دیکھنا ہے'' بیگم اصغر ہنس کر بولیں ''آج کیا کچھ سنوارتی ہو اور......''

''اور کیا کچھ بگاڑتی ہو......'' غزالہ نے شرارت سے کہا ''نہیں ممی آپ دیکھئے گا ہم کتنی سگھڑ بیٹیاں ثابت ہوتی ہیں۔''

اتنے میں ریسٹ ہاؤس کا بوڑھا چوکیدار بھی آ گیا اور دانت نکال کر بڑے عجز سے بولا: ''سرکار آپ کیوں تکلیف کرتی ہیں۔ لائیے مجھے دیجئے۔ میں کر دیتا ہوں سب کام۔''

''نہیں بابا...... ہم خود کریں گے سب کچھ'' غزالہ نے نرمی سے کہا۔ ''البتہ تم صرف ہمیں آگ جلا دو یا پھر بعد میں برتن دھو دینا......''

چوکیدار نے آگے بڑھ کر برتنوں کا ٹوکرا اٹھا لیا۔ لڑکیوں نے ہاٹ کیس سنبھالے اور کچن کی طرف چل دیں۔

تھوڑی دیر بعد بڑے سلیقے سے گرم کھانا ڈونگوں میں ڈال کر کچھ پلیٹوں میں سجائے' ساتھ چمچے وغیرہ رکھے دونوں آن پہنچیں......

''سپیشل میل سروس'' غزالہ نے جھک کر بیروں کی طرح کہا۔

''واقعی کمال کر دیا تم دونوں نے......'' بیگم اصغر سب چیزیں دیکھ کر بولیں۔

''بھئی آج چیزیں ہی مزیدار ہیں یا اس لیے اچھی لگ رہی ہیں کہ ہماری بیٹیوں نے گرم کی ہیں۔'' اصغر علی نے ہنس کر لقمہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''ہاتھ واتھ تو نہیں جلایا کہیں'' کرنل زیدی محبت سے بولے۔ وہ چانپیں کھانے میں مگن تھے۔

''نہیں انکل ہم کوئی ایسے اناڑی ہیں۔'' غزالہ نے کہا ''پوچھیئے ممی سے میں ہر اتوار کو گھر پر کھانا پکاتی ہوں یا نہیں۔''

''بڑی اچھی بات ہے۔ دیکھو نا اب یہ مشق کتنے کام آئی'' سمیرا خاتون بولیں۔

''اور یہ سیفو تو باقاعدہ پلاؤ' فیرنی' کباب وغیرہ نہایت اچھے بناتی ہے۔''

''اچھا یہ بتایئے آپ نے اتنا تکلف کیوں کیا'' بیگم اصغر نے سمیرا خاتون سے مخاطب ہو کر کہا ''میں نے تو کہلا دیا تھا کہ کل انتظام میرے ذمہ ہے۔''

''برا لگتا ہے انسان اگر بالکل ہی خالی ہاتھ شامل ہو'' سمیرا خاتون نے کہا ''اور ویسے چیزیں بھی کونسی ہیں۔تکلف تو اصل میں آپ نے کیا ہے۔''

اصغر علی اور کرنل زیدی کھانا کھاتے ہوئے باہم کسی دلچسپی کے موضوع پر باتیں کر رہے تھے۔سیفو اور غزالہ الگ ایک جانب کھڑکی میں چڑھی کھانا کھا رہی تھیں۔باتیں جاری رہیں اور اسی طرح پر لطف طریقے پر کھانا ختم ہوا۔کھانے کے بعد چوکیدار چائے بنا لایا۔پھر جوٹھے برتن دھو کر انہیں ٹوکروں میں لگانے لگا۔اب شام کے پانچ بج رہے تھے۔ان لوگوں نے جانے کی ٹھہرائی۔سارا سامان کاروں میں رکھ کر خود بھی سوار ہو گئے۔جاتی دفعہ بیگم اصغر نے چوکیدار کو پانچ روپے انعام دیا۔





غزالہ اپنی پھوپھی زاد بہن نسرین عباس کے انگلینڈ سے اکنامکس کی ڈگری لانے کے اعزاز میں اصغر علی کلب میں ڈنر دے رہی تھی۔ غزالہ سیفو کو ہمراہ لے جانا چاہتی تھی۔ لیکن سمیرا خاتون رضامند نہ تھیں۔ آخر غزالہ نے ٹھنکتے ہوئے کہا۔ ''آنٹی اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں۔ خدا کی قسم سیفو کی یوں حفاظت کروں گی جیسے خود اپنی بہن کی کر سکتی ہوں۔''

''یہ بات نہیں غزالہ!'' سمیرا خاتون نے نرم لہجے میں کہا۔ ''اصل میں بھائی جان اس چیز کے مخالف ہیں کہ سیفو ہمارے بغیر کہیں جائے۔ تم جانتی تو ہو کہ وہ پرائی بیٹی ہے۔ ہم پر اس چیز کی بڑی ذمہ داری ہے۔''

''اس ذمہ داری کو میں نبھاؤں گی۔'' غزالہ نے سنجیدگی سے کہا۔ ''آپ دیکھئے تو سہی اور پھر سیفو خود کونسی بچی ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں اس کا پندار اور خود اعتمادی اس کی حفاظت کر سکتی ہے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن......''

''لیکن ویکن کچھ نہیں آنٹی!'' غزالہ نے مچل کر کہا۔ ''میں آپ سے اجازت لے کر ہی جاؤں گی اسے ضرور میرے ساتھ بھیجئے...... اس کے بغیر میرا دل نہیں لگے گا۔ اتنی پیاری سہیلی ہے وہ میری اور آپ اس کو میرے ہمراہ نہیں بھیج رہیں۔''

وہ روہانسی ہو گئی۔ تو زچ ہو کر سمیرا خاتون نے اجازت دے دی۔ ''اچھا بھئی لے جاؤ اسے لیکن کلب کا ماحول مجھے یقین ہے اسے راس نہیں آئے گا۔ اور وہ تم پر ضرور ناراض ہو گی۔''

''میں اسے منا لوں گی۔ آپ فکر نہ کریں۔ اجازت دینے کا بہت بہت شکریہ

آنٹی۔'' یہ کہہ کر غزالہ اچھلتی کودتی سیفو کے کمرے میں آئی اب سیفو کو منانے کا مرحلہ باقی تھا۔ لیکن اس میں خلاف توقع کوئی مشکل نہ پیش آئی۔ وجہ یہ تھی کہ وہ آج دن بھر بڑی بور رہی تھی۔ اس لیے ایک شغل کا امکان اسے اچھا لگا۔ پھر کلب لائف اس نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس کا دل چاہا کہ اس پردے کے پیچھے جھانک کر اپنا تجسس مٹائے۔ چنانچہ وہ رضامند ہو گئی۔ غزالہ اسے آج رات سات بجے تیار رہنے کا وقت بتا کر اپنے گھر چلی گئی۔

ابھی چھ ہی بجے تھے۔ سیفو اپنے کمرے میں پلنگ پر نیم دراز رسالہ پڑھنے میں مصروف تھی کہ پردہ ہٹا کر غزالہ اندر داخل ہوئی۔ اس نے نارنجی ٹافتا کا لہنگا سوٹ پہن رکھا تھا۔ سرمئی زرکار سٹول شانوں پر پڑا تھا۔ اس نے اپنے تراشیدہ بالوں کو سمیٹ کر جوڑا بنا لیا تھا۔ جس پر سے چاندی کی زنجیریں اور موتیوں کی لڑیاں آبشار کی صورت میں نیچے لٹک رہی تھیں۔ کانوں میں لمبے لمبے جھلمل کرتے آویزے تھے۔ جو اس کے گول چہرے پر بہت بھلے لگ رہے تھے۔

''ماشاءاللہ! چشم بددور!...... یہ آج کس کے قتل کے سامان ہیں۔'' سیفو ہنستی ہوئی اٹھ بیٹھی۔

''اچھا خیر میری تعریفیں تو بعد میں کرنا۔'' غزالہ اپنی رسٹ واچ دیکھتی ہوئی مسکرائی۔ ''پہلے اٹھ کر جلدی سے تیار ہو جاؤ اور سن لو کہ آج تمہارے بال میں بناؤں گی۔ وہی روزانہ والا سٹائل دیکھ دیکھ کر تنگ آ گئی ہوں۔''

''بھئی میں تو تیار ہوں۔'' سیفو نے اپنے سفید لباس پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''اور کونسی تیاری کرنی ہے؟''

''اسی لباس میں کلب جاؤ گی؟'' غزالہ نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ ''خدا کے واسطے سیفو کبھی تو انسان بن جایا کرو۔ یہ ننوں والا لباس پہن کر کلب جاؤ گی؟ مجھے جان بوجھ کر چڑانے سے پتہ نہیں تمہیں کیا ملتا ہے۔'' وہ روٹھ کر بیٹھ گئی۔

''تو کیا خرابی ہے اس میں ......'' سیفو نے مسکرا کر کہا۔ ''اچھا تم بتاؤ مجھے کیا پہننا چاہیے بھئی۔ صاف بات ہے میں کبھی کلبوں وغیرہ کے ہنگاموں میں شامل نہیں

ہوئی اور کالج کے فنکشنز میں لباس کی کوئی خاص پروا نہیں کرتی تھی۔ جو ہاتھ لگتا پہن لیتی۔"

"تم ہی بتاؤ میرے ساتھ جاؤ گی تو میرا تمہارا کنٹراسٹ شدید طور پر نظر نہیں آئے گا؟" غزالہ نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ "میں اتنے زرق برق لباس میں اور تم بوڑھوں کی طرح ایسے سادہ کپڑے پہنے ہوئے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو سخت نمایاں کریں گی۔ اس سے تو بہتر ہے نہ جاؤ۔"

"اچھا روٹھو نہیں۔" سیفو نے پاس آتے ہوئے کہا۔ "جو تم کہو گی وہی پہن لوں گی۔ یہ لو چابی، خود ہی نکال دو کپڑے......"

غزالہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی کپڑے نکالنے لگی۔ "غضب خدا کا وہاں انتہائی کلاس طبقہ ہوگا سارا۔ اور یہ چلی ہیں کریپ کا سوٹ اور شیفون کا سادہ دوپٹہ اوڑھ کر۔"

"بھئی میں ان باتوں کو اتنی اہمیت نہیں دیتی۔" سیفو نے مسکرا کر کہا۔

"بہرحال تم کہتی ہو تو بدل لوں گی کپڑے لیکن خدا کے لیے بہت شوخ لباس نہ نکالنا۔"

غزالہ نے میسور سلک کی روز پنک ساڑھی اور اسی کے ساتھ کا بلاؤز نکالا۔ پھر زیورات والے ڈبے میں سے فیروزے اور موتیوں کے آویزے اور چوڑا سا لاکٹ نکال کر ایک طرف رکھ دیئے۔

"لو یہ پہنو سب جلدی سے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور لہنگے کی فال ٹھیک کرنے لگی۔

"تماشا بناؤ گی میرا اور کیا۔" سیفو نے زیر لب کہا اور کپڑے لے کر ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔ غزالہ نے اتنے میں اپنا پرس کھول کر اس میں سے لپ اسٹک، مسکارا اور آئی برو پنسل وغیرہ نکال کر میز پر رکھ دیں۔ سیفو ساڑھی پہن کر نکل آئی۔ اس کے بال کھلے تھے۔ پلو بھی ٹھیک طرح سے نہیں ڈالا تھا۔ اور وہ پیچھے پیچھے گھسٹتا آ رہا تھا۔ اس بے ترتیبی میں بھی وہ اس قدر حسین نظر آ رہی تھی کہ غزالہ دیکھتی رہ گئی۔

"بیوٹی فل" اس نے خوش ہو کر تالی بجائی۔ "آؤ اب تمہارے بال بناؤں......" سیفو چپکے سے سٹول پر بیٹھ گئی۔ وہ دل ہی دل میں جھنجلا رہی تھی۔ غزالہ نے بڑی چابکدستی سے اس کے بال درمیان میں سے اونچے اٹھا کر سر کے پچھلی جانب پن

لگا دیئے۔ کانوں کے اوپر ڈھیلی ڈھیلی لٹیں چھوڑ کر اس نے دیوداسیوں کے سٹائل کا بڑا سا جوڑا بنایا اور پن لگا دیئے۔

''ہائے کتنی سویٹ لگ رہی ہو۔ ذرا اپنا عکس تو دیکھو جا کر سیفو!'' غزالہ نے اسے آویزے پہناتے ہوئے کہا۔ سیفو پر گھبراہٹ طاری تھی۔ وہ بار بار اپنے سیم گوں برہنہ بازو جو پنک بلاؤز سے جھانک رہے تھے ڈھکنے کی کوشش کرتی۔ پھر اس نے سوچا سویٹر پہن لوں گی۔

غزالہ اب لپ سٹک وغیرہ لے آئی۔

''ارے یہ کیا؟'' سیفو یوں پیچھے ہٹی جیسے سانپ نے ڈس لیا ہو۔

''یہ چیزیں میں لیتی آئی تھی۔ جانتی تھی تمہارے پاس نہیں ہیں۔ کوئی حرج نہیں آج ذرا انہیں استعمال کر لو۔'' غزالہ نے اطمینان سے کہا۔

سیفو کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''میں یہ استعمال نہ کروں گی غزل۔ تم جانتی ہو میں نے آج تک یہ سب کچھ نہیں لگایا اور آئندہ بھی یہی خیال ہے تم مہربانی کر کے میرا اصول نہ توڑو......''

سیفو کے لہجے میں کچھ ایسا اصرار تھا کہ غزالہ خاموش رہ گئی۔ اچھا کم از کم اپنے جوڑے میں دو تین نرگس کی کلیاں تو لگا لو۔ بڑی اچھی لگیں گی۔''

''تم میرا کارٹون نہ بناؤ بھئی۔'' سیفو نے کہا۔ ''میں اس ساڑھی وغیرہ سے پہلے ہی بہت تنگ آئی ہوئی ہوں۔''

''نہ جانے تم کیسی اماں حوا کے وقت کی روح ہو۔ اتنی سادگی بھی اچھی نہیں لگتی۔'' غزالہ نے منہ بنا کر کہا۔ ''اور پھر موقع موقع پر ہر چیز مناسب معلوم ہوتی ہے۔ یہ نہیں کہ کسی فنکشن پر جاؤ تو وہی گھر کے سے کپڑے پہن کر اور سیدھا سادا چہرہ لیے۔''

''کیا کروں غزل مجھے ان آرائشوں کی عادت نہیں۔'' سیفو نے کہا۔

''چلو خیر، تم خود ہی حور پری ہو۔ آرائش کی ضرورت نہیں۔ اچھا اب اٹھ کر جوتے وغیرہ پہنو۔ دیر ہو رہی ہے۔''

سیفو نے سفید ہی سینڈل پہنی اور سفید سویٹر نکال کر ساڑھی کے اوپر پہن لیا۔ اس لباس میں اس کا حسن آنکھوں کو خیرہ کیے دیتا تھا۔

''بائی گاڈ' بالکل ''شمع'' کا سرورق لگتی ہوں۔''......غزالہ نے ہنس کر کہا۔
''ویسا ہی لچکدار قد...... مخمور آنکھیں ......اور دیوداسیوں کے سے بال......''
''شکریہ......''سیفو ذرا سا مسکرائی۔ ''چلو اب۔''

دونوں سمیرا خاتون کو خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئیں۔ کوٹھی کے گیٹ پر اصغر صاحب اور ان کی بیگم تیار کھڑے بڑی بے چینی سے ان دونوں کی راہ دیکھ رہے تھے۔ ان کے ساتھ ہی نسرین عباس یعنی آج کی گیسٹ آف آنر کھڑی تھیں۔ انہوں نے گہرے نیلے رنگ کی بہت پرتکلف بنارسی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ اسی رنگ کے بروکیڈ کا سلیولیس بلاؤز تھا۔ گلے میں سونے کے موتیوں کی لمبی سی مالا پہنی ہوئی تھی۔ ایک کلائی میں ڈھیر ساری رنگدار چوڑیاں جھلملا رہی تھیں۔ دوسری میں رنگ برنگے پتھروں والی بریسلٹ پہن رکھی تھی۔ لمبے لمبے ناخن سفیدی مائل گلابی نیل پالش سے بڑے عجیب سے لگ رہے تھے۔ لپ سٹک بھی اسی شیڈ کی لگا رکھی تھی جو ہونٹوں کی قدرتی لائن کو عبور کر گئی تھی۔ چہرے پر بے شمار کیل مہاسے تھے۔ انہیں چھپانے کی خاطر پتہ نہیں کیا کچھ ملا گیا تھا۔ بہر حال جنرل ایفکٹ ایسا تھا جیسے پلاسٹر آف پیرس کی بنی ہوئی گڑیا۔ مسکارا کے بے دریغ استعمال سے آنکھیں خاصی بڑی نظر آرہی تھیں۔ اور ان کے کانوں سے نکلی ہوئی لائن گول ہو کر اوپر کی جانب ابروؤں کو چھو رہی تھی۔ جو قدرتی نہیں تھے بلکہ آئی برو پنسل سے بنائے گئے تھے۔ تراشیدہ بالوں کو ''بی بی'' سٹائل میں الجھا کر ایک بڑی ہسٹورک شکل دے دی گئی تھی۔ غرضیکہ وہ سر سے پاؤں تک انگلینڈ ریٹرن نظر آرہی تھیں۔ اس پر ان کا خالص انگریزی انداز میں ٹھوڑی آگے کو نکال کر، لب ٹیڑھے کر کے انگلش بولنا تو بس سونے پر سہاگہ تھا۔

سیفو دیر تک انہیں دیکھتی رہی۔ نسرین عباس نے غزالہ کا اس سے تعارف کرانے پر ایک مرتبہ پھسلتی سی نظر اس پر ڈالی تھی۔ پھر اپنے انکل سے باتوں میں مصروف ہوگئی تھیں۔ وہ ایک نیم جاہل لڑکی سے باتیں کرنا اپنی توہین سمجھتی تھیں۔ آخر وہ انگلینڈ سے ڈگری لائی تھیں۔ کوئی مذاق نہ تھا۔

دیر ہو رہی تھی۔ سب لوگ کار میں بیٹھ کر کلب روانہ ہوگئے۔

کار کلب کے دروازے پر جا کر رکی۔ اس موقع پر کی جانے والی سجاوٹ اور

ڈنر کے متعلق تمام ذمہ داری کلب سیکرٹری پر ڈال دی گئی تھی۔ اصغر صاحب محض اخراجات دینے کے ذمہ دار تھے اور بس' یا پھر میزبانی کے فرائض ادا کرنا ان کے ذمہ تھا۔

گیٹ پر رنگین قمقموں کی لڑیاں سجائی گئی تھیں۔ ایک جانب بینڈ بج رہا تھا۔ یہ لوگ اندر داخل ہو گئے۔ کلب سیکرٹری نے بڑھ کر رسیو کیا۔ اصغر صاحب خاصی موٹی اسامی تھے اور کلب کے ارکان میں کافی مقبول بھی تھے۔

مہمان آنے شروع ہو گئے تھے۔ بیگم اصغر' نسرین عباس اور غزالہ دروازے پر ریسپشن کے لیے کھڑی ہو گئیں۔ غزالہ نے سیفو کو بھی ہمراہ لینا چاہا۔ مگر اس نے بڑی خوبصورتی سے ٹال دیا اور ایک جانب کھڑی معزز اراکین کو آتے دیکھنے لگی۔ تھوڑی دیر میں تقریباً سب مہمان آ گئے۔ اور ہال قہقہہ نما چیخوں' مردانہ آوازوں اور نسوانی زمزموں سے بھر گیا۔ سیفو کی نگاہوں کے سامنے ایسے نوجوان تھے جن کے دبلے پتلے جسموں کے ساتھ ان کی ہوز پائپ پتلونیں چمٹی ہوئی تھیں۔ جنھوں نے اپنے سے بہت بڑے سائز کے شوخ رنگوں کے سویٹر پہن رکھے تھے۔ اور بالوں کے الجھے ہوئے گچھے ''بیٹلو سٹائل'' میں ماتھے اور کانوں پر ڈال رکھے تھے۔ ان کے درمیان سیک شرٹس اور پاجامہ نما شلواروں میں کسی ہوئی لڑکیاں جنھوں نے آدھ آدھ فٹ اونچے بال بنا رکھے تھے کھڑی تھیں اور بالکل امریکن لہجے میں ''ر'' اور ''ل'' کو گول گول تلفظ میں ادا کر کے ملی جلی امریکن انگلش زبان میں باتیں کر رہی تھیں۔ لڑکے بالکل کاؤ بوائز کی طرح ''ڈرال'' کر رہے تھے۔ سیفو نے ان کی باتیں سننے کی کوشش کی' مگر بریجی بارود' شرلے میکلین' لز ٹیلر' الوس پرسلے اور اسی قسم کے دیگر غیر ملکی ناموں کے علاوہ کچھ پلے نہ پڑا۔ وہ حیرانی سے انہیں قہقہے بلند کرتے دیکھتی رہی۔ یہ سب لوگ کس قدر مصنوعی نظر آ رہے تھے۔ ان میں اصلی پن کا کہیں شائبہ نہ تھا۔ یہ لوگ اپنی معاشرت' اپنے لباس' اپنی زبان سے کتنے دور تھے۔ یہ پاکستان میں رہتے ہوئے بھی پاکستانی نہ لگتے تھے اور غالباً اس بات پر انہیں فخر بھی تھا۔

''ارے سیفو تم کہاں تھیں؟ میں ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئی۔'' غزالہ نے پیچھے سے آ کر اس کا بازو کھینچتے ہوئے کہا۔ ''آؤ تمہیں اپنے فرینڈز سے ملاؤں.....''

سیفو اس کے ساتھ ہو لی۔ ایک کونے میں دوسرے مہمانوں سے الگ چند لڑکیاں اور لڑکے کھڑے بڑی شدومد سے کسی پکچر پر بحث کر رہے تھے۔ یہ دونوں وہاں پہنچیں تو لڑکیوں نے بڑے اجنبی انداز سے ابرو چڑھا کر سیفو کو یوں دیکھا گویا وہ کسی چڑیا گھر سے پکڑ کر لائی گئی ہو۔ لڑکوں کی نگاہوں میں البتہ تحسین تھی۔ غزالہ کے پہلو میں تمکنت سے کھڑی ہوئی دراز قد سیفو حسن و تقدس کا شاہکار نظر آ رہی تھی۔

''بھئی یہ صفورا جہاں زیب! ہے۔ میری نئی دوست'!' اس نے سیفو کا تعارف سب سے کراتے ہوئے کہا۔ پھر سیفو سے مخاطب ہو کر ان کا تعارف کرانے لگی۔

''اور سیفو یہ ہیں مہر النسا عرفانی!' یہ نجمہ خانزادہ! ہیں۔ یہ بشارت علی خاں! ہیں اور یہ سٹیلا بٹلر!'' اس نے باری باری سب کے نام لیتے ہوئے کہا۔

''ہاؤ ڈی۔'' سب نے بڑے ہی پر تکلف انداز سے تقریباً کورس میں کہا۔

سیفو نے مشرقی انداز میں ماتھے تک ہاتھ لے جا کر اپنی مترنم آواز میں کہا تسلیم۔''

اس پر لڑکیاں اپنی مسکراہٹ چھپانے لگیں۔ لیکن لڑکے اسے دلچسپی سے دیکھنے لگے تھے۔

''بھئی یہ اورینٹل سٹائل کا سلام مجھے بہت پیارا لگتا ہے۔'' سٹیلا بٹلر نے کہا ''ویری گریس فل......''

سیفو نے مناسب الفاظ میں اس کا شکریہ ادا کیا۔

''ہائی بڈی۔'' یکایک ایک لڑکی نے دروازے کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلاتے ہوئے چیخ سی ماری۔ سب کی نظریں ادھر ہو گئیں۔

''ارے فائق صاحب! ہیں۔'' غزالہ آنے والے نوجوان کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ سب لڑکے لڑکیاں اس کے گرد جا کھڑے ہوئے۔ اس نے سب کا مزاج وغیرہ پوچھنے کے بعد غزالہ سے دیر میں آنے پر معذرت کی۔ سب لوگ پھر پہلی جگہ آن کھڑے ہوئے۔

''سیفو! یہ ہم سب کے نہایت عزیز دوست فائق جلیل! ہیں۔'' غزالہ نے کہا۔

''اور بھئی یہ صفورا جہاں زیب! ہیں۔ میری بہت پیاری دوست۔''

فائق جلیل نے بڑے ہی ڈیشنگ ہسپانوی انداز میں جھک کر اسے سلام کیا۔ اس کی انہی اداؤں پر لڑکیوں کی جان جاتی تھی۔ وہ تھا بھی کافی خوبصورت۔ نیلی آنکھیں، سرخ و سپید رنگت اور دبلے پتلے جسم کے ساتھ موزوں قد اس کی چند ایک صفات تھیں جو ہر لڑکی کا دل موہ لیتی تھیں۔ اس نے بڑا قیمتی سوٹ اور انگلیوں میں ہیرے کی انگوٹھیاں پہن رکھی تھیں۔

چہرے پر معصوم سی مسکراہٹ تھی مگر پتہ نہیں کیوں وہ سیفو کو اچھا نہ لگا۔ بڑی ہی سرد مہری سے اس نے اس ڈان جوان کے سلام کا جواب دیا۔

''چلو چل کر کہیں بیٹھیں۔ کھڑے کھڑے ٹانگیں تھک گئیں۔'' غزالہ ان سب کو لے کر ایک جانب رکھے صوفوں کے قریب پہنچ گئی۔ پھر اسے کوئی کام یاد آ گیا اور وہ بولی۔ ''آپ لوگ یہاں تشریف رکھیں میں ابھی آئی۔ جسٹ اے منٹ......'' یہ کہہ کر وہ مہمانوں کے ہجوم میں کہیں غائب ہو گئی۔

کونے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے سیفو نے ایک نگاہ ہال پر ڈالی۔ ہر طرف مرد عورتیں ٹولیاں بنائے کھڑے تھے۔ قہقہوں کے شور میں سگریٹ کے دھوئیں کی بو شامل تھی۔ دور ایک جانب نسرین عباس اپنے ایڈ مائرز کے ہجوم میں کھڑی بڑے ہی کافرانہ ناز و ادا سے باتیں کر رہی تھی۔ کچھ لوگ ایک طرف کونے میں بار پر بھی کھڑے تھے۔ ہاتھوں میں رنگین سیال کے ننھے منے گلاس لیے وہ خالی خالی نظروں سے ہجوم کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر بے حسی اور جمود تھا۔

''آپ کب سے ہیں یہاں پر؟'' کسی نے کہا۔ اور سیفو نے چونک کر بائیں جانب نگاہ ڈالی۔ فائق جلیل اس کے ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ اسی نے یہ سوال کیا تھا۔

''تقریباً دو ماہ ہو گئے۔'' سیفو نے قدرے بے رخی سے کہا۔

''تعجب ہے اس سے پہلے آپ کا نیاز حاصل نہ ہو سکا۔'' وہ بڑے ہی مہذب لہجے میں گفتگو کر رہا تھا۔ نیلی آنکھوں میں ایک بچے کی سی معصومیت تھی۔ ''شاید آپ کلب میں پہلی بار آئی ہیں۔''

''جی۔''...... سیفو نے مختصراً کہا اور پھر ہجوم کو دیکھنے لگی۔

مگر فائق جلیل ہار ماننے والوں میں سے نہ تھا۔ اس نے آج تک جو چاہا وہ ہوگیا۔ وہ ایک لکھ پتی باپ کا بے حد آوارہ بیٹا تھا۔ اس کی شکل وصورت اور دولت مندی کا جادو اکثر لڑکیوں کو خود ہی اس کی چوکھٹ پر سجدہ کرنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ اور کوئی نہ جانتا تھا کہ اس کی نیلی آنکھوں کی یہ معصومیت دراصل ایک پردہ تھا۔ جس کے پیچھے ایک انتہائی گھناؤنے کردار کا غنڈہ پوشیدہ تھا۔ لڑکیوں کو وہ اپنی انہی معصوم باتوں اور ڈیشنگ حرکتوں سے قابو میں کر لیتا۔ لیکن ان کو تباہ کرنے اور اخلاقی طور پر دیوالیہ کرنے کے بعد وہ ان کی طرف سے رخ پھیر لیتا۔ اور اپنے انہی مہلک ہتھیاروں سے لیس ہو کر پھر کسی نئے شکار کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا۔ اس کے باوجود کئی لڑکیاں محض ایڈونچر کی خاطر اس کی جانب کھنچی آتیں۔ سیفو کو دیکھ کر ناممکن تھا کہ وہ اسے حاصل کرنے کے لیے بے تاب نہ ہو جاتا۔ مگر اس مقصد کے لیے اس کا بار بار کلب آنا ضروری تھا۔ تا کہ وہ اس سے متاثر ہو سکے۔

''اگلے ہفتے میری سالگرہ کی تقریب ہے۔ آپ کلب آئیں گی نا؟'' اس نے شیریں لہجے میں سیفو سے پوچھا۔ ''ضرور آیئے گا۔ یہ میری درخواست ہے۔''

''مجھے کلب سے کوئی دلچسپی نہیں۔'' سیفو نے کچھ ناگواری سے کہا۔ اسے اس جونک نما انسان سے چڑ ہو رہی تھی۔ آخر وہ کیوں ہاتھ دھو کر اسی کے پیچھے پڑا ہے۔ اپنی فرینڈز کے پاس کیوں نہیں جاتا۔

''ارے لیکن کیوں......؟'' وہ حیرت سے آنکھیں پھیلا کر بولا۔

سیفو خاموش رہی۔ اتنے میں غزالہ آتی دکھائی دی۔

''دیکھو زیگی میری اگلے ہفتے سالگرہ ہے۔ اس تقریب میں تمہاری ان فرینڈ کو بلانا چاہتا ہوں مگر یہ آنے کی حامی ہی نہیں بھرتیں تم میری مدد کرو۔'' فائق نے غزالہ سے کہا۔

''کیوں نہیں آئے گی فائق ......'' غزالہ نے سیفو کو دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔ ''میں اسے پکڑ کر لے آؤں گی۔ وعدہ رہا......''

سیفو دل ہی دل میں خود پر بھی ناراض ہو رہی تھی۔ وہ کچھ نہ بولی۔

ڈنر اناؤنس ہوگیا تھا۔ سب لوگ سجی سجائی میزوں کی طرف بڑھے سیفو زیادہ

وقت غزالہ کے ساتھ رہی۔ اس کے چہرے کی تمکنت اور وقار سے لڑکے کچھ مرعوب سے ہو گئے تھے۔ اس نے خود بھی کسی کو زائد باتیں کرنے کا موقع نہ دیا۔ فائق کے علاوہ بشارت اور وحید انعام اللہ اور کئی دوسرے نوجوان بھی اس کا التفات حاصل کرنے کی کوشش میں لگے تھے۔ لیکن وہ ان سے سرد مہری سے ہی پیش آتی رہی۔ اسے ان سب سے گھن آ رہی تھی اور اخلاقی انحطاط کے یہ مظاہر بالکل پسند نہ آ رہے تھے۔ ایک صاحب اس کے پاس سے گزرے اور لکر کی تیز بو اس کی ناک میں گھس گئی۔ اس نے بے اختیار رومال ناک پر رکھ لیا اور سر کو ادھر ادھر جھٹک کر دماغ کو اس ناگوار بو سے پاک کرنے لگی۔ اس کا ضمیر اسے برابر ملامت کر رہا تھا کہ ایسی جگہ تم کیوں آئیں۔ تم اس ماحول کا حصہ نہیں ہو۔ تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔

اس کی نگاہ نسرین عباس پر پڑی۔ کچھ حضرات ان کی خوشنودی حاصل کرنے میں کوشاں تھے۔ اور برابر ان کو میز پر سے چیزیں اٹھا اٹھا کر دے رہے تھے۔ وہ یہ چیزیں قبول کر کے ان سب کا دل رکھ رہی تھیں۔ یہ کیسا زریں موقع تھا۔ ہوسکتا ہے وہ کسی لکھ پتی باپ یا اس کے بیٹے کی نظر میں آ جائیں تو قسمت کھل جائے۔ ورنہ پینتیس برس کی لڑکی کے لیے رشتہ حاصل کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ یہ وہ خوب جانتی تھیں۔

اسی لیے خوب چمک رہی تھیں۔ اور ولایت کی باتیں کر کر کے گویا اپنی طرف سے سب کو مرعوب کر رہی تھیں۔ سیفو کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

کھانے کے بعد تھوڑی دیر ٹھہر کر سب لوگ ڈانس ہال میں آ گئے۔ براس بینڈ والوں نے ایک چیختا ہوا امریکن نغمہ چھیڑا اور کئی جسم فلور پر رقصاں ہو گئے۔ سیفو ایک جانب کرسی پر بیٹھی انہیں حیرت اور شرم کے ملے جلے جذبات سے دیکھ رہی تھی۔ یہ کون لوگ تھے؟ یہ کس کی ثقافت تھی؟ ...... یہ یقیناً اس کے ہم وطن نہ تھے۔ یہ تو کسی اور ملک کی نمائندگی کرتے تھے۔ ان کے جسم ملکی لیکن روح اور ذہن قطعی غیر ملکی تھے۔

اس نے دیکھا کئی لڑکیاں اپنے ہم رقصوں کے بازوؤں میں آنکھیں موندے بے سدھ سی پڑی رقص کے نام پر محض لڑکھڑا رہی تھیں۔ اس کو نفرت سے جھرجھری سی آ گئی۔

یہ سلمہؓ فاطمہؓ یا عائشہؓ کی قوم سے نہیں بلکہ سیلی، لوئیسا اور ریٹا کے قبیل سے

تھیں۔ کون کہہ سکتا تھا کہ وہ مسلمان لڑکیاں ہیں۔ وہ ایسا کہلانے پر غالباً خود بھی تیار نہ تھیں۔

دھن تیز ہوتی گئی اور رقص میں ہیجان آتا گیا۔ رقص کرنے والے جوڑوں کی آنکھوں میں اب نشہ اور چہروں پر سرخی لہرانے لگی تھی۔ یہ منظر اب ناقابل برداشت بنتا جا رہا تھا۔ سیفو ضمیر کی چبھن سے بے کل سی ہو گئی۔ وہ خاموشی سے اٹھی اور باہر چلی گئی۔

نیم تاریکی میں فوارے کی مینڈ پر بیٹھے ہوئے اسے عقب سے فائق جلیل کی آواز سنائی دی جو اس کے پیچھے ہی دبے پاؤں باہر نکل آیا تھا۔

''آپ باہر کیوں آ گئیں۔ اچھا شاید آپ کو اندر کی اوپریسو ایئر پسند نہیں آئی۔'' وہ دھیرے سے ہنسا۔ ''میں بھی یہ رقص اور زیادہ شور وغل پسند نہیں کرتا۔''

سیفو کا چہرہ کانوں تک سرخ ہو گیا تھا لیکن اندھیرے میں فائق اسے نہ دیکھ سکا۔

''آپ اندر جائیے فائق صاحب!'' اس نے برف جیسے سرد اور تلوار کی طرح دھاردار لہجے میں کہا۔ ''میں اس وقت تنہائی چاہتی ہوں۔''

فائق کی جگہ کوئی اور ہوتا تو کان دبائے واپس چلا جاتا۔ لیکن وہ ایسی باتوں کو خاطر میں نہیں لاتا تھا...... وہ ایک کہنہ مشق کھلاڑی تھا۔

''مجھے افسوس ہے میں آپ کی تنہائی میں مخل ہوا۔'' اس نے فوراً ہی نہایت شرمسارانہ لہجہ میں کہا۔ ''آپ مجھے معاف کر دیں۔ لیکن وعدہ کیجئے کہ ناراض نہ ہوں گی ......آپ کی ناراضگی کا تصور میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔''

ناممکن تھا کہ اس کے شہد جیسے لہجے کی گھلاوٹ کسی لڑکی پر اثر نہ کرتی۔ لیکن مقابل میں سیفو تھی۔ اس نے مڑ کر ایک حقارت بھری نظر اس پر ڈالی۔ اور تیز تیز قدم اٹھاتی اندر چلی گئی۔ فائق حیران منہ کھولے کھڑا دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ پھر اچانک اس کے چہرے پر ایک عیارسی مسکراہٹ آئی۔ اس لڑکی کو کسی قیمتی تحفے سے رام کروں گا۔ اس نے سوچا اور آہستہ قدموں سے خود بھی اندر چلا گیا۔

رات گئے تک یہ ہنگامہ جاری رہا۔ سیفو اکتائی ہوئی سی ایک طرف بیٹھی جمائیاں لیتی رہی۔ غزالہ نے اس کی جھنجھلاہٹ تاڑ لی تھی۔ ایک دو بار پاس آ کر اس

نے معذرت کی کہ مہمانوں کی دلچسپی کی وجہ سے ابھی یہ تقریب ختم نہیں کی جا سکتی۔ ورنہ وہ اسے لے کر گھر چلی جاتی۔

خدا خدا کر کے ایک بجے یہ سلسلہ ختم ہوا۔ سب لوگ باری باری اصغر صاحب اور ان کی بیگم کا اس شاندار ''ایوننگ'' کے لیے شکریہ ادا کرتے ہوئے جانے لگے۔ غزالہ کی دوستوں نے بھی بہت سے بے ربط امریکی جملوں میں اس کا شکریہ ادا کیا۔ سیفو کو ''بائی'' کہا اور چل دیں۔

تھکے تھکائے یہ لوگ واپس ہوئے۔ سیفو کو اس کی کوٹھی پر اتار دیا گیا۔ وہ کچھ بیزار سی پہلے سمیرا خاتون کے پاس آئی۔ وہ اس کے انتظار میں جاگ رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر اٹھ بیٹھیں۔

''کیوں بیٹی پسند آیا کلب؟'' انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔

''جی ہاں! لیکن شاید میں وہاں بالکل آؤٹ آف پلیس تھی۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''کیوں کیا بات ہے؟'' وہ سنجیدہ ہو کر بولیں۔

''کچھ نہیں، کلب کی عمارت بہت شاندار تھی۔ مجھے پسند آئی۔ لیکن اس کے باسیوں سے میرا سمجھوتہ نہیں ہو سکا۔''

''میں تمہارے جذبات کو سمجھتی ہوں۔'' سمیرا خاتون نے کہا۔ ''وہاں کے نظریات اور ماحول سے سمجھوتہ نہ کر سکنے کی بنا پر میں آج تک کلب کی ممبر نہیں بنی۔ حالانکہ مجھ سے بھی زیادہ بوڑھی خواتین وہاں کے ہنگاموں میں شامل ہوتی ہیں۔ تمہارے چچا بھی وہاں اسی وجہ سے نہیں جاتے۔ یہ تو مجھے غزالہ کی ضد کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑے ورنہ کبھی تمہیں جانے نہ دیتی۔ خیر چلو یہ بھی ایک قسم کا تجربہ ہی سہی۔ زندگی ایسے ہی تلخ و شیریں تجربات کا نام ہے۔''

وہ مسکرائیں۔ ''جاؤ اب جا کر سو جاؤ۔'' سیفو آہستہ قدم اٹھاتی اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

✪......✪......✪

پرنسپل صاحب کے خطوط آتے رہتے تھے مگر گزشتہ ہفتے اچانک ان کا ایک خط کرنل کے نام آیا جس میں سیفو کی منگنی کا ذکر تھا۔ یہ انکشاف انہوں نے پہلی بار کیا تھا۔ ساتھ ہی تحریر تھا کہ چونکہ انوار کے آنے میں بس 25,20 روز ہی رہ گئے ہیں اس لئے تھوڑی بہت تیاری جو ابھی تک نہیں ہوسکی اسے پورا کرنے میں میرا ہاتھ بٹاؤ۔ سیفو کے جہیز کا تقریباً سارا سامان مکمل ہے۔ صرف چند جوڑے اور کچھ زیورات محض اسی کی پسند کے خریدنے ہیں۔ میں پانچ ہزار روپے بذریعہ بنک ڈرافٹ بھیج رہا ہوں۔ ان سے سیفو کی مرضی کے مطابق کپڑے اور زیور بنائے جائیں۔ سمیرا بہن امید ہے اس سلسلے میں تمہاری' معاون ثابت ہوں گی۔

کرنل زیدی یہ انکشاف پڑھ کر بہت حیران ہوئے کہ سیفو کی منگنی ہو چکی ہے۔ بہرحال وہ خوشی خوشی اپنے دوست کے تعمیل حکم میں سب کام کرنے پر تیار ہو گئے۔ سمیرا خاتون کو ساری بات بتائی اور پھر پرنسپل صاحب کو خط لکھنے بیٹھے کہ اطمینان رکھو ہر کام تمہاری منشا کے مطابق ہوگا۔

انہوں نے اپنی طرف سے بھی کچھ جوڑے اور زیور سیفو کو دینے کا ارادہ کرلیا تھا۔ لیکن اس کے متعلق خط میں کچھ نہ لکھا۔

سمیرا خاتون بھی خط پڑھ کر بہت حیران ہوئیں۔ ویسے وہ خوش تھیں کہ سیفو کی شادی ہونے والی ہے۔ انہوں نے سوچ لیا تھا کہ اس کے لئے بہت بھاری جوڑے اور زیور اپنی طرف سے بھی لے کر جائیں گی۔ اس لڑکی سے انہیں بہت پیار ہو گیا تھا۔ اور وہ اس کی شادی پر اپنے ارمان نکالنا چاہتی تھیں۔

خط لے کر سمیرا خاتون جب سیفو کے کمرے میں آئیں تو وہ اس وقت اپنی

ایک پینٹنگ کو آخری ٹچز دے رہی تھی۔ سمیرا خاتون کو آتا دیکھ کر اس نے تصویر ایک طرف رکھ دی اور کھڑی ہو گئی۔

"کہیئے پھوپھی جان! کیسے تکلیف فرمائی۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "آپ نے مجھے ہی بلا لیا ہوتا اگر کوئی کام تھا۔"......

"بیٹھو بیٹی!۔" سمیرا خاتون نے محبت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "یہ تمہارے ابا جان کا خط ہے۔ اسے پڑھ لو۔ پھر ہم نے کچھ خریداری کرنے جانا ہے۔"

سیفو نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔ پر متذبذب سی ہو کر خط پڑھنے لگی۔ اختتام پر اس کا چہرہ متغیر ہو گیا اور ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ اس خطرے کا احساس تو اسے کئی دن سے تھا۔ لیکن جب یہ بالکل سر پر آ گیا تو وہ حواس باختہ سی ہو گئی۔ سمیرا خاتون اسے دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ وہ بالکل زرد پڑ گئی تھی۔

"کیا بات ہے بیٹی!؟" وہ گھبرا کر بولیں۔ "تمہارا چہرہ دھویا کپڑا ہو رہا ہے۔"

سیفو نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پایا۔ ورنہ عین ممکن تھا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر جاتی۔ یہ اچانک حملہ ایسا تھا کہ اس کے حواس شل ہو گئے تھے۔ شدت جذبات سے اس کی آواز نہ نکل رہی تھی جو وہ سمیرا خاتون کو کوئی جواب دے سکتی۔

سمیرا خاتون اٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھیں اور اسے پیار کرتے ہوئے بولیں۔ "کیا بات ہے سیفو؟ مجھے نہ بتاؤ گی؟"

"کچھ نہیں پھوپھی جان!" وہ بدقت سوکھے لبوں کو تر کر کے بولی۔ "بس یونہی چکر آ گیا تھا۔"

"یہ میں کبھی نہیں مان سکتی۔" سمیرا خاتون نے غائر نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کچھ نہ کچھ بات ضرور ہے جو تم مجھ سے چھپا رہی ہو۔ مجھ سے کیا شرمانا بیٹی۔ جو کچھ دل میں ہے کہہ ڈالو۔"

سیفو نے بے بسی سے ان کی طرف دیکھا۔ آنسو بے اختیار اس کی آنکھوں سے بہنے لگے تھے۔ وہ زیادہ ضبط نہ کر سکی۔ ہمدردی کے ان الفاظ نے احتیاط کے سب

بندھن توڑ دیئے تھے۔ وہ سسکیاں لیتی ہوئی سمیرا خاتون کی گود میں گر پڑی۔ انہوں نے محبت سے اسے لپٹا کر پیشانی چوم لی اور شفقت سے بولیں۔ ''رو رو کر ہلکان نہ ہو میری بچی۔ اپنے دل کا بار ہلکا کر دو۔ اپنا غم کسی سے کہہ دینے سے دل کا بوجھ کم ہو جاتا ہے۔ مجھے غیر نہ سمجھو۔ میں حقیقتاً تمہاری پھوپھی ہوں۔ اور تمہیں جان سے زیادہ عزیز سمجھتی ہوں۔''

سیفو کا دل ان محبت بھرے الفاظ سے تسکین پا رہا تھا۔ اس کی ہچکیاں تھم گئیں اور اس نے ہولے ہولے' رک رک کر ساری باتیں سمیرا خاتون کو بتا دیں۔ صرف رازی کا ذکر حذف کر گئی۔

''پھوپھی جان آپ اندازہ نہیں کر سکتیں کہ مجھے انوار سے کتنی شدید نفرت ہے۔'' اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''خدا کی قسم اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا تصور بھی میرے لئے سوہان روح ہے۔ میں پہلے بھی اسی غم سے بیمار ہوئی تھی۔ لیکن یہ سب میں ابا جان سے نہیں کہہ سکی۔ آپ کے سامنے پتہ نہیں یہ سب کچھ میری زبان سے کیسے نکلا۔ ورنہ میں نے اپنے بزرگوں کے سامنے بھی اس بات کی بھنک تک نہیں پڑنے دی۔'' ...... اس کا سر جھک گیا تھا۔ سمیرا خاتون کچھ سوچنے لگیں۔

''یہ صریحاً ظلم ہے۔'' انہوں نے کہا۔ ''جہاں زیب بھائی جیسے عقلمند انسان سے اس قسم کی غیر دانشمندانہ بات کی قطعاً امید نہ تھی۔ مگر پھر انسان خطا کا پتلا ہے۔ کیا کہا جا سکتا ہے۔ بہرحال اگر تم پسند کرو تو میں از خود ان سے اس بارے میں بات کروں؟''

سیفو نے تڑپ کر سر اٹھایا۔ ''نہیں پھوپھی جان! ایسا بھی نہ کیجئے گا۔ ابا جان میرے بارے میں کیا سوچیں گے۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ میں جان دے دوں گی مگر ابا جان کو اس معاملہ کی خبر نہ ہونے پائے گی میں نے جس ماحول میں تربیت پائی ہے اس کا تقاضا یہ نہیں۔ آپ کو خدا کی قسم ایسا ہرگز نہ کیجئے گا۔''

سمیرا خاتون خاموش ہو گئیں۔ ان کا چہرہ قلبی اذیت کا آئینہ دار تھا۔ وہ سیفو کے دکھ میں برابر کی شریک تھیں۔ ''پھر اس مسئلے کا حل کیا ہو؟'' انہوں نے اندوہناک آواز میں کہا۔ ''مجھے تو انہوں نے اس خط میں تاکید کی ہے کہ تمہاری پسند کے پارچہ جات اور زیور وغیرہ خریدوں سچ پوچھو تو اس انکشاف سے قبل میں بھی بڑی خوشی سے یہ

کام کرنے کو تیار تھی۔ لیکن اب مجھ میں تمہارے جذبات کچلنے کا حوصلہ نہیں۔ کیا کیا جائے۔"

"آپ ابا جان! کے کہنے کے مطابق کیجئے۔" سیفو نے آنسو ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "اور میری باتیں بھول جائیے۔ یہ کم نصیبی میری اپنی ہے۔ اور اس کا کوئی علاج نہ میرے پاس ہے نہ آپ کے پاس۔"

"بیٹی! یہ تو ناممکن ہے کہ تمہارا غم دیکھ کر میرے دل پر اثر نہ ہو۔" سمیرا خاتون محبت سے اس کو گلے لگا کر بولیں۔ "لیکن بہرحال مجھے جہاں زیب بھائی کے حکم کی تعمیل کرنی ہی ہوگی۔ کیونکہ تم نے اپنے بارے میں کچھ نہ کہنے کی بندش لگا دی ہے۔ اچھا خدا تمہیں صبر دے۔ فی الحال اس ناگوار فرض کو چونکہ ادا کرنا ہی ہے اس لئے شام کو تیار رہنا۔ بازار چلیں گے۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

ان کے جانے کے بعد سیفو نے آنسوؤں کے خزانے بے دریغ لٹا دیئے۔

تین چار دن کے اندر زیورات اور کپڑوں کی ساری خریداری مکمل ہوگئی۔ سیفو سمیرا خاتون کے ہمراہ بازار جاتی رہی لیکن اس نے کسی چیز کے انتخاب میں حصہ نہ لیا۔ بس پتھر کی مورت کی طرح خاموش بیٹھی رہتی۔ سمیرا خاتون کا دل اس کی یہ حالت دیکھ کر کٹا جاتا تھا۔ مگر وہ بھی مجبور تھیں۔ کچھ نہ کرسکتی تھیں۔ تقریباً سبھی سامان انہوں نے اپنی پسند سے ہی خریدا اور یہیں کے قابل درزیوں کو اس کے ملبوسات سلنے کے لئے دے دیئے۔

سیفو کے دل کی عجیب حالت تھی۔ اس کی دنیا اندھیر ہوگئی تھی۔ اتنے اچھے ماحول اور محبت کرنے والے افراد کے درمیان بھی وہ اپنا غم نہ بھول سکتی تھی۔ غزالہ اکثر آتی رہتی۔ بلکہ اس نے ایک دفعہ فائق جلیل کا دیا ہوا ایک نہایت قیمتی بروچ بھی اسے دیا تھا۔ جس کے جواب میں گالیاں کھائی تھیں اور بروچ بھی واپس جا کر فائق کو دینا پڑا تھا۔ اس کے بعد غزالہ نے اس سے معافی مانگ لی اور پھر کبھی اس قسم کی بات نہ کی۔ تاہم وہ دیگر دلچسپیوں کی باتیں اکثر کیا کرتی تھی۔ لیکن سیفو کا دل ویران ہو چکا تھا وہ اب اپنے دل پسند مشغلے پینٹنگ کو بھی چھوڑ چکی تھی۔ ہمہ وقت اپنے تفکرات میں ہی ڈوبی رہتی۔ انوار آرہا ہے۔ یہ اطلاع اسے یوں لگتی تھی جیسے کوئی کہے موت آرہی ہے۔ یہ

سوچ کر اس کے پسینے چھوٹنے لگتے۔ دل ڈوب سا جاتا کہ اب اسے ہمیشہ کے لئے انوار کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اب دنیا کی کوئی طاقت اس کی مدد نہ کر سکتی تھی۔ قدرت نے بھی اپنی اعانت کے دروازے اس پر بند کر دیئے تھے۔ دعائیں شرف قبولیت کھو چکی تھیں۔ امیدوں نے ایک ایک کر کے گردن موڑ لی تھی۔ اب وہ کس کے سہارے جئے؟ کیا کرے؟ وہ مایوسی کے بحر ذخار میں جانکنی کی سی حالت میں ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ مگر سہارے کے لئے کوئی تنکا بھی تو نہ تھا۔ قسمت کا تند دھارا اسے تباہی کی طرف لئے جا رہا تھا اور وہ بے بس تھی۔ کس سے مدد مانگتی کسے پکارتی۔ کوئی بھی تو نہ تھا۔ جب اپنے ہی باپ نے اس کی طرف سے آنکھیں بند کر رکھی تھیں تو وہ کس سے فریاد کرتی۔ کون تھا اس کی مدد کرنے والا۔ اسے اب تک قدرت کی طرف سے کسی معجزے کی امید تھی۔ لیکن اب وہ بھی نہ رہی۔ ابا جان کو انوار کی طرف سے پوری تسلی ہے تبھی تو وہ اس وثوق سے سب کچھ کر رہے ہیں۔

مایوسیوں اور رنج وغم کے اندھیروں کو مزید تکلیف دہ بناتی ہوئی رازی کی یاد ایک ٹیس بن کر دل چیر جاتی۔ وہ قسمت کے اس دوہرے وار کی تاب نہ لا سکتی تھی۔ انوار سے یکجائی اور رازی سے علیحدگی دونوں ہی اپنی اپنی جگہ نا قابل برداشت تھیں۔ جب وہ سوچتی کہ رازی جو اس کے دل و جان کا ایک حصہ بن چکا تھا۔ اس سے اتنا دور چلا جائے گا کہ وہ فرقت کی ان خلیجوں کو کبھی پاٹ نہ سکے گی۔ تو اس کے جسم کا ایک ایک رواں فریاد کرنے لگتا۔ فکر اور اندیشوں میں گھری ہوئی وہ بعض دن ساری ساری رات جاگ کر گزار دیتی۔ اور تڑپ تڑپ کر روتی لیکن آنسو بھی اس کے درد کا مداوا نہ بن سکتے تھے۔

اس ہر وقت کے خلجان اور دل کی تپش نے آخر اسے دبا لیا۔ اس کا جسم جو پہلے ایک مرض کی مار کھا چکا تھا۔ اندیشوں اور اذیتوں کی اس نئی یلغار کی تاب نہ لا سکا اور وہ پھر بیمار پڑ گئی۔

پہلے ایک دو دن تو اس نے بخار کے باوجود اپنے روزمرہ کے معمولات میں فرق نہ آنے دیا اور بیماری چھپاتی رہی۔ لیکن تیسرے دن جب بخار تیز ہو گیا تو وہ کمبل اوڑھ کر لیٹ گئی۔ رات کے کھانے پر وہ غیر حاضر تھی۔ سمیرا خاتون پریشان ہو کر اس

کے کمرے میں آئیں۔ کمبل اٹھا کر ماتھے پر ہاتھ رکھا تو وہ آگ کی طرح گرم تھا۔ وہ بخار میں غافل پڑی تھی اور سانس تیز تیز آ رہا تھا۔

سمیرا خاتون کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ وہ الٹے پاؤں واپس ہوئیں اور آ کر کرنل زیدی کو اس کی بیماری کے متعلق بتایا۔ وہ اتنے فکرمند ہوئے کہ ان سے کھانا بھی نہ کھایا گیا۔ اسی وقت کار نکالی اور ڈاکٹر کو لینے چلے گئے۔ سمیرا خاتون نے سیفو کی اس دن والی گفتگو کا ان سے کچھ ذکر نہ کیا تھا۔ فائدہ بھی کیا تھا۔ وہ بھی اس معاملے میں انہی کی طرح مجبور محض تھے۔

کرنل زیدی کے جانے کے بعد وہ فکرمندسی آ کر سیفو کے سرہانے بیٹھ گئیں۔ سر دباتے ہوئے وہ کچھ آیات پڑھ کر اس پر پھونکتی رہیں اس کی صحت یابی کی دعائیں مانگتی رہیں۔

تھوڑی دیر بعد کرنل زیدی مایوس صورت بنائے واپس آ گئے۔ ''ڈاکٹر اس وقت موجود نہیں۔ کسی مریض کو دیکھنے باہر گیا ہے۔ کہو تو کسی پرائیویٹ پریکٹیشنر کو بلا لاؤں۔''......

''نہیں ہسپتال سے ہی علاج کرائیں گے۔'' سمیرا خاتون نے کہا۔ ''خدا کرے رات خیریت سے گزر جائے۔ صبح ڈاکٹر کو لے آیئے گا۔ میں اور حمیدن بیٹھ کر اس کے تلوے ملتے ہیں۔ امید ہے اس سے بخار میں کمی آ جائے گی۔

کرنل زیدی کچھ متفکر سے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

✪......✪......✪

دوسرے روز بھی سیفو کا بخار اسی طرح تیز تھا۔ اور وہ بالکل غافل تھی۔ کسی کسی وقت آنکھیں کھولتی تو کسی کو نہ پہچانتی۔

کرنل زیدی صبح ناشتے کے بعد ہی ڈاکٹر کو لینے چلے گئے تھے۔ کار کے ہارن کی آواز سن کر سمیرا خاتون جلدی سے باہر نکلیں۔ کرنل زیدی اور مقامی ہسپتال کا نیا ڈاکٹر کار سے اتر رہے تھے۔ ''سمیرا!'' کرنل نے بہن سے ڈاکٹر کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ ''بھئی یہ احمد حسن کی جگہ آئے ہیں۔ آج ہی ان سے ملاقات ہوئی ہے۔ ان کا اسم گرامی ہے شیراز منصور۔ خدا کا شکر ہے اس وقت مل گئے۔ ورنہ بڑی مشکل ہوتی۔''

سمیرا خاتون نے غور سے دراز قد' خوش شکل ڈاکٹر کو دیکھا۔ اس نے سیاہ چشمہ لگا رکھا تھا۔ بڑے مہذب انداز سے اس نے انہیں سلام کیا۔ سمیرا خاتون نے خندہ پیشانی سے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''آؤ بیٹا! مریضہ اس طرف ہے۔'' وہ اسے لے کر سیفو کے کمرے کی طرف چل دیں۔ کرنل زیدی اپنے کمرے میں پائپ لینے چل دیئے۔ وہ کچھ مطمئن سے ہو گئے تھے۔

ڈاکٹر شیراز سمیرا خاتون کے ہمراہ سیفو کے کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ لحاف میں منہ سر لپیٹے ان کی طرف پیٹھ کیے غنودگی میں پڑی تھی۔ ''ڈاکٹر بیٹے!'' سمیرا خاتون نے کہا۔ ''اس کی طبیعت دراصل پہلے سے خراب ہے۔ ڈاکٹر احمد حسن کی دواؤں سے......''

ڈاکٹر نے ذرا سا ہاتھ کا اشارہ کر کے انہیں روک دیا اور دھیمے لہجے میں بولے۔ ''یہ سب حال کرنل صاحب مجھے راستہ میں بتا چکے ہیں' آپ مریضہ کو

دکھائیے۔''...... انہوں نے بیگ میں سے سٹیتھسکوپ نکال کر گلے میں لٹکا لیا اور پلنگ کے قریب آ گئے۔ ''کسی سے کہہ کر تھوڑا گرم پانی منگا لیجئے۔'' انہوں نے مڑ کر سمیرا خاتون سے کہا۔ ''ممکن ہے انجکشن وغیرہ لگانا پڑے۔''

سمیرا خاتون کچن کی طرف چل دیں۔ اسی وقت بخار کی بیقراری سے سیفو نے لحاف اتار کر پرے پھینکا اور ادھر ادھر سر پٹکنے لگی۔ اس کے بال پریشان تھے۔ چہرہ بخار کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا۔ پیازی ہونٹوں پر پپڑیاں جمی تھیں۔

رازی اسے دیکھ کر سکتے میں رہ گئے۔ بت بنے وہ اسے دیکھے جا رہے تھے۔ انہوں نے بار بار آنکھیں جھپکائیں۔ نہیں وہ خواب نہیں دیکھ رہے تھے یہ سیفو ہی تھی۔ ان کی نگاہیں چار ماہ سے جسے ڈھونڈ رہی تھیں یہ وہی تو تھی۔ وہ بے تاب ہو کر قریب آ گئے۔ اور جھک کر سرگوشی میں بولے۔ ''سیفو!......'' لیکن وہ غافل تھی۔ اپنی پکار کا انہیں کوئی جواب نہ ملا۔

اتنے میں باہر سے سمیرا خاتون کے قدموں کی آواز آئی اور رازی چونک کر سیدھے ہو گئے۔ مگر دل کی حالت غیر تھی۔ سمیرا خاتون آ گئی تھیں۔ بڑی مشکل سے خود پر قابو پاتے ہوئے انہوں نے سٹیتھسکوپ لگا کر سیفو کا معائنہ شروع کیا۔ مگر ہاتھ بے اختیار کانپ رہے تھے۔ حلق میں بار بار کوئی چیز پھنس جاتی تھی۔ اور دماغ میں خیالات کی یورش تھی۔ یہ یہاں کیسے آئی؟ کرنل زیدی اس کے کیا لگتے ہیں؟ یہ سوالات وہ بار بار خود سے کرتے۔ مگر کوئی شافی جواب نہ ملتا۔ معائنہ میں خاصی دیر ہو جانے پر سمیرا خاتون نے متفکر سی ہو کر پوچھا۔ ''کیا بات ہے بیٹے! خدانخواستہ کوئی تشویش کی بات تو نہیں۔''

رازی جیسے خواب سے چونکے۔ ''جی نہیں۔'' انہوں نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

سمیرا خاتون کو کیا معلوم تھا کہ سٹیتھسکوپ میں سیفو کی بجائے انہیں اپنے دل کی دھڑکنیں سنائی دے رہی تھیں جنہیں سننے میں وہ اس درجہ محو تھے۔ پیشہ وارانہ موڈ کو زبردستی اپنے اوپر طاری کرتے ہوئے رازی نے سمیرا خاتون کو مزید تسلی دی۔ ''تشویش کی کوئی بات نہیں۔''

وہ واپس بچھی کرسی پر بیٹھ گئے اور بڑے پیار سے سیفو کی کلائی تھام کر نبض دیکھنے لگے۔ یہ ہاتھ تھامنے کی ان کے دل میں کتنی حسرت تھی۔ جو پوری بھی ہوئی تو کس طرح۔ بے اختیار ہو کر ان کی نگاہیں سیفو کے چہرے کا طواف کرنے لگیں۔ پروانہ وار اس پر نثار ہونے لگیں۔ دل چاہا تمام عمر یہ کلائی یونہی ان کے ہاتھ میں رہے اور وہ اسے بیٹھے دیکھتے رہیں۔

بڑی دقت سے انہوں نے خود کو سنبھالا اور خواب کی دنیا سے نکل کر عمل کی دنیا میں آ گئے۔ انہوں نے بیگ میں سے انجکشن کا سامان نکالا۔ گرم پانی آ گیا تھا۔ وہ انجکشن تیار کرنے لگے۔

سمیرا خاتون نے پاس آ کر سیفو کے بازو سے کپڑا ہٹایا۔ رازی نے مرمریں بازو میں جھجکتے ہوئے سوئی کھبو دی۔ یوں لگا جیسے اپنے دل میں تیر گئی ہو۔ سیفو نے درد سے بے قرار ہو کر آنکھیں کھول دی تھیں۔ رازی نے سوئی نکال لی اور والہانہ طور پر اسے دیکھنے لگے۔ غنیمت تھا بخار کی شدت میں سیفو نے انہیں پہچانا نہیں۔ وہ چند نا قابل فہم الفاظ بڑبڑانے کے بعد پھر غافل ہو گئی۔

”بخار زیادہ شدید تو نہیں بیٹے!“ سمیرا خاتون نے پریشان ہو کر رازی سے پوچھا۔ ”اتر جائے گا نا؟“

”جی ہاں۔ انجکشن اسی لئے دیا ہے۔“ رازی نے کھوئے ہوئے انداز سے کہا۔ ”امید ہے رات تک بخار اتر جائے گا...... کچھ دوائیں لکھ کر دیتا ہوں انہیں باقاعدگی سے استعمال کرائیے۔ کچھ میں ہسپتال سے بھیج دوں گا۔“......وہ کرسی سے اٹھتے ہوئے بولے۔

سمیرا خاتون نسخہ لکھوانے کے لئے پیڈ اور پن ڈھونڈنے لگیں۔ رازی کی نظریں پھر سیفو پر مرکوز ہو گئیں۔ وہ اسے دل میں چھپا لینا چاہتے تھے لیکن مجبور تھے۔

پتہ نہیں انجکشن کے اثر سے یا ویسے ہی بخار کی تیزی کی وجہ سے سیفو نے لحاف پھر ایک بار اتار پھینکا اور ہذیان میں زور زور سے بولنے لگی۔ اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ کھلی آنکھوں میں انوکھی سی غیر معمولی چمک تھی۔ وہ آنکھیں کھلی ہونے کے باوجود کچھ

نہ دیکھ رہی تھی۔

''نہیں ابا......'' وہ ہاتھوں سے کسی غیر محسوس چیز کو پرے ہٹاتی ہوئی بولی۔ ''انوار کو مت لایئے۔ چلے جاؤ تم انوار...... نہیں میں نہیں جاؤں گی۔ وہ چیخنے لگی۔ ''رازی اسے لے جاؤ۔ دیکھو یہ مجھے کھانے آ رہا ہے۔'' اس نے بے تحاشا ادھر ادھر سر پٹکنا شروع کر دیا۔ ''لے جاؤ' وہ سسکیوں کے درمیان کہہ رہی تھی۔ ''رازی تم اسے کیوں نہیں ہٹاتے۔ ابا...... ابا۔ مجھے چھپا لیجئے۔ رازی تم نہ جاؤ۔ مت جاؤ رازی۔'' وہ منت سے کہہ رہی تھی۔

''نہ جاؤ۔''...... اس کی آواز مدھم ہوتی گئی۔ ایک سسکی اس کے منہ سے نکلی اور وہ بے سدھ ہو کر تکئے پر گر گئی۔ اس کے رخساروں پر آنسوؤں کے نشان چمک رہے تھے۔

رازی پتھر کے بت کی طرح ساکت اسے دیکھے جا رہے تھے۔ سمیرا خاتون بھی ایک طرف پریشان کھڑی یہ ساری باتیں سن رہی تھیں انہوں نے پاس آ کر اسے لحاف اوڑھا دیا۔

رازی کا دماغ شل ہو رہا تھا۔ کان سائیں سائیں کر رہے تھے یہ کیا سنا تھا اس نے۔ وہ بار بار اسے پکار رہی تھی۔ ممکن ہے اس کے دل کی گہرائیوں میں یہ نام موجود ہو۔ جو بیماری کی اس غفلت میں اس کے لاشعور نے اگل دیا...... وہ مجھے اپنا نجات دہندہ سمجھ کر مدد کے لئے پکار رہی تھی۔ کسی انوار سے خود کو بچانا چاہتی ہے۔ کون ہے وہ...... یہ نئے سوالات اب اسے پریشان کر رہے تھے۔

رازی نے بے چین ہو کر سمیرا خاتون کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی طرف سے لاپروا بیٹھی کچھ سوچ رہی تھیں۔ اتنے میں کرنل زیدی اپنا نیا پائپ سلگائے کمرے میں آ گئے۔ پرانا پائپ نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ آدھ گھنٹہ ڈھونڈنے کے باوجود بھی نہیں ملا۔ تو انہوں نے نیا نکال لیا تھا۔ رازی اب سنبھل گئے تھے۔ سمیرا خاتون کا دیا ہوا پیڈ لے کر وہ اس پر نسخہ لکھنے لگے۔

''یہ دوائیں ابھی لے آئیں جا کر۔'' وہ کرنل زیدی سے مخاطب ہوئے۔

''بقیہ ادویات میں ابھی ہسپتال جا کر بھیجتا ہوں۔ اچھا اب اجازت دیجئے۔'' وہ سمیرا خاتون کی طرف مڑے۔ ایک حسرت بھری نگاہ سیفو پر ڈالی اور جانے لگے۔ کرنل بھی ان کے ہمراہ تھے۔

''لیکن ڈاکٹر بیٹے! چائے تو پیتے جاؤ۔ تیار ہے۔'' سمیرا خاتون ہڑبڑا کر بولیں۔

''ہاں بھئی۔ بغیر چائے پیئے تو ہماری ہمشیرہ صاحبہ تمہیں جانے نہ دیں گی۔'' کرنل نے قہقہہ لگایا۔

''آپ کی مرضی۔'' رازی نے مجبور سا ہو کر کہا۔ ''ویسے میں چاہتا تھا آپ کو جلدی دوائیں بھجوا دوں تاکہ علاج میں تاخیر نہ ہو......'' اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ محبت کی کمزوری اس معمولی بات کو ہوا بنا کر دکھا رہی تھی۔

''تم چائے پی لو۔ دو منٹ کی بات ہے۔ جا کر دوا لے آئیں گے۔'' کرنل زیدی نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ سمیرا خاتون حمیدن کو بلانے چلی گئی تھیں تاکہ ان کی غیر حاضری کے دوران وہ سیفو کے پاس بیٹھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ تینوں ڈرائنگ روم میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ اس دوران باتیں بھی ہوتی رہیں جس سے رازی کو پتہ چلا کہ سیفو کس طرح یہاں آئی اور کرنل زیدی اور سمیرا خاتون سے اس کا کیا رشتہ ہے۔ ایک سوال کا جواب تو مل گیا تھا۔ رہ گیا انوار...... رازی نے سوچا کہ کسی دن مزید بے تکلفی ہو جانے پر وہ اس کے بارے میں ضرور پوچھے گا۔

''بیٹے ذرا توجہ سے اس کا علاج کرنا۔'' سمیرا خاتون رازی سے مخاطب ہوئیں۔ ''پرائی بچی ہے۔ خدانخواستہ اسے کچھ ہو گیا تو اس کے ماں باپ کو کیا منہ دکھائیں گے۔''

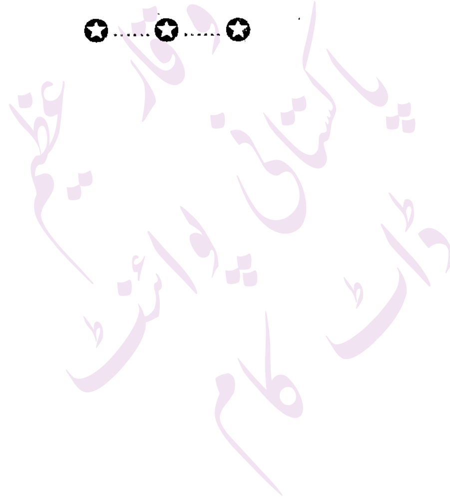
سیفو کو کچھ ہو جانے کے خیال ہی سے رازی کے دل پر تیر سا لگا۔ ''آپ فکر نہ کریں۔ ٹھیک ہو جائیں گی۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''خدا رحم کرے گا۔ مایوس کیوں ہوتی ہو۔'' کرنل زیدی نے کہا۔ ''یہ بڑے

قابل ڈاکٹر ہیں ابھی حالانکہ انہیں آئے چند روز ہی ہوئے ہیں۔ مگر کئی دوستوں سے ان کی تعریف سن چکا ہوں۔'' بڑی مہارت سے انہوں نے جھوٹ بولا۔ حالانکہ رازی سے ان کی ملاقات ہی آج ہوئی تھی۔ اور دوستوں وغیرہ کی بھی محض گپ ہی تھی۔ لیکن رازی اس دماغی کیفیت میں مبتلا تھے کہ اس تعریف کا شکریہ بھی نہ ادا کر سکے بس کھوئے کھوئے سے بیٹھے چائے میں بلاوجہ چمچہ ہلاتے رہے۔

ان کے جانے کے بعد سمیرا خاتون نے جیسے خود سے کہا...... مغرور سا لگتا ہے۔ بددماغ کہیں کا۔ دس باتیں کرو تو ایک جواب ملتا ہے انہیں ڈاکٹر احمد حسن یاد آیا۔ کتنا خوش طبع اور ہنس مکھ آدمی تھا۔ یہ حضرت بالکل اس کے برعکس ہیں......!





رازی کا دل و جان سے کیا ہوا علاج کارگر ثابت ہوا۔ دوسرے روز سیفو کا بخار اتر گیا۔ گو اب خطرہ ٹل گیا تھا مگر وہ اس قدر کمزور ہو چکی تھی کہ بات کرتی تو زبان لڑکھڑانے لگتی۔ رازی اس دن کے بعد پھر نہیں آئے تھے۔ وہ خود میں اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں پا رہے تھے۔ وہ سوچتے یہ صحیح ہے کہ اس کے لاشعور میں میں موجود ہوں مگر اب جبکہ وہ ہوش میں آ چکی ہے۔ پھر پہلے کی طرح رکھائی برتے گی۔ اور وہ اسی سرخوشی میں مدہوش رہنا چاہتے تھے کہ سیفو نے عالم بے ہوشی میں ہی سہی۔ انہیں پکارا تو سہی' ان کا نام اس اپنائیت سے اس کے لب پر آیا تو سہی۔ اب وہ حقائق کا سامنا کرنے سے کترا رہے تھے۔ گو دل بار بار مچلتا کہ اس دشمن جاں کو پھر دیکھو' مگر وہ صبر کی سل سینے پر رکھے اس کی آواز دبانے کی کوشش کر رہے تھے۔

لیکن کوئی چوتھے دن خود کرنل زیدی اسے لینے آ گئے۔ ''بھئی اپنی مریضہ کو ایک دفعہ دیکھ لو۔'' انہوں نے کہا۔ ''یہ ٹھیک ہے کہ وہ اب خطرہ سے باہر ہے تاہم دیکھ لو گے تو ہمیں تسلی ہو جائے گی تم یہ بھی بتا سکو گے کہ اس کی پوری صحت یابی میں کتنی مدت لگے گی۔''

اور وہ اپنے دل کی بے محابا اور بے اختیار مسرت کو چھپاتے ان کے ساتھ چل دیئے۔

اس روز سمیرا خاتون نے سیفو کو باہر دھوپ میں آرام کرسی بچھا کر لٹایا تھا۔ اس کے پاؤں پر کمبل ڈال دیا تھا اور خود پاس بیٹھی دل خوش کن باتیں کر رہی تھیں۔ شادی وغیرہ کی تیاریوں کا ذکر وہ پھر بھول کر بھی زبان پر نہ لائی تھیں۔ انہیں یقین تھا کہ سیفو کی حالیہ بیماری بھی اسی خبر کی مرہون منت ہے۔

غزالہ ابھی ابھی اپنی دوست کی عیادت کر کے گئی تھی۔ اور حالانکہ سیفو نے بہت کم باتیں اس سے کی تھیں۔ تاہم اس ذرا سی کوفت نے ہی اسے تھکا دیا تھا۔ وہ آنکھیں موندے، سر پیچھے ٹکائے خاموش لیٹی، سمیرا خاتون کی نرم نرم باتیں سن رہی تھی۔ کسی کسی وقت آنکھیں کھول کر ایک آدھ بات بھی کر لیتی۔

اس دفعہ جو اس نے آنکھیں کھولیں تو سامنے رازی کو کھڑا پایا۔ وہ اور کرنل بے آواز چلتے پاس آ گئے تھے۔ سیفو نے اسے واہمہ سمجھا۔ کئی دفعہ اس کے تصور نے اسی طرح دھوکا دیا تھا اور رازی کو سامنے لا کھڑا کیا تھا۔ نہیں...... وہ اب اس ظالم تصور کے دھوکے میں نہیں آئے گی۔ اس نے پھر سے آنکھیں بند کر لی تھیں اور سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا تھا۔

لیکن سمیرا خاتون ڈاکٹر کو دیکھ کر باتیں کرنے لگی تھیں۔ کرنل زیدی بھی کچھ بول رہے تھے۔ اس نے ڈرتے ڈرتے پھر آنکھیں کھولیں۔ ہاں۔ یہ رازی ہی تھا۔ جو اس قدر غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ڈاکٹر بیٹے! بیٹھ جاؤ۔'' سمیرا خاتون نے اسے خالی کرسی پیش کرتے ہوئے کہا اور خود چائے کے سلسلے میں نوکروں کو ہدایات دینے چل دیں۔

ڈاکٹر؟ تو یہ ڈاکٹر ہے۔ ہاں ڈاکٹر ہی ہوا نا...... سیفو نے سوچا۔ لیکن یہ یہاں کیسے آ گیا؟ اس نے دماغ پر زور ڈالا۔ ہو سکتا ہے پوسٹ یہاں ہو گئی ہو۔ اس کی ہاؤس جاب بھی تو ختم ہو گئی تھی۔ اور آپا نازیہ نے لکھا تھا اس کی پوسٹنگ ہونے والی ہے۔ ٹھیک یہی قصہ ہو گا۔ اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ رازی نے اپنی نگاہیں اب اس کے چہرے سے ہٹا لی تھیں اور کرنل زیدی کی کسی بات کا جواب دے رہا تھا۔ پھر وہ اٹھ کر اس کی جانب بڑھا۔ کرنل نے کرسی گھسیٹ کر سیفو کے قریب کر دی۔ رازی نے پاس بیٹھتے ہوئے اسے کی کلائی ہاتھ میں لے لی اور نبض دیکھنے لگا۔ سیفو کی ہوش میں یہ پہلا اتفاق تھا کہ رازی نے اس کے جسم کو چھوا۔ کمزوری کے باوجود اس کے جسم کا سارا خون سمٹ کر جیسے اس کے گالوں میں آ گیا۔ کرنل اپنی ہی دھن میں کچھ کہے جا رہے تھے۔ مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔ اس کا سارا جسم جیسے ایک دھڑکن بن گیا تھا۔ رازی نبض کی بے ترتیبی پر کچھ حیران سے تھے اور سیفو کا رواں رواں جیسے دست بہ دعا تھا کہ یہ لمحات طویل

ہو جائیں۔ رازی اسی طرح اس کی کلائی تھامے رہے اور وہ وقت منجمد ہو جائے۔ حتیٰ کہ اسی عالم میں وہ زندگی کے بار سے سبکدوش ہو جائے۔

لیکن رازی نے کلائی چھوڑ دی اور پاس کھڑے کرنل صاحب سے مخاطب ہو کر بولے۔ ''بخار قطعاً نہیں ہے۔ احتیاطاً تھرمامیٹر بھی لگا کر دیکھ لیتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے جیب سے تھرمامیٹر نکال کر اس کا پارہ جھٹکا اور سیفو کے منہ میں لگا دیا۔

تھرمامیٹر نے بھی رازی کی بات کی تصدیق کی۔ بخار نہیں تھا۔ اب مزید معائنہ کے لئے رازی نے سٹیتھسکوپ سنبھالا اور سیفو کی طرف بڑھے وہ ان کا مدعا بھانپ کر سکڑ سی گئی اور بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ ''نہیں یہ مت لگائیے۔''

کرنل زیدی حیران ہو کر اسے دیکھنے لگے۔ ''معائنہ کروا لو بیٹی۔ کہیں بعد میں کوئی خرابی نہ نکل آئے۔'' انہوں نے محبت سے کہا۔

''اچھا نہیں لگاتا۔'' رازی نے خفیف سا مسکراتے ہوئے سٹیتھسکوپ جیب میں ڈال لیا۔ ''ویسے ضرورت بھی نہیں ہے۔ نبض بالکل نارمل ہے اور اس روز دیکھنے سے کچھ نہیں نکلا تھا۔''

سیفو کا چہرہ شرم کے مارے گلابی پڑ گیا تھا۔ کرنل زیدی اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہوئے بولے۔ ''بیٹے تمہاری مسیحائی کا میں تو قائل ہو گیا۔ چار دن میں نہ صرف لڑکی صحت یاب ہو گئی۔ بلکہ اس کے گالوں پر پہلے کی طرح سرخی بھی عود کر آئی ہے۔''

رازی مسکرانے لگے۔ سیفو کے چہرے پر بھی تبسم آ گیا۔ دماغ کی مصلحت اندیشوں کو نظر انداز کر کے اس کا دل آج بے حد مسرور تھا۔ رازی اس کی نظروں کے سامنے تھا اسے اور کچھ نہیں چاہئے۔ وہ آج کچھ نہیں سوچے گی۔ دل کی حسین ضد کے سامنے دماغ نے بھی عارضی طور پر ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

سمیرا خاتون آ گئی تھیں۔ باتیں ہوتی رہیں۔ سیفو کے شرمانے کی پیاری ادا نے رازی کی مردہ تمناؤں کو جیسے پھر سے زندگی عطا کر دی تھی۔ وہ بات بات پر ہنس رہے تھے۔ زندگی سے بھرپور قہقہے لگا رہے تھے۔ دلی مسرت کے باعث ان کا چہرہ گلاب کے تر و تازہ پھول کی مانند کھلا جا رہا تھا وہ اس وقت بے حد خوش تھے۔ گو اس بے پایاں مسرت کی وجہ انہیں خود بھی معلوم نہ تھی۔ سمیرا خاتون تعجب سے ان کی یہ کایا پلٹ دیکھ رہی

تھیں۔ پہلے دن کی سرد مہری اور متانت انہیں یاد آ رہی تھی۔ اس روز کے ڈاکٹر شیراز منصور اور آج کے اس خوش باش انسان میں کتنا فرق تھا۔ شاید اس کی طبیعت کا اصل رنگ یہی ہو اور اس روز محض تکلف کی بنا پر خاموش رہا ہو۔ یہ سوچ کر وہ مطمئن ہو گئیں۔

چائے اسی طرح خوشگوار باتوں کے دوران پی گئی اور سیفو کی اس دعا کے باوجود بھی کہ وقت تھم جائے وقت گزرتا رہا اور شام ہو گئی۔ رازی نے بادل نخواستہ ان لوگوں سے رخصت چاہی اور سیفو پر ایک الوداعی پیار سے بھرپور نظر ڈال کر رخصت ہوئے۔

علاج جاری رہا۔ لیکن اب جسمانی کمزوری دور ہونے کے ساتھ ہی ساتھ سیفو پر محبت کی جو کمزوری غالب آ گئی تھی۔ دماغ اپنی پیہم نصیحتوں سے اسے دور کر رہا تھا۔ وہ تمہارے لئے نہیں۔ نہ تم اس کے لئے ہو۔ ہوش کے ناخن لو۔ وہ اسے جھنجھوڑتا۔ خبردار۔ جذبات میں بہہ مت جانا...... سوچو کہ اس چیز کا انجام کیا ہو گا۔ چند روز تک تمہاری شادی ہونے والی ہے۔ انوار کے ساتھ...... پھر تم رازی کو محبت کی جھلک دکھا کر اسے دھوکہ کیوں دے رہی ہو۔ اس کے جذبات سے مت کھیلو۔ آگ کے اس کھیل کو ختم کر دو جو تم دونوں کا دامن جلانے جا رہی ہے رازی تمہارے لئے شجر ممنوعہ ہے۔ تمہارا اس پر کوئی حق نہیں۔ تمہاری تقدیر پر انوار کے نام کی مہر ہے۔ اب اس گڑھے میں آنکھیں بند کر کے کود جاؤ۔ تم ایک مشرقی لڑکی ہو۔ اپنی محبت کی تقدیس پر حرف نہ آنے دو۔ جذبات کو عقل کے تابع رکھو اور ضمیر کی اس مسلسل چبھن سے پریشان ہو کر اس کے دل نے ہتھیار ڈال دیئے۔ دماغ کے فیصلے کے سامنے اس نے سر تسلیم خم کر دیا۔ ویسے بیماری کے بعد اس میں اب حالات کے مقابلہ کی ہمت نہ رہی تھی۔ اور وہ اپنی قسمت پر شاکر سی ہو گئی تھی۔ اب رازی کے سامنے آنے پر بھی اس کا دل اس محرومی پر نہ تڑپتا۔ وہ خاموش رہتی۔ اس کا دل جیسے پتھر ہو گیا تھا۔ حالات کے دباؤ نے اسے بے حس بنا دیا تھا۔

رازی کے بارے میں اس نے سمیرا خاتون اور کرنل زیدی کو کچھ نہ بتایا تھا۔ علاج بدستور جاری تھا۔ اور وہ بتدریج تندرست ہوتی جا رہی تھی۔ گو وہ دل سے چاہتی تھی کہ تندرست نہ ہو۔ لیکن رازی بڑی تندہی اور جانفشانی سے اس کا علاج کر رہا تھا۔ وہ کیسے نہ صحتیاب ہوتی۔

⭘......⭘......⭘

سمیرا خاتون ڈاکٹر کے مشورے کے مطابق روزانہ سیفو کو پیدل سیر کے لئے لے جایا کرتی تھیں۔ آج ان کے سر میں درد تھا۔ پریشان بیٹھی سوچ رہی تھیں کہ کیا کریں۔ غزالہ کا پتہ کرایا تو وہ گھر پر نہیں تھی۔ ورنہ اسی کے ساتھ سیفو کو بھیج دیتیں۔ اتنے میں ملازم نے آکر بتایا کہ ڈاکٹر صاحب آئے ہیں۔ انہوں نے اسے بلوالیا۔

رازی نے گزشتہ چند دنوں سے اپنی سعادت مندی اور خوش اطواری سے سمیرا خاتون کے دل میں گھر کرلیا تھا۔ وہ اسے پسند کرنے لگی تھیں۔ اس کی شرافت اور نجابت سے وہ سمجھ گئی تھیں کہ ضرور کسی عالی خاندان کا فرد ہے۔ اور ایک دن باتوں ہی باتوں میں جب رازی نے انہیں بتایا تھا کہ پرنسپل جہاں زیب کا دور کا رشتہ دار ہے تو نہ صرف انہیں فوراً یقین ہو گیا تھا بلکہ وہ اپنے اندازے کے صحیح ہونے پر بہت خوش بھی ہوئیں۔ رازی اب اس گھرانے سے کافی بے تکلف ہو چکے تھے۔ سمیرا خاتون کے طلب کرنے پر وہ انہی کے کمرے میں آگئے اور سلام کرنے کے بعد قریب ہی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئے۔

''کیا بات ہے آنٹی......! آپ نے سر پر رومال کیوں باندھ رکھا ہے۔'' اس نے فکر مند ہو کر پوچھا۔

''بیٹے! یہی تو مصیبت آن پڑی ہے۔ آج میرے سر میں درد ہو رہا ہے اس وقت روزانہ تمہارے کہنے کے مطابق سیفو کو سیر کرانے لے جایا کرتی ہوں۔ آج اس کمبخت سر درد نے اتنا لاچار کر دیا ہے کہ اٹھ بھی نہیں سکتی۔ اگر تکلیف نہ ہو تو تم ہی ذرا دیر کو اسے گھما لاؤ میں نہیں چاہتی اس دستور میں ناغہ پڑے کیونکہ اس سیر نے سیفو کی صحت پر بہت اچھا اثر ڈالا ہے۔''

''میں بڑی خوشی سے یہ فرض بجالاؤں گا۔ اس میں تکلیف کی کیا بات ہے۔'' رازی نے دلی مسرت چھپاتے ہوئے کہا۔ ''لیکن آپ کو سر درد کیسے دور ہوگا۔ دوائی منگوا دوں؟''

''نہیں بیٹے! میں نے الکاسلرز منگائی ہے وہی کھاؤں گی۔ مجھے اسی سے آرام آیا کرتا ہے۔ تم فکر نہ کرو اور سیفو کو ساتھ لے جاؤ۔'' یہ کہہ کر سمیرا خاتون نے حمیدن سے سیفو کو بلوایا۔ ''کیا بات ہے پھوپھی جان آپ نے بلوایا ہے مجھے؟'' سیفو

کمرے کے اندر داخل ہوتی ہوئی بولی لیکن پھر رازی کو وہاں پا کر ایک دم ٹھٹک سی گئی۔ رازی منہ پھیر کر مسکرا دیئے۔ وہ جانتے تھے کہ سیفو ان کے ہمراہ جانے پر رضامند نہ ہو گی۔ لیکن اپنے خیال کے مطابق سیفو سے ان کا ملنا اشد ضروری تھا۔ اس لئے کہ وہ چاہتے تھے اپنے دماغ میں سلگنے والے ان سوالات کا جواب پالیں جنھوں نے انہیں بے چین کر رکھا تھا۔ وہ انوار کے متعلق بھی جاننا چاہتے تھے۔ جس کا نام اس روز بیہوشی کی حالت میں سیفو کے منہ سے نکلا تھا لیکن کئی دفعہ کوشش کے باوجود وہ سمیرا خاتون سے اس بارے میں سوال نہ کر سکے تھے پھر کئی اور باتیں تھیں جو وہ سیفو سے کہنا چاہتے تھے۔ اس کے لئے موقع چاہئے تھا۔

''سیفو بیٹی!'' سمیرا خاتون نے کہا۔ ''آج میرے سر میں سخت درد ہے تمہارے ساتھ سیر پر نہ جا سکوں گی۔ ڈاکٹر شیراز آئے ہیں تم انہی کے ساتھ چلی جاؤ۔''

''لیکن پھوپھی جان!''...... سیفو نے گھبرا کر کچھ کہنا چاہا۔

''اس میں کوئی حرج نہیں بیٹی!'' سمیرا خاتون نے پیار سے کہا۔ ''تمہاری ہر اچھائی برائی کی ذمہ دار میں ہوں۔ تم کیوں متفکر ہوتی ہو۔ مجھے شیراز پر مکمل اعتماد ہے۔ اتنا کہ شاید اپنے بیٹے پر بھی نہ ہوتا۔''

''شکریہ آنٹی! آپ کا حسن ظن ہے۔'' رازی نے سر جھکا کر بڑی سعادت مندی سے کہا۔

سیفو متذبذب سی کھڑی تھی۔ ''چلئے۔'' رازی نے اس کے قریب آ کر بڑے مہذب طریقے سے کہا۔ ان کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ سیفو جھلائی ہوئی سی کمرے سے نکل آئی۔ اس نے خود سے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس جادوگر کے ہمراہ سیر کو نہیں جائے گی۔ راستے میں اس کا کمرہ آتا تھا۔ وہ اس میں گھس جائے گی۔ لیکن رازی نے پتہ نہیں کیسے اس کا ارادہ بھانپ لیا تھا۔ جونہی اس کا کمرہ آیا' وہ جلدی سے اس کے کھلے دروازے میں اس طرح کھڑے ہو گئے کہ گزرنے کا راستہ بالکل نہ رہا۔ سیفو سٹپٹا سی گئی۔

''ادھر نہیں ادھر......'' شرارت سے انگلی ہلاتے ہوئے انہوں نے باہر کی طرف اشارہ کیا۔ ''آپ راستہ بھول گئی ہیں شاید۔''

''میں نہیں جاؤں گی آپ کے ساتھ۔''......سیفو نے غصے سے کہا۔
''ضرور چلیں گی آپ۔'' یہ کہہ کر رازی نے سیفو کا ہاتھ پکڑا اور تیز چلتے گیلری سے نکل کر باہر آ گئے۔ اس اچانک حرکت سے سیفو اتنی ششدر ہوئی کہ کچھ بھی تو نہ کہہ سکی۔

''بس اب ضد نہ کیجئے گا۔'' رازی نے سرگوشی میں مشورہ دیا۔ ''نوکر سامنے کھڑے ہیں۔'' سیفو خاموشی سے ان کے ساتھ چلتی گیٹ سے باہر آ گئی۔
دونوں کچھ دیر سڑک پر چپ چاپ چلتے رہے۔ سیفو کے چہرے پر دبا ہوا سا غصہ تھا اور وہ جھلاہٹ میں کچھ زیادہ ہی تیز چل رہی تھی۔
''اتنا تیز نہ چلیں۔ ابھی آپ کی صحت اس چیز کی اجازت نہیں دیتی۔'' رازی نے سمجھایا۔
''آپ کون ہوتے ہیں مجھے روکنے والے۔'' سیفو نے غصے سے پلٹ کر کہا۔
''آپ کا معالج۔'' رازی نے مسکرا کر شرارت سے ابرو چڑھائے۔
سیفو سٹپٹا گئی۔ اور پھر خاموشی سے چلنے لگی۔ غصے کی تیزی میں اسے پتہ بھی نہ چلا کہ کتنا فاصلہ طے کر آئی ہے۔ وہ اب ایک غیر معروف سی سڑک پر چل رہے تھے۔ جس کے دونوں اطراف اونچے اونچے چنار کے درخت تھے۔ رازی بڑی معصومیت سے اس کے پہلو بہ پہلو چلے جا رہے تھے آخر سیفو تھک گئی۔ کہاں تک چلائے گا یہ شخص اسے۔

''کہیں بیٹھنے کا ارادہ ہے؟'' رازی نے اس کی تھکاوٹ کا اندازہ لگا کر کہا۔
''چلئے کوئی مناسب جگہ تلاش کریں۔'' یہ کہہ کر وہ سڑک کے ایک طرف جا کر جھاڑ جھنکار ہٹانے لگے۔ یہاں پودوں کی غیر معمولی کثرت تھی۔ وہ دیر تک صفائی میں جٹے رہے۔ آخر تھوڑی سی بیٹھنے کی جگہ نکل آئی۔ سیفو سخت تھک چکی تھی۔ وہ مضمحل ہو کر گھاس پر بیٹھ گئی۔ رازی ذرا ہٹ کر درخت کے سہارے کھڑے ہو گئے تھے' انہوں نے سگریٹ نکال کر سلگایا اور آہستہ آہستہ کش لگانے لگے۔
''سیفو تمہیں اتفاقاً یہاں پا کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے قدرت کو ہی ہمارا یکجا ہونا منظور ہے۔''......وہ آہستہ سے بولے۔ سیفو خاموش رہی۔

''تمہیں پتہ ہے سیفو یہ چار ماہ میں نے کیسے گزارے۔'' رازی اپنی دھن میں کہتے گئے۔ یوں لگتا تھا جیسے میں ایک بے روح جسم ہوں۔ تمہارے جانے کے بعد کچھ بھی تو میرے پاس نہ رہ گیا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا سیفو کہ کبھی یہ مقام بھی میری زندگی میں آئے گا۔'' وہ رک رک کر حال دل سنا رہے تھے۔ ''تم نے مجھ جیسے لاپروا انسان کو ایک ایسا درد بخش دیا تھا جس کا کوئی مداوا نہ ہو سکا۔ ہر طرح کی دلچسپیاں بھی میرے لئے سامان مسرت نہ بن سکیں۔ اس لئے کہ تم میرے پاس نہ تھیں۔ میں ہزار کوشش کے باوجود بھی تمہیں نہ بھلا سکا' سیفو...... جانتی ہو تمہیں بھولنے کی کوششیں میں نے کیوں کی تھیں؟'' وہ ذرا رکے۔ سیفو کی جانب دیکھا۔ وہ سر نیچا کئے خاموش بیٹھی تھی۔ انہوں نے ایک لمبا سانس لیا اور بولے۔ ''اس لئے کہ میں سمجھتا تھا تمہیں مجھ سے نفرت ہے۔'' سیفو کے جسم میں لرزش سی پیدا ہوئی۔ لیکن وہ بولی کچھ نہیں۔ اسے خود پر اعتماد نہ تھا کہ ٹھیک طرح بول سکے گی۔

''اور اسی لئے تم میرے جذبات کبھی نہ سمجھ سکو گی۔'' وہ لمبا کش لے کر دھواں باہر نکالتے ہوئے بولے۔ ''یہ خلش کچھ کم نہ تھی۔ خصوصاً ایک ایسے انسان کے لئے جس کی زندگی کا یہ پہلا تجربہ ہو۔ ایک تلخ تجربہ...... میرے لئے یہ بات سخت اذیت دہ تھی۔ میں نے زندگی میں پہلی بار تمہیں چاہا تھا لیکن یہ چاہت ناکام رہی۔ اس صدمے نے مجھے حواس باختہ کر دیا۔ میں سخت چڑچڑا اور بدمزاج ہو گیا۔ لوگ حیران تھے کہ مجھے کیا ہو گیا ہے لیکن اس کی وجہ صرف میں ہی جانتا تھا۔ اور میری اس حالت کی ذمہ دار تم تھیں سیفو۔ تم نے مصنوعی نفرت جتا کر مجھے مایوسی کے سمندر میں دھکیل دیا...... اور مجھے بیکار اتنا عرصہ تڑپایا...... تم اتنی اذیت پسند کیوں ہو بھلا؟''

سیفو سر جھکائے بدستور خاموش تھی۔ لیکن اس کے دل میں طوفان برپا تھا۔ وہ کیا بتائے۔ کیسے اسے سمجھائے۔

''تمہاری اس نفرت کو میں حقیقی سمجھتا رہتا اگر اتفاقاً تم خود ہی اس کا پول نہ کھول دیتیں؟'' رازی نے مسکرا کر کہا۔ سیفو نے چونک کر انہیں حیرت سے دیکھا۔ یہ وہ کیا کہہ رہے تھے۔

''اور وہ میری زندگی کا حسین ترین دن تھا۔ جب خود تمہارے لبوں سے میں

نے اپنا نام سنا۔ ایک بار نہیں کئی بار۔ اور اتنی اپنائیت سے کہ تم پر نثار ہو جانے کو جی چاہتا تھا۔ مگر آنٹی کی موجودگی میں دل مار کر رہ گیا۔'' رازی کن انکھیوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

''یہ کب کا واقعہ ہے؟ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' سیفو نے گھبرا کر پوچھا۔

''جس دن تمہیں بخار ہوا تھا'' رازی نے اسے بتایا۔ ''اور پریشانی کے باوجود میرا دل اس قدر مسرور تھا کہ بتا نہیں سکتا...... تم غافل تھیں اور ہذیان کی حالت میں بار بار مجھے پکارتی رہیں۔''

رازی کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ سیفو نے کچھ شرمندہ سی ہو کر سر جھکا لیا۔ کیا واقعی میں بے ہوشی میں انہیں پکارتی رہی تھی۔ لیکن ٹھیک تو ہے وہ میری تشنہ روح کی پکار تھی۔ روح جو ہر قسم کی پیش بینیوں اور مصلحتوں سے بالاتر ہے۔

''بے ہوشی کی حالت میں تم جتنی صاف گو ثابت ہوئیں اتنی ہوش کے عالم میں کبھی نہ تھیں۔'' رازی نے کہا۔ ''سیفو میں تمہارے بخار کا مشکور ہوں۔ اس نے مجھے ایک بہت بڑی ذہنی اذیت سے نجات دے دی...... لیکن اس کے ساتھ ہی ایک الجھن بھی بڑھ گئی ہے۔ تم بتا سکتی ہو۔ انوار! کون ہے...... تم بے ہوشی میں اس کا بھی نام لے رہی تھیں لیکن مختلف طریقے سے۔''...... سیفو نے تڑپ کر سر اٹھایا۔ تو بخار کی حالت میں اس نے اپنے تمام راز کھول ڈالے تھے؟ اس کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ اچانک اس نے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ لئے۔ ہچکیوں سے اس کا تمام جسم ہلنے لگا تھا۔ میں کیا کروں الٰہی میں کہاں جاؤں۔

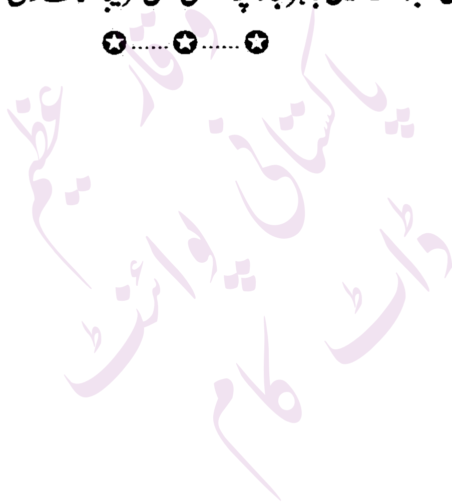
رازی بے تاب سے ہو کر اس کے پاس بیٹھ گئے۔ ''خدا کے لئے سیفو۔ روؤ مت۔ اچھا میں اب کچھ نہیں پوچھوں گا تم سے جس سوال سے تمہارے دل کو تکلیف پہنچے وہ کبھی زبان پر نہیں لاؤں گا۔ بس اب تو خاموش ہو جاؤ۔''

''آپ پھوپھی جان! سے پوچھئے گا۔ وہ آپ کو انوار کے متعلق سب کچھ بتا دیں گی۔'' سیفو نے آنسوؤں سے بھرا چہرہ اٹھا کر اٹکتے ہوئے کہا۔ ''میں اپنی بدنصیبی کے بارے میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتی۔''...... رازی کا دل انجانے اندیشوں سے دھڑکنے لگا۔ وہ سوچ میں پڑ گئے۔

سیفو نے اپنے آنسو پونچھ کر چہرہ صاف کیا اور اٹھ کھڑی ہوئی وہ رازی کی طرف دیکھنے کی بھی ہمت اپنے میں نہیں پا رہی تھی۔ رازی بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔

''چلئے۔''...... وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ اور مشین کی طرح رازی اس کے ہمراہ چلنے لگے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ جاتے ہی سمیرا خاتون سے اس بارے میں پوچھوں گا۔ لیکن سوء اتفاق سے جب وہ گھر پہنچے اس وقت وہ سو چکی تھیں۔ وہ بوجھل دل لئے واپس چلے گئے۔ دوسرے ہی روز انہیں کسی سرکاری کام کی وجہ سے کہیں باہر جانا پڑا جس میں قریباً سات دن لگ گئے۔





کرنل زیدی نے سیفو کی حالیہ بیماری کی بہت سرسری سی اطلاع پرنسپل صاحب کو دی تھی۔ وہ بھی اس کی صحت یابی کے بعد۔ وہ جانتے تھے کہ اپنے امراض کے باعث دونوں میاں بیوی ایبٹ آباد نہیں آسکتے اس صورت میں انہیں اس کی بیماری کی خبر دینا انہیں محض پریشان کرنا ہے۔ خواہ مخواہ وہاں بیٹھے تردد اور فکر سے ہلکان ہوتے رہیں گے۔ یہ سب سوچ کر انہوں نے انہیں حقیقت حال سے آگاہ نہ کیا۔

سیفو دس بارہ روز میں بالکل تندرست ہوگئی تھی۔ اب وہ اکثر خاموش رہتی۔ اس نے اپنا پینٹنگ والا مشغلہ پھر سے اختیار کرلیا تھا۔ غزالہ کے ہاں بھی جاتی تھی۔ لیکن دل کا چین ہر جگہ مفقود تھا۔ اس کی نگاہیں بے اختیار ہر سو رازی کو ڈھونڈتی تھیں۔

قریباً ایک ہفتے کی غیر حاضری کے بعد ایک دن شام کے وقت رازی آئے۔ کرنل زیدی حسب معمول گالف کھیلنے گئے ہوئے تھے۔ وہ اپنے دل میں جنم پانے والے اندیشوں کی تصدیق یا تردید کے لئے سمیرا خاتون کے کمرے میں چلے گئے۔ وہ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔

”بیٹے! اتنے دن سے کہاں تھے تم؟ ہم لوگوں کو تمہارا بڑا انتظار رہا۔“ انہوں نے محبت سے کہا۔

”باہر چلا گیا تھا۔“ وہ سنجیدگی سے بولے۔ ”سرکاری کام تھا...... وہیں اتنے دن لگ گئے۔“

”سیفو تو اب تمہاری جانفشانی اور خدا کے فضل و کرم سے بالکل صحت یاب ہو گئی ہے۔“ وہ بولیں۔ ”میں تو چاہتی تھی اسی خوشی میں ایک جشن کروں مگر تم سے کیا چھپانا اس کی شادی کی تاریخ مقرر ہونے والی ہے۔ بس کچھ ہی دن باقی ہیں۔ انوار آنے والا

ہے اس کی آمد پر شادی کی تاریخ مقرر کر دی جائے گی۔''

رازی پر جیسے کسی نے بے خبری میں وار کر دیا ہو۔ وہ تڑپ کر بے اختیار بولے۔ ''شادی؟''

''ہاں بیٹا! تم اب اس گھر کے ایک فرد ہو۔ تم سے کس بات کا پردہ؟'' یہ کہہ کر سمیرا خاتون نے سیفو کی انوار سے منگنی سے لے کر اس روز والی ساری باتیں بتا دیں جو سیفو نے ان سے کی تھیں' اور اپنی نارضامندی کا اظہار ان کے روبرو کیا تھا۔ رازی خاموشی سے سنتے رہے ان کے حواس گم تھے۔

''یہ ہیں سارے حالات۔'' انہوں نے کہا۔ ''مجھے اس لڑکی کی بدقسمتی پر سخت رنج ہوتا ہے۔ لیکن اس نے مجھے قسم دے کر اس بات سے منع کر دیا ہے کہ جہاں زیب بھائی سے اس بارے میں کچھ نہ کہوں اور حیرت کی بات یہ ہے کہ خود ان کی عقل پر کیسے پردہ پڑ گیا کہ وہ اپنی لڑکی کی نارضامندی کو نہ جان سکے جبکہ وہ اسی باعث بیمار بھی پڑ گئی۔ دراصل قصہ یہ ہے کہ میں نے سنا ہے پرنسپل صاحب انوار کو بے حد چاہتے ہیں۔ ان کے دوست کا لڑکا جو ہوا۔ پھر انہی کے گھر پلا بڑھا۔ تعلیم پائی۔ محبت کیسے نہ ہوتی۔ لیکن اس کا مطلب یہ تو نہ تھا کہ وہ زبردستی اسے لڑکی کے گلے منڈھ دیتے۔ یہ تو ناممکن ہے کہ نفیسہ خانم کے ذریعے سیفو کے خیالات کا کچھ نہ کچھ علم انہیں نہ ہوا ہو۔''

رازی خاموش تھے۔ ان کے سوچنے سمجھنے کی قوتیں سلب ہو چکی تھیں۔ سمیرا خاتون ذرا دیر ٹھہر کر بولیں۔ ''میرا خیال تھا کہ سیفو محض انوار سے شادی کے صدمہ سے بیمار پڑی ہے۔ ذہنی خلجان انسان کو تباہ کر دیتا ہے۔ لیکن اس کی اس روز والی بے ہوشی کی باتوں سے مجھے ایک نیا اندیشہ لاحق ہو گیا ہے......

رازی نے چونک کر سر اٹھایا۔ ان کی آنکھوں میں سوال تھا لیکن پوچھنے کی ہمت ان میں نہ تھی۔ سمیرا خاتون گھمبیر لہجے میں بولیں۔ ''شیراز بیٹے۔ یہ ساری باتیں تمہیں اپنا جان کر کہہ رہی ہوں ورنہ سیفو کا راز مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ تم پر اس اعتماد کی وجہ یہ بھی ہے کہ مجھے یقین ہے تم اس مشکل میں کوئی حل بتا سکو گے۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ اس روز بخار کی غفلت میں سیفو کے منہ سے میں نے بار بار ایک نام سنا تھا۔ رازی...... وہ کسی رازی نام کے شخص کو پکار رہی تھی۔ یاد ہے نا۔ سنا تھا تم نے

بھی؟ اور گو مجھ سے اس بارے میں اس نے کبھی ایک لفظ نہیں کہا۔ وہ بڑی محتاط اور حیا دار لڑکی ہے۔ لیکن مجھے شک ہوتا ہے کہ رازی کا خیال اس کے دل میں ہے۔ اس صورت میں انوار کے ساتھ شادی اس پر دوہرا ظلم ہوگا۔ لیکن کیا کیا جائے۔'' وہ متفکر سی ہو گئیں۔

رازی خاموش بیٹھے سوچ رہے تھے۔ ان کی نگاہوں کے سامنے سے جیسے ایک پردہ سا اٹھ گیا تھا۔ سمیرا خاتون نے ان کی ساری الجھنیں دور کر دی تھیں۔ اب وہ اس روشنی میں سیفو کے رویے اور مجبوری کے اظہار کو اچھی طرح سمجھ رہے تھے۔ اس مظلوم لڑکی کی ساری مجبوریاں اب ان کی سمجھ میں آ گئی تھیں۔ حقیقت حال ان پر روشن ہو گئی تھی۔ اور وہ اپنے ساتھ اس کے بیگانگی والے سلوک کو پوری طرح حق بجانب سمجھ رہے تھے۔ اور گو اب پہلے سے ہزار گنا بڑا بوجھ ان کے دل پر آن گرا تھا۔ تاہم دل کے ایک گوشے میں انجانی سی مسرت بھی تھی۔ وہ بھی مجھے چاہتی ہے۔ ہم دونوں ایک ہی آگ میں جل رہے ہیں۔ یہ خلش صرف میرے ہی دل کو نہیں تڑپاتی رہی۔ اسے بھی بے قرار کئے ہوئے تھی۔ ایسا سوچنے میں ایک خودغرض سی خوشی انہیں محسوس ہو رہی تھی۔

''کیا سوچنے لگے شیراز بیٹے!؟'' سمیرا خاتون نے پوچھا۔

''شیراز نہیں رازی کہیئے۔'' وہ آہستہ سے بولے۔ سمیرا خاتون نے ان پر اعتماد کرتے ہوئے سب کچھ بتا دیا تھا۔ وہ بھی ان سے کچھ نہیں چھپائیں گے۔ یہ سوچ کر انہوں نے کہا۔ ''آنٹی! میں ہی وہ کم نصیب انسان ہوں جس کا نام اس روز سیفو کی زبان پر تھا۔ اس نے آپ کو اپنے متعلق سب کچھ بتاتے ہوئے بھی میرے بارے میں کچھ نہ بتایا تھا۔ یہ اس کی حیاداری تھی۔ لیکن آج میں آپ کو سب کچھ بتاؤں گا۔ سنیئے ایک مشترک رشتہ دار کے ہاں ہم دونوں تعلیم کی غرض سے پورا ڈیڑھ سال اکٹھے رہے ہیں۔ اسی دوران مجھے اس سے لگاؤ ہو گیا۔ شاید اسے بھی تھا۔ لیکن وہ اپنے جذبات چھپاتے ہوئے ہمیشہ مجھ سے کتراتی رہی۔ اس کی بے رخی کا سبب اس کی اپنی مجبوریاں تھیں۔ لیکن اس نے مجھے کچھ نہ بتایا اور یہ انوار سے منگنی والی بات کا بھی مجھ سے ذکر نہ کیا۔ میں اس کے حالات سے محض بے خبر تھا۔ میں یہ سمجھا کہ وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے۔ آنٹی آپ نہیں جان سکتیں کہ مجھے اس چیز سے کتنا صدمہ پہنچا۔ یہ وہاں سے گرمی کی

تعطیلات میں چلی آئی اور میں اپنے دل کی آگ میں جلتا رہا۔ اس کے بعد میری پوسٹنگ یہاں ہوگئی۔ اور مجھے اس کے بارے میں کچھ پتہ نہ چلا حتیٰ کہ اس کے علاج کے لئے مجھے ہی بلایا گیا اور آج آپ کی زبانی سارے انکشافات سن کر میں سوچتا ہوں کہ واقعی میری بدقسمتی میں کوئی کلام نہیں۔ میں نے اسے پا کر بھی کھو دیا۔"

شدت جذبات سے رازی کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اور آواز میں لرزش تھی۔ دلی کرب سے وہ اپنے ہونٹ کاٹ رہے تھے۔ سمیرا خاتون دم بخود بیٹھی انہیں دیکھے جا رہی تھیں۔

رازی اٹھے اور لڑکھڑاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔ سمیرا خاتون اس درجہ حیرت زدہ تھیں کہ انہیں روک بھی نہ سکیں۔



پرنسپل جہاں زیب اپنی مطالعہ کی میز کے سامنے بیٹھے آج کی ڈاک دیکھ رہے ہیں۔ بہت سے لفافوں کے نیچے انہیں ہوائی ڈاک کا ایک نیا لفافہ نظر آیا۔ انہوں نے اشتیاق سے اسے اٹھا لیا۔ انوار کا خط ہوگا۔ اس نے یقیناً اپنی آمد کی اطلاع دی ہے۔ انہوں نے سوچا۔ اتنے روز سے انہیں اس کے خط کا انتظار تھا۔ وہ اکرام حسین کے بار بار آنے والے خطوط کے تحت شادی کی پوری تیاری کر چکے تھے۔ انوار کی آمد کی تاریخ کا تعین ہونا تھا۔ لیکن ایک ماہ کے طویل انتظار کے باوجود انوار نے اپنی آمد کی کوئی اطلاع نہ دی تھی۔ خیر شکر ہے آج اس کا خط آ گیا۔ ان کے دل پر سے جیسے ایک بوجھ اتر گیا تھا۔ بڑی توجہ سے اوپر والی انگلینڈ کی مہر دیکھ کر انہوں نے لفافہ چاک کیا۔ اور خط پڑھنے لگے۔

خط پڑھنے کے دوران ہی ان کے چہرے سے غصے کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔ اختتام پر ان کی آنکھوں سے غیض و غضب کی چنگاریاں اڑنے لگیں۔ غصے کے مارے ہونٹ کاٹتے ہوئے انہوں نے خط کو دوبارہ پڑھا۔ کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی۔ تندی سے کرسی کو پیچھے دھکیلتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور خط ہاتھ میں لئے نفیسہ خانم کے کمرے میں جا پہنچے۔

"ملعون۔ خبیث۔ بدمعاش۔" انتہائی غصے میں یہ الفاظ کہتے ہوئے انہوں

نے خط پلنگ پر پھینک دیا۔ نفیسہ خانم کوئی کپڑا سی رہی تھیں۔ ہڑبڑا کر اٹھیں۔ ''کیا بات ہے۔ کیا ہوا۔ کس کا خط ہے؟'' انہوں نے ایک ساتھ کئی سوال پوچھ ڈالے۔

''میں اسے گولی مار دوں گا بدمعاش! کو۔'' پرنسپل صاحب اپنی ہی رو میں کہے جا رہے تھے۔ پھر بیوی سے مخاطب ہوئے 'یہ خط پڑھو تمہیں خود ہی سب پتہ چل جائے گا۔'' انہوں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

نفیسہ خانم کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے خط اٹھا کر پڑھنے لگیں۔ پرنسپل صاحب اس دوران میں مسلسل کمرے میں ٹہلتے رہے۔ ان کے غیض وغضب کی کوئی انتہا نہ تھی۔

نفیسہ خانم کا چہرہ خط پڑھ کر روشن ہو گیا تھا۔ اطمینان کا سانس لے کر انہوں نے اسے پلنگ پر ڈال دیا اور اتمام حجت کے طور پر بولیں ہو سکتا ہے یہ خبر غلط ہو۔ انوار کے کسی دشمن نے یہ چال چلی ہو۔'' حالانکہ دل ہی دل وہ دعا مانگ رہی تھیں کہ خدا کرے یہ خبر صحیح ہو۔

''یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔'' پرنسپل صاحب دھاڑے۔ ''عارف میرا انتہائی سعادت مند اور شریف النفس شاگرد ہے۔ وہ کبھی جھوٹ نہیں لکھ سکتا۔ اور پھر اس میں اس کا ذاتی مفاد کون سا ہے۔ اگر انوار کی سیفو کے ساتھ شادی میں روڑا اٹکے تو اسے کیا فائدہ ہو گا۔ تمہاری یہ بات قطعی مہمل ہے۔ اس مردود نے واقعی ایسا کیا ہو گا۔''...... وہ غصے سے کانپ رہے تھے۔ جھپٹ کر انہوں نے خط اٹھایا اور تسلی کی خاطر سہ بارہ اسے پڑھنے لگے۔ یہ خط ان کے ایک شاگرد رشید عارف کا تھا۔ وہ بھی انوار کے ساتھ ہی انگلینڈ میں مقیم تھا۔ اس نے پرنسپل صاحب کو لکھا تھا کہ انوار نے یہاں ایک انگریز لڑکی سے شادی کر لی ہے۔ لیکن وہ سیفو اور اس کے ذریعے حاصل ہونے والی آپ کی دولت سے بھی دستبردار نہیں ہونا چاہتا اس لئے اپنی شادی کی خبر اس نے سب سے چھپائی ہے۔ صرف مجھے علم ہے اس لئے کہ میں اس کی شادی میں شریک تھا۔ اب وہ کچھ دنوں تک آپ کے پاس حاضر ہو کر سیفو سے شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اس کے بعد اس کی انگریز بیوی بھی پروگرام کے مطابق اس کے پاس آ جائے گی۔ لیکن اس وقت آپ کچھ نہ کر سکیں گے میں آپ کا شاگرد ہوں اور حق استاد مجھے اس بات پر مجبور کر رہا ہے کہ یہ ساری

باتیں آپ کے گوش گزار کر دوں۔ اور آپ بروقت اس سازش سے باخبر ہو جائیں۔ سیفو کو اپنی بہن سمجھتے ہوئے میں یہ چاہتا ہوں کہ اس کی زندگی برباد نہ ہو۔

مجھے یقین ہے کہ ان حالات سے آپ کو لاعلم رکھا گیا ہو گا کیونکہ ترنگ میں آ کر انوار نے مجھے بتایا تھا کہ اس کی اس ''شرارت'' کا کسی کو بھی علم نہیں۔ حتیٰ کہ اس کے ماں باپ کو بھی خبر نہیں۔

خدا کرے میرا یہ خط آپ کو بروقت مل جائے۔ اور آپ اس دھوکہ بازی سے باخبر ہو کر اپنے بچاؤ کا کوئی سامان کر لیں۔

پرنسپل صاحب جہاں اس بات پر خدا کا شکر ادا کر رہے تھے کہ عین وقت پر انوار کا پول کھل گیا۔ اور وہ اس کی چال بازی کا شکار ہونے سے بچ گئے۔ وہاں اب ان کو سیفو کی شادی نہ ہونے سے جو دشواریاں پیدا ہونا تھیں۔ ان کی فکر لگ گئی تھی۔ وہ پریشان بیٹھے یہی سب سوچ رہے تھے کہ نفیسہ خانم بولیں۔ ''اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے ہم اس سانپ کے زہر سے بچ گئے۔ میں آپ سے نہ کہا کرتی تھی کہ اس لڑکے کے لچھن اچھے نہیں۔''

''واقعی آستین کا سانپ ثابت ہوا یہ نابکار۔'' پرنسپل صاحب نے نفرت سے کہا۔ ''اس وقت سامنے ہو تو بے دریغ گولی مار دوں۔ کیا سمجھ کر اس نے مجھ سے ایسی دھوکہ بازی کی۔''

''لعنت بھیجئے اس پر۔'' نفیسہ خانم بولیں۔ خدا نے ہماری سیفو کو بچا لیا ہمیں اور کچھ نہیں چاہئے۔ خدا عارف کو جزائے خیر دے اس نے بروقت اطلاع دے کر بڑا کام کیا۔''

''ہاں۔'' پرنسپل صاحب کچھ سوچتے ہوئے بولے۔ ''لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس کمینے کی وجہ سے شادی کا امکان جو ختم ہو گیا ہے تو اب ہو گا کیا۔ میں سب انتظامات مکمل کر چکا ہوں اکرام حسین کے زور دینے پر' کہ وقت پر ہو گی میں نے جنس وغیرہ بھی منگوا لی ہے کل ہی چاول' گندم اور چینی وغیرہ کا چھکڑا پہنچ جائے گا۔ گھی کے پندرہ ٹین بھی ہوں گے۔ کارڈ چھپ چکے ہیں۔ صرف تاریخ ڈالنی باقی ہے۔ میرے سب دوستوں کو خبر پہنچ چکی ہے۔ اکثر تو اب مع کنبوں کے آنے والے بھی ہوں گے۔

اب کیا ہو۔''......وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر خاموش ہو گئے۔

''اس میں فکر کی بات ہی کون سی ہے۔ نفیسہ خانم نے شوہر کی ڈھارس بندھاتے ہوئے کہا۔''غلہ وغیرہ سب گودام میں محفوظ کر دوں گی۔ کارڈ سنبھال کر رکھ دیئے جائیں گے۔ رہی دوستوں کو خبر ہونے کی بات تو شادیاں ملتوی بھی ہو جایا کرتی ہیں۔ انہیں لکھ دیجئے کہ چند وجوہ کی بنا پر شادی فی الحال ملتوی کر دی گئی ہے۔''

''وہ تو کروں گا ہی۔'' پرنسپل صاحب نے متفکر ہو کر کہا۔''لیکن سب سے زیادہ فکر مجھے اس بات کی ہے کہ اب سیفو کے لئے نئے سرے سے رشتہ تلاش کرنا ہوگا۔ اس مردود پر تکیہ کر کے میں تو گویا اس فرض سے سبکدوش ہو چکا تھا۔''

''خدا مسبب الاسباب ہے۔'' نفیسہ خانم نے مطمئن لہجے میں کہا۔''اس پر بھروسہ رکھئے۔ اللہ نے چاہا تو انوار سے بہتر رشتہ مل جائے گا۔ آپ ابھی اکرام حسین کو تو اس رشتے کی منسوخی کا خط لکھ بھیجئے کہیں وہ غلط فہمی میں بارات لے کر نہ آ پہنچیں۔''

''بارات؟'' پرنسپل صاحب غصے سے پھنکارے۔''اب اس نے ادھر کا رخ بھی کیا تو اس کی گردن سلامت نہیں رہے گی۔ بارات کا کیا ذکر۔ میں ابھی اسے خط لکھتا ہوں۔ بلکہ مجھے اس بارے میں زیدی کو بھی اطلاع دینی ہے۔ وہ بچارا شادی کی تاریخ کے انتظار میں ہوگا۔ بیچ میں یہ گل کھل گیا۔''......وہ اٹھ کر چلے گئے۔

نفیسہ خانم نے اسی وقت وضو کیا اور شکرانے کے نفل پڑھنے کھڑی ہو گئیں۔ خدا نے ان کی اور سیفو کی دعائیں سن لی تھیں۔ ان کی دلی تمنا بر آئی تھی۔ وہ بے انتہا خوش تھیں اور انہیں حقیقتاً اس بات کی کوئی فکر نہ تھی کہ سیفو کے لئے بر ڈھونڈنا پڑے گا۔ وہ تو انوار سے پیچھا چھوٹ جانے پر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی تھیں۔ سیفو کے دل کا حال انہیں معلوم تھا اور اپنی بے دست و پائی پر کڑھا کرتی تھیں کہ وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتیں۔ اپنی بیٹی کے دکھ کا مداوا نہیں کر سکتیں۔ وہ بجھے ہوئے شوق اور مردہ دلی سے اس کی شادی کی تیاری کر رہی تھیں۔ لیکن اللہ نے ان کی اور سیفو کی لاج رکھ لی وہ اس کے حضور سجدہ ریز ہو گئیں۔

پرنسپل صاحب نے اپنے کمرے میں جا کر پہلے تو ایک آتش بداماں خط اکرام حسین کو تحریر کیا۔ جس میں انہیں اور انوار کو لعنت ملامت کرتے ہوئے انہوں نے رشتے

کے منسوخ ہونے کا فیصلہ لکھ دیا اور یہ بھی کہ آئندہ اکرام حسین یا ان کے کنبے کے کسی فرد کی صورت بھی دیکھنا وہ پسند نہیں کریں گے۔ انہوں نے منگنی کا جوڑا اور انگوٹھی بھی نفیسہ خانم سے لے کر بذریعہ پارسل واپس کر دیئے۔

دوسرا خط انہوں نے کرنل زیدی کو لکھا اور انہیں سارا معاملہ لکھتے ہوئے استدعا کی کہ اس واقعہ کی بھنک بھی سیفو کے کان میں نہ پڑے۔ وہ حد درجہ حساس لڑکی ہے۔ اپنی اس تذلیل سے نہ جانے کیا اثر لے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا کہ سیفو کو ابھی کچھ عرصہ اور اپنے ہی پاس رکھو تا کہ میں یہاں کے ماحول سے شادی وغیرہ کے تمام نشانات مٹا کر اور خود اپنے دل کو تسلی دینے کے بعد اسے بلاؤں تو وہ متفکر نہ ہو۔

انہوں نے کرم داد کو بلا کر دونوں خط پوسٹ کرنے کے لئے دے دیئے۔



رازی خاموش اداس سے سمیرا خاتون کے کمرے میں بیٹھے تھے۔ آج کئی دن کے بعد وہ آئے تھے۔ ان کا دل چاہتا تھا کہ وہ سیفو سے ملیں پھر اس خیال سے رک جاتے تھے کہ اب اس طرح ملنے سے نہ صرف ان کا درد بڑھ جائے گا۔ بلکہ سیفو کی تکلیف بھی دو چند ہو جائے گی۔ وہ اس کے دل کی حالت سے واقف ہوتے ہوئے یہ نہ چاہتے تھے کہ اس کے رنج و غم میں اضافہ ہو۔

اتنے میں کرنل زیدی ہاتھ میں ایک خط لئے یہ کہتے ہوئے آئے۔ ''لو بھئی یہ نیا گل کھلا۔ اس لڑکے نے تو بیاہ کر لیا کسی میم سے۔ اب بتاؤ......'' وہ رازی کو دیکھ کر کچھ ٹھٹک سے گئے اور اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔ کسی کی خاندانی باتیں وہ ایک اجنبی کے سامنے نہ دہرانا چاہتے تھے۔ خواہ اس سے کتنے بھی بے تکلف ہوں۔ انہیں رازی کے بارے میں کچھ خبر نہ تھی۔ سمیرا خاتون نے انہیں کچھ نہ بتایا تھا۔ بھلا وہ کیسے جان سکتے تھے کہ رازی نہ صرف محرم راز ہیں بلکہ اس قصے کی اہم کڑی بھی ہیں ان کی جھجک بھانپ کر سمیرا خاتون نے مناسب سمجھا کہ انہیں رازی کے متعلق کچھ بتا دیا جائے۔

''بھائی جان!'' وہ بولیں۔ ''آپ کو شاید علم نہیں یہ جہاں زیب بھائی کے رشتہ دار ہیں۔ میں نے انوار سے سیفو کی منگنی کے بارے میں انہیں سب کچھ بتا دیا ہے۔ آپ ان کی موجودگی میں بے تکلفی سے بات چیت کریں۔''

''اچھا۔ ہاں۔ وہ تو ٹھیک ہے۔'' کرنل صاحب اس انکشاف پر متعجب اور کچھ پریشان سے ہو کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔ ''تو میں یہ کہہ رہا تھا۔ یہ خط آیا ہے جہاں زیب کا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ انوار میرا مطلب ہے۔ جس لڑکے سے سیفو بیٹی کی شادی طے پائی تھی۔ اس نے انگلینڈ میں کسی میم سے شادی کر لی ہے اور اب جہاں

زیب اس جگہ اپنی لڑکی کی شادی نہ کریں گے۔ انہوں نے یہ ہدایت بھی کی ہے کہ سیفو کو یہ بات ہرگز نہ بتائی جائے ورنہ وہ سخت رنجیدہ ہوگی اور اس کی صحت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے یہ بھی لکھا ہے کہ ابھی وہ کچھ عرصہ ہمارے ہی پاس رہے گی۔ تا آنکہ وہ اس خبر کو اسے سنانے کے لئے خود تیار نہ ہو جائیں...... کتنا برا ہوا یہ سمیرا۔ مجھے تو اس خیال سے بھی تکلیف ہو رہی ہے کہ سیفو جب سنے گی اور پتہ بہر حال اس کو کبھی نہ کبھی چل ہی جائے گا تو وہ کس قدر غم کرے گی۔"

"آپ فکر نہ کریں۔" سمیرا خاتون نے اطمینان سے کہا۔ "وہ تو اس خبر سے بلکہ خوش ہوگی۔"

"کیا کہا؟ خوش ہوگی؟ سبحان اللہ عجب منطق ہے تمہاری بھی۔" کرنل نے تیوری چڑھائی۔ "بھلا کوئی لڑکی اپنی نسبت ٹوٹ جانے پر بھی خوش ہو سکتی ہے؟"

"خوش یوں ہوگی بھائی جان۔" سمیرا خاتون نے مسکراتے ہوئے سمجھایا۔ "کہ وہ اس نسبت پر راضی نہ تھی۔ لڑکی چونکہ خوددار اور شرمیلی ہے اس لئے یہ حقیقت والدین سے نہ کہہ سکی۔ البتہ مجھے اس نے سب کچھ بتا دیا تھا۔ اور میں اسی وجہ سے بے حد متفکر تھی کہ آخر یہ بیل کیسے منڈھے چڑھے گی۔ لیکن آج آپ نے یہ خوش خبری سنا کر میرے دل کا بوجھ اتار دیا۔"

کرنل زیدی حیرت سے یہ سب باتیں سن رہے تھے۔ بولے۔ "عجیب بات ہے خیر۔ اس وقت تم نے یہ کہہ کر مجھے مطمئن کر دیا میں جا کر جہاں زیب کو خط لکھتا ہوں۔ اتنے میں تم یہ خط پڑھ لو......" وہ اٹھ کر چل دیئے۔

رازی اس بات چیت کے دوران بالکل خاموش رہے تھے لیکن ان کا انگ انگ مسرت سے ناچ رہا تھا۔ ان کا جی چاہتا تھا کہ بے اختیار ہو کر رقص کرنے لگیں۔ اونچی اونچی چھلانگیں لگائیں۔ غرض جو حرکت بھی انتہائی مسرت کا اظہار کر سکتی ہو کریں۔ خوشی سے ان کا دل جھوم رہا تھا۔ یہ قدرت نے ان کی امداد کی تھی۔ جب امید کے تمام راستے مسدود ہو چکے تھے اس وقت دست غیب نے سب مشکلات ہٹا دیں۔ ان کا جی چاہا یہیں کرسی پر خدا کے حضور سجدہ ریز ہو جائیں۔

کرنل زیدی کے جانے کے بعد سمیرا خاتون نے مسکرا کر رازی سے کہا۔

''مبارک ہو بیٹے۔ اللہ نے راہ کی رکاوٹ ہٹا دی...... میں ابھی سیفو کو بلا کر یہ خوش خبری سناتی ہوں۔ تم اب اپنے والدین کو لکھو کہ جہاں زیب بھائی کے ہاں جا کر سیفو کا رشتہ طلب کریں۔ اس سنہری موقع کو گنوانا مت۔ ورنہ ممکن ہے وہ سیفو کا رشتہ کہیں اور کر دیں اور تم ہاتھ ملتے رہ جاؤ۔''

''اچھا آنٹی! ابھی جا کر ابا جان کو خط لکھتا ہوں۔'' رازی نے کہا۔ ''لیکن ایک بات میری مان لیجئے۔ سیفو کو آپ کچھ مت بتائیں۔ وہ اسی غلط فہمی میں رہے کہ انوار سے اس کی شادی ہوگی۔ اس کے والدین نے ہماری درخواست منظور کر لی تو اسے تھوڑا تنگ کروں گا۔''

سمیرا خاتون مسکرا کر خاموش ہو گئیں۔ ''بہت اچھا جیسی تمہاری مرضی۔'' انہوں نے کہا۔ ''جا کر خط لکھو۔ خدا تمہیں کامیاب کرے۔ اور میں سیفو کو خوش دیکھ سکوں۔ مجھے اس کے دکھی ہونے سے سخت تکلیف ہوتی تھی۔ اللہ اس کی زندگی کو حقیقی مسرتوں سے ہمکنار کرے۔''

رازی سلام کر کے چل دیئے۔ اس وقت ان کی چال سے والہانہ پن اور سرخوشی ظاہر ہوتی تھی۔ وہ بے انتہا خوش تھے۔ راستے میں پھولوں کو چھیڑتے۔ بجری کے پتھروں کو ٹھوکر سے اڑاتے' گاتے گنگناتے وہ کار تک پہنچ کر اس میں سوار ہو گئے۔

سیفو اس وقت اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی تھی۔ اسے رازی کے چہرے پر ناچتی ہوئی مسرت سے حیرت ہو رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ کچھ دن پہلے سمیرا خاتون نے انہیں انوار سے اس کی منگنی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ اس روز بھی وہ لڑکھڑاتے قدموں سے انہیں کوٹھی کے گیٹ سے نکلتے دیکھ رہی تھی۔ ان کے چہرے پر غم کی گہری چھاپ تھی۔ وہ خود بھی اس روز جی بھر کر روئی تھی۔ مگر آج...... یہ کایا پلٹ کیسی تھی۔ وہ حیران سی کچھ سوچتی پلنگ پر آ بیٹھی۔

رازی نے اپنی قیام گاہ پر جا کر ایک طویل خط اپنی والدہ توقیر جہاں کو لکھا جس میں ادب کے حدود کے اندر رہ کر وہ اپنے جذبات کی جتنی وکالت کر سکتے تھے کی۔ اور پھر آخر میں زور دے کر کہا کہ جہاں زیب کے ہاں جا کر ان کی بیٹی کا رشتہ طلب کرنے میں تساہل نہ کریں۔ اشارتاً یہ بھی بتا دیا کہ یہ ان کی زندگی اور موت کا سوال

ہے۔

توقیر جہاں اور منصور احمد اس قسم کے نیک نفس والدین تھے جنہیں ہمیشہ اپنے بچوں کی خوشیوں سے سروکار ہوتا ہے۔ وہ اپنی ضد اور آن کو ان کی خوشی کے مقابلے میں ہیچ سمجھتے ہیں۔ جن کی اپنی پسند اور ناپسند بچوں کی مرضی سے نہیں ٹکراتی۔ انہیں اپنی اولاد کی مرضی پوری کر کے گویا دونوں جہان کی مسرتیں مل جاتی ہیں۔

گزشتہ مہینوں میں توقیر جہاں نے اپنے سب سے بڑے بیٹے رازی کی شادی کا مسئلہ چلایا تھا۔ اور اسی سلسلے میں نازیہ کو رشتہ تلاش کرنے کے لئے لکھا تھا۔ لیکن رازی نے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ یہ کہہ کر ان کی آئندہ امیدوں پر بھی پانی پھیر دیا کہ وہ شادی کا ارادہ ہی نہیں رکھتے اور اس معاملے میں انہیں آئندہ کچھ نہ کہا جائے۔ توقیر جہاں ان کے انکار سے بڑی اداس رہا کرتی تھیں اور اکثر سوچا کرتیں کہ اپنی پہلی اولاد کی خوشی دیکھنی شاید ان کے نصیب میں ہی نہیں۔

اب مایوسی کے اس اندھیرے میں رازی کا خط روشنی کی کرن بن کر چمکا۔ والدین کے دل کی کلی کھل گئی۔ منصور احمد بھی اس معاملے میں بیوی کے ہمنوا تھے کہ لڑکا جہاں کہہ رہا ہے وہیں اس کی شادی کی کوشش کرنی چاہئے اور یہ جگہ تو ویسے بھی ان کے خیال میں لاکھوں میں ایک تھی۔ منصور احمد کسی زمانے میں جہاں زیب صاحب کے ہم جماعت رہ چکے تھے۔ ان کی بے حد توقیر و عزت ان کے دل میں تھی۔ اس گھر میں رشتہ ہو جانے کو وہ اپنی خوش بختی خیال کرتے۔

توقیر جہاں نے اسی روز نازیہ کو خط لکھ کر ساری بات بتائی اور یہ بھی لکھا کہ اپنے شوہر اور ساس کو ہمراہ لے کر کچھ روز کے لئے ان کے ہاں آ جائے۔ پھر سب لوگ اکٹھے ہی جہاں زیب کے ہاں چلیں گے۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح سب کا اصرار ذرا زوردار ہو جائے گا اور وہ انکار نہیں کر سکیں گے۔ رازی کی خوشی کے علاوہ انہیں خود بھی یہ رشتہ حاصل کرنے کی بڑی خواہش تھی۔

اسی مضمون کا ایک خط انہوں نے نازیہ کی والدہ رضیہ بانو کو بھی لکھا اور کہا کہ اپنی گزشتہ رنجش بھول کر ایک دفعہ ان کے ہمراہ اپنے بھائی کے گھر چلیں اور سیفو کا رشتہ طلب کرنے میں ان کی سفارش کریں۔

آٹھ دس روز کے اندر نازیہ، خدیجہ بیگم اور جمال کے علاوہ بالکل غیر متوقع طور پر رضیہ بانو بھی آ گئیں اور منصور احمد اور توقیر جہاں کے ہمراہ یہ قافلہ علی پور روانہ ہو گیا۔



''جہاں نما'' کے عظیم الشان گیٹ پر سبز رنگ کی بیوک اور ایک ٹیکسی آ کر رکی۔ علی بخش دوڑ کر پہنچا۔ جمال اور نازیہ کو پہچان کر سلام کیا۔ کرم داد بھی آ گیا تھا۔ دونوں مل کر سامان اتارنے لگے۔

''چچا جان! گھر پر ہی ہیں نا؟'' جمال نے علی بخش سے پوچھا۔

''جی صاحب! کرم داد اندر اطلاع کرنے گیا ہے۔'' اس نے بڑے مؤدب انداز سے کہا۔ اب منصور احمد، توقیر جہاں اور باقی سب بھی کاروں سے نکل آئے تھے۔ اتنے میں پرنسپل صاحب بھی آ گئے اور جمال اور منصور احمد سے گلے ملتے ہوئے بولے۔

''بھئی یہ اچانک تم لوگ کیسے وارد ہو گئے۔ یہ انقلاب کیسا ہے۔''

نازیہ نے سلام کیا تو وہ ادھر متوجہ ہو گئے۔ اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرخ توصیف کو پیار کرتے ہوئے بولے۔ ''اچھا خدیجہ بہن بھی آئی ہیں۔ اندر چلو سب۔''

''بیگم دیکھو کون آئے ہیں۔'' انہوں نے نفیسہ خانم کو آواز دیتے ہوئے کہا۔ وہ خود ہی مہمانوں کی آمد کی خبر پا کر ادھر آ رہی تھیں۔

''بڑا مبارک دن ہے آج تو۔'' وہ رضیہ بانو اور دیگر خواتین سے بغل گیر ہوتے ہوئے بولیں۔ ''آپ سب کیسے آ گئے۔''......

''بس دیکھ لو۔'' توقیر جہاں برقع اتارتے ہوئے بولیں۔ ''ہم نے کہا تم تو باہر نکلنے سے رہیں۔ ہم ہی مل آئیں۔''

''بہت اچھا کیا آپ نے۔'' نفیسہ خانم نے کہا۔ پرنسپل صاحب اپنی بہن کو اتنا عرصہ بعد دیکھنے پر حیران تھے۔ ''رضیہ تم نے آج کیسے قسم توڑ دی۔'' وہ پاس آ کر ان کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔ رضیہ بانو کا دل بھائی کو دیکھ کر بھرا آ رہا تھا۔ وہ اپنی زیادتیوں پر نادم بھی تھیں۔ بے اختیار ان سے لپٹ کر رونے لگیں۔ پرنسپل صاحب کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔ نفیسہ خانم تو تھیں ہی سدا کی کمزور دل۔ اس قسم کے موقع پر ان کے آنسو کیونکر رکتے۔ دوسرے سب بھی متاثر نظر آ رہے تھے۔

آخر خدیجہ بیگم نے کہا۔ ''یہ کیا بدشگونی ہے رضیہ! بھائی سے مل کر بجائے خوش ہونے کے تم رونے لگیں۔''

رضیہ بانو بھائی سے علیحدہ ہو کر اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولیں۔ ''ایسے موقعوں پر انسان کے آنسو نکل ہی آتے ہیں اور پھر میں تو اپنے بھائی سے انیس سال بعد ملی ہوں۔''

''مگر قصور کس کا تھا؟'' جمال بولے۔ ''خود ہی آپ لوگ ایک دوسرے کی طرف سے دل میں بلاوجہ گرہیں ڈال لیتے ہیں بعد میں سارا کیا دھرا قسمت پر تھوپ دیا جاتا ہے۔''

نازیہ نے گھور کر میاں کو دیکھا کہ خاموش رہیں۔ مگر وہ چپ رہنے والی اسامی نہیں تھے۔

''ہاں میاں یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو' رضیہ بانو نے سرد آہ بھر کر داماد سے کہا۔ ''خواہ مخواہ ہی اتنا عرصہ روٹھے رہے۔ اور سوچا جائے تو بات کچھ بھی نہ تھی۔ اب اپنی بیوقوفی پر قلق ہوتا ہے۔''

''یہ مجھ بدنصیب کی وجہ سے آپس میں روٹھے تھے۔'' نفیسہ خانم نے رنجیدہ ہو کر کہا۔

''خدا نہ کرے تم کیوں بدنصیب ہو۔'' رضیہ بانو جلدی سے بولیں۔ ''ایسا نہ کہو دلہن میرے دل کو تکلیف ہوتی ہے۔ پہلے ہی اپنی بیجا ہٹ دھرمی پر افسوس ہو رہا ہے اور زیادہ نادم نہ کرو۔ تمہارا بھلا اس میں کیا قصور تھا۔ میں نے ہی تنگ نظری سے کام لیا۔ دراصل جہاں زیب کی پہلی بیوی خدا بخشے اختر جہاں کو میں بہت چاہتی تھی۔ ان کی وفات کے بعد تم آئیں تو برا نہ ماننا مجھے تم سے خدا واسطے کا بیر ہو گیا۔ حالانکہ سوچا جائے تو تم اس گھر میں خود سے تو آئیں نہ تھیں۔ لیکن میری عقل پر پردہ پڑ گیا۔ اتنے برس نہ صرف بھائی سے روٹھی رہی بلکہ اپنی بھتیجی کو بھی نہ دیکھا۔ توصیف کی سالگرہ پر سیفو کو دیکھ کر میرا دل تڑپ اٹھا۔ سارا قصور اپنا نظر آنے لگا۔ بھلا میں کیوں بے گناہ بھاوج سے روٹھ گئی تھی۔ میرے دل میں اس غلطی کا ازالہ کرنے کی خواہش پیدا ہو گئی مگر ہمت نہ پڑتی تھی کہ خود سے یہاں آ جاؤں۔ سوچتی نہ جانے جہاں زیب کیا خیال کریں۔ خود

تمہارا سلوک کیسا ہو''......

''میں اتنا ذلیل نہ تھا رضیہ! اور نہ یہ ہی اتنی بے مروت تھیں کہ تم آتیں تو ہم تم سے سرد مہری روا رکھتے۔'' پرنسپل صاحب نے کہا۔ ''اگر تم پہلے آ جاتیں تب بھی گلے لگا لیتا۔ تم میری بہن تھیں۔ میرا اپنا خون میں تو غیروں سے بے مروتی نہیں کر سکتا۔ تم سے کیسے کرتا۔ بڑا غلط اندازہ لگایا تم نے میرے متعلق۔''......

اب چائے آ گئی تھی۔ نفیسہ خانم سب کے لئے بنانے لگیں۔

''پھر آپ یہ کریڈٹ ہمیں دیں کہ آپ کو پھر سے ملا دیا'' جمال ہنس کر بولے۔

''صحیح کہتے ہو تم۔'' منصور احمد نے کہا۔ ''خاندانوں میں رنجشیں چلتی ہی رہتی ہیں لیکن اگر نئی پود اپنے بزرگوں کے درمیان صلح کرانے کا مشن سنبھال لے تو یہ خرابیاں دور ہو سکتی ہیں۔''

''میرے دل کو آج حقیقی خوشی حاصل ہوئی ہے۔'' خدیجہ بیگم بولیں۔ ''کہ یہ دونوں بھائی بہن پھر سے ایک ہو گئے۔''......

''واقعی آج کا دن بڑا مبارک ہے۔'' توقیر جہاں نے چائے پیتے ہوئے کہا۔

رات گئے یونہی آپس میں باتیں ہوتی رہیں۔ منصور احمد اور پرنسپل جہاں زیب بچپن میں اپنے گاؤں میں اکٹھے پڑھا کرتے تھے۔ اس زمانے کا ذکر کر کے ہنستے رہے کہ کس طرح مولوی صاحب کی مار سے بچنے کے جتن ہوتے تھے۔ کیسے نت نئی شرارتیں گھڑی جاتی تھیں۔

آخر بارہ بجے کے قریب جب یہ لوگ اٹھے تو آپس کے سب گلے شکوے دور ہو چکے تھے۔

دوسرے روز نفیسہ خانم نے مہمانوں کے لئے نہایت پر تکلف ناشتہ اور دوپہر کا کھانا تیار کرایا۔ لنچ کے بعد سب پھر ایک مرتبہ ڈرائنگ روم میں جمع ہو گئے۔ توقیر جہاں اور منصور احمد نے آج رشتے کی بات چلانی تھی۔ خدیجہ بیگم نے بات چیت کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

''بھائی اب سیفو کا کیا حال ہے۔ نازیہ نے بتایا تھا کہ نصیب دشمناں بیمار

رہی ہے۔اسی لئے تم نے ایبٹ آباد بھیج دیا۔"

"جی ہاں۔ بیمار تھی۔ مگر اب خدا کے فضل سے بالکل ٹھیک ہے۔" پرنسپل صاحب بولے۔

"دلہن تم نے سیفو بیٹی کا اب تک کہیں رشتہ طے نہیں کیا۔ ماشاء اللہ بڑی ساری ہوگئی ہے۔" رضیہ بانو نے حرف مقصد پر آتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں۔" نفیسہ خانم نے انوار کا ذکر حذف کرتے ہوئے اطمینان سے کہا۔"آپ ہی اس کے بزرگ ہیں۔آپ کے بغیر یہ کام کیسے ہوسکتا تھا۔"

پرنسپل صاحب کے چہرے پر رنگ سا آ گیا تھا۔مگر وہ خاموش رہے۔اچھا ہی ہوا کہ خاندان میں اس منگنی کی خبر نہ کی۔ انہوں نے سوچا ورنہ اس وقت کیسی کرکری ہوتی۔ خیال تھا کہ شادی پر ہی سب کو بلایا جائے گا تو خود بخود اس رشتے کی اطلاع ہو جائے گی۔ اس کمبخت انوار نے تو اپنی طرف سے ہمارا منہ کالا کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ خدا نے ہی بچالیا۔انہیں خیال آیا کہ اکرام حسین نے کیسے چپ چاپ جوڑا انگوٹھی رکھ لئے تھے۔آخر وہ کس منہ سے کچھ کہتا۔صاحبزادے نے ان کی بھی مٹی پلید کر دی تھی۔

"تو بس اب ہم سب جمع ہیں۔ یہ نیک کام بھی کر ڈالو۔" خدیجہ بیگم نے کہا۔

"جہاں زیب بھائی۔ ہم لوگ دراصل اسی لئے آئے ہیں۔" منصور احمد نے کہا۔"کہ تم سے سیفو کے رشتہ کے لئے درخواست کریں۔"

"سیفو کے رشتہ کے لئے؟ مگر کس کے لئے طلب کر رہے ہو۔" پرنسپل صاحب نے حیران ہوکر پوچھا۔

"بھائی جان سیفو کے خواستگار ہم ہیں۔" توقیر جہاں نے کہا۔"آپ شیراز کو اپنی فرزندی میں قبول کر لیجئے۔"......

"اگر تم ہماری درخواست قبول کرلو تو یہ ہماری سب سے بڑی خوش قسمتی ہو گی۔" منصور احمد نے خلوص سے کہا۔

"شیراز؟" پرنسپل صاحب کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

"آپ نے اسے ہمارے ہاں دیکھا ہے ماموں جان!" نازیہ نے کہا۔"وہ

لمبا سا گورے رنگ کا لڑکا جو ہمارے ہاں میڈیکل کے آخری سال میں پڑھتا تھا۔ آپ نے ایک مرتبہ اس کی تعریف بھی کی تھی۔"

"ہاں یاد آ گیا۔" پرنسپل صاحب نے کہا۔ "وہی جس کی علامہ اقبال کے متعلق وسیع معلومات پر میں حیران ہوا تھا کہ میڈیکل کورس کی موٹی موٹی کتابوں کے بعد یہ کس طرح ان چیزوں کے لئے وقت نکالتا ہوگا۔"

"جی ہاں چچا جان! وہی لڑکا۔" جمال نے کہا۔ "اب ماشاء اللہ وہ ہاؤس جاب وغیرہ سے فارغ ہو کر ایبٹ آباد میں سینئر میڈیکل آفیسر لگ گیا ہے۔"

"اچھا؟ ایبٹ آباد میں ہے وہ۔" پرنسپل صاحب نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ اچھی جگہ سے لگ گیا۔" منصور احمد بولے۔ "اللہ اور ترقی دے گا۔ تم نے ہماری درخواست کا جواب نہیں دیا بھائی......"

"خدا کے واسطے ہمیں مایوس نہ کیجئے گا۔" توقیر جہاں گلوگیر لہجہ میں بولیں۔ "ہم بڑی آس لے کر آئے ہیں۔"......

پرنسپل صاحب نے گھبرا کر بیوی کو دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں رضامندی کی جھلک پا کر وہ بولے۔ "اچھا بھئی۔ اگر آپ سب کا اصرار ہے تو ہمیں بھی کوئی اعتراض نہیں۔ منصور! سیفو تمہاری ہی ہے۔"

خوشی کے مارے ان کے چہرے دمکنے لگے۔ منصور احمد نے آگے بڑھ کر پرنسپل جہاں زیب کو گلے لگا لیا۔ "تم نے میری لاج رکھ لی۔ الفاظ نہیں ہیں جو تمہارا شکریہ ادا کر سکوں۔"

نفیسہ خانم کا چہرہ مسرت سے چمک رہا تھا۔ ان کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ انوار سے رشتہ قطع ہو جانے کے بعد اتنی جلدی انہیں اتنا بہترین رشتہ سیفو کے لئے مل جائے گا۔ اسے وہ تائید غیبی سمجھ رہی تھیں یوں لگتا تھا جیسے چھپڑ پھاڑ کر خدا نے یہ دولت عطا کر دی ہو۔ دل ہی دل میں وہ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کر رہی تھیں۔

سب خواتین اور مرد حضرات ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے تھے۔ توقیر جہاں نے اسی وقت پرس میں سے انگوٹھی نکالی اور نفیسہ خانم کو دیتے ہوئے کہا۔ "یہ سیفو

کے لئے ہے۔''

نازیہ اور جمال بھی بے حد خوش تھے۔ جس کام کے لئے وہ آئے تھے۔ وہ پورا ہو گیا تھا۔ نازیہ کی مسرت تو قابل دید تھی۔ مارے جوش اور خوشی کے چہرہ تمتما رہا تھا۔ گھبرائی گھبرائی ادھر ادھر پھرنے لگیں۔ ''ممانی جان!'' اس نے نفیسہ خانم کو پکڑ کر کہا۔ ''آپ نے بھلا سیفو کو کیوں نہ بلوا لیا۔ اس کے یہاں نہ ہونے سے اس وقت مجھے سخت رنج ہو رہا ہے خوب تنگ کرتی اسے۔''

''بیٹی! مجھے کیا خبر تھی یہ کام اتنی جلدی ہو جائے گا۔'' نفیسہ خانم نے مسکرا کر کہا۔ ''ورنہ اسے بلوا نہ لیتی۔ مجھے خود اس کی غیر موجودگی کھل رہی ہے۔''

''اچھا ہم مہمانداری تو ضرور کریں گے۔'' نازیہ نے کہا۔

''بیٹی! یہ جھگڑا نہ کرو۔'' نفیسہ خانم نے سمجھایا۔ ''خدا رکھے شادی پر اپنے ارمان نکال لینا۔ اس وقت سیفو بھی یہاں موجود نہیں۔''

''پھر کیا ہوا۔'' نازیہ نے ٹھنک کر کہا۔ ''واہ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ سیفو کی منگنی یوں خاموشی سے کر دی جائے۔ مہمانداری ضرور کی جائے گی۔''

خدیجہ بیگم اور رضیہ بانو بھی پاس آ گئی تھیں۔ ''دلہن لڑکی کو اپنی خوشی پوری کر لینے دو۔ تمہارا کیا حرج ہے۔'' رضیہ بانو نے کہا۔ نفیسہ خانم خاموش ہو گئیں۔

''آپ مہمانوں کی فہرست بنائیں۔'' نازیہ نے خوش ہو کر کہا۔ ''میں اور جمال کھانے کا مینو تیار کرتے ہیں۔''

''اخراجات ہماری طرف سے ہوں گے۔'' توقیر جہاں نے پاس آتے ہوئے کہا۔ ''کیونکہ یہ خوشی ہم کر رہے ہیں۔''......

''نہیں بہن! یہ نہیں ہو گا۔'' نفیسہ خانم نے ہنس کر کہا۔ ''آپ کا اور ہمارا فرض ایک جیسا ہے یہاں چونکہ مہمانداری ہمارے ہاں ہو گی اس لئے خرچ بھی ہمارے ذمہ ہے...... البتہ اپنے شہر میں جو خوشی کیجئے گا وہ بے شک اپنے پلے سے کریں۔''...... توقیر جہاں خاموشی ہو گئیں۔

مہمانوں کو ٹی پارٹی دی جانی قرار پائی تھی۔ عصر تک نازیہ اور جمال نے نوکروں کے ساتھ مل کر سب انتظام کر لیا۔ مہمانوں کی طرف آدمی بھیج دیئے گئے کیونکہ

دعوتی رقعے بھیجنے کا وقت نہ تھا۔ شام چھ بجے کا ٹائم مقرر کیا گیا تھا۔ ساڑھے چھ کے قریب مہمان آنے شروع ہوئے۔ نفیسہ خانم اور توقیر جہاں استقبال کیلئے کھڑی ہو گئیں۔

اپنی امی کے ساتھ عافیہ بھی آئی تھی۔ رازدار اور پرخلوص سہیلی ہونے کے ناطے اس نے سیفو کی گزشتہ منگنی کا کسی سے ذکر تک نہ کیا۔ نفیسہ خانم سے اسے انوار کے شادی کر لینے اور اس سے سیفو کا رشتہ منقطع ہونے کا پتہ چل گیا تھا۔ وہ حالات کی اس کروٹ سے بہت خوش تھی۔ نفیسہ خانم نے احتیاط سے صرف ایسے مہمانوں کے نام لکھے تھے جنہیں پہلی منگنی پر نہیں بلوایا گیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس ناگوار واقع کی بھنک کسی کے کانوں میں پڑے۔

''باجی! بھلا یہ بھی کوئی بات ہے جس کی منگنی ہے وہی یہاں موجود نہیں۔'' عافیہ نے نازیہ سے کہا' اسے یقین تھا کہ سیفو کو بلوالیا گیا ہوگا۔

''بھئی رشتہ اصل میں بہت جلدی طے ہو گیا اور ساتھ ہی منگنی بھی کر دی گئی۔'' نازیہ نے بتایا۔ ''یہ دراصل ہم لوگوں کی شرارت ہے کہ اتنی جلدی سب کچھ کر دیا۔ ورنہ ممانی جان کے اوپر چھوڑتے تو وہ پہلے سیفو کو بلواتیں پھر کہیں ایک آدھ ماہ بعد منگنی ہوتی۔ سوچنے میں ہی کئی دن لگ جاتے۔''

عافیہ کی عادت بہت جلد بے تکلف ہو جانے کی تھی۔ وہ آتے ہی نازیہ سے گھل مل گئی تھی۔ اسی کی زبانی اس نے شیراز کے بارے میں بھی معلومات حاصل کر لیں۔ اور یہ جان کر اسے اطمینان اور مسرت ہوئی کہ نیا رشتہ ہر لحاظ سے بہترین ہے اور سیفو کی مرضی کے مطابق جب اسے یہ پتہ چلا کہ شیراز اور سیفو نازیہ کے ہاں اکٹھے بھی رہے ہیں تو اس نے پچھلی دفعہ سیفو کی اداسی اور دکھ کا راز بھی پالیا۔ وہ کئی دن الجھتی رہی تھی کہ آخر اس دفعہ سیفو معمول سے بہت زیادہ کیوں رنجیدہ ہے۔ اس کا سبب وہ نہ جان سکی تھی۔ لیکن اب اپنی ذہانت سے اس نے فوراً نتیجہ نکال لیا کہ انوار سے رشتہ ہونے کی نسبت بہت زیادہ رنج اسے شیراز سے جدا ہونے کا تھا۔ اور جبکہ انوار سے شادی کے بعد یہ جدائی دائمی ہو جانی تھی تو سیفو کو اس کا دکھ لازمی طور پر زیادہ ہی ہونا تھا۔ یہ معمہ حل ہو جانے پر وہ اور بھی خوش ہوئی۔ شکر ہے کہ اس کی جان سے پیاری

دوست کی شادی اس کی اپنی پسند سے ہو رہی ہے۔

ارے نہ ہوئی سیفو اس وقت۔ ورنہ اسے کیسے کیسے چھیڑا جاتا۔ اس نے سوچا۔

شام آٹھ بجے کے قریب سب مہمان رخصت ہوئے۔ توقیر جہاں اور منصور احمد بار بار جہاں زیب اور نفیسہ خانم کا شکریہ ادا کر رہے تھے ان کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ انہوں نے پرنسپل صاحب کو جتا دیا تھا کہ شادی بہت جلد کر دی جائے گی زیادہ سے زیادہ تین چار ماہ میں۔

گو انہوں نے آج تک لڑکی کو خود نہیں دیکھا تھا تاہم اس کے حسن و جمال اور دوسری خوبیوں کی تعریفیں نازیہ سے سن چکے تھے اور پوری طرح مطمئن تھے۔ دوسرے روز نہایت شاداں و فرحاں یہ لوگ واپس ہوئے۔

پرنسپل صاحب اور نفیسہ خانم بھی اس رشتے پر نہایت خوش تھے۔ لڑکا ہر طور سے بہت اچھا تھا۔ سیفو کا نصیبا یقیناً شاندار تھا۔ جو انوار جیسے خبیث سے رشتہ ہو کر بھی ٹوٹ گیا۔ اور شیراز جیسا ہمہ صفت موصوف انسان نعم البدل کے طور پر ملا۔

پرنسپل صاحب نے نہایت تفصیل سے کرنل زیدی کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور یہ بھی کہا کہ لڑکا وہیں ڈاکٹر لگا ہوا ہے۔ اس سے ضرور ملو اور مجھے بتاؤ کہ وہ کیسا ہے؟ تاکہ مزید اطمینان ہو جائے اور یہ بھی لکھا کہ ایک انگوٹھی وہیں سے خرید کر اسے ہماری جانب سے پہنا دو۔ انوار سے پیچھا چھوٹ جانے پر انہوں نے بے حد مسرت کا اظہار کرتے ہوئے نئے رشتے پر ہر طرح اطمینان ظاہر کیا تھا۔ آخر میں بڑی گرمجوشی اور انتہائی محبت و خلوص سے انہوں نے سمیرا خاتون اور کرنل زیدی کو سیفو کے ہمراہ علی پور آنے کی دعوت دی تھی۔ انہوں نے لکھا تھا کہ سیفو کی شادی میں اب چند ماہ کا عرصہ ہے اس کی یہاں موجودگی اب بہت ضروری ہے۔ تم لوگ زیادہ سے زیادہ دس پندرہ روز تک آ جاؤ۔

✪......✪......✪

رازی اپنے کمرے میں بیٹھے اپنے والد منصور احمد کا طویل خط پڑھ رہے ہیں۔ چہرے پر مسرت رقصاں ہے۔ انہوں نے اپنے خط میں علی پور جانے اور سیفو کا رشتہ ملنے کے بارے میں بڑی تفصیل سے سب کچھ لکھا تھا اور یہ بھی کہ ماہ شوال میں ہم لوگ جا کر شادی کی تاریخ کا تعین کر آئیں گے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ تین چار ماہ تک شادی کر دی جائے۔ اس سے کم مدت میں تیاری نہ ہو سکے گی۔ تم اپنے ارادے سے مطلع کرو اور بھی کئی ضروری باتیں لکھی تھیں جن سے اب رازی کو کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ تو یہ خبر پڑھ کر مسرت سے مدہوش ہوئے جا رہے تھے۔

ان کی آرزو آج پوری ہو گئی تھی۔ اور کس قدر غیر متوقع طریقے پر۔ انہیں کب امید تھی کہ سیفو کو حاصل کر سکیں گے۔ چاروں طرف مایوسیوں کے اندھیرے تھے۔ امید کی کوئی کرن نہ تھی۔ لیکن خدا کی مہربانی سے یہ مایوسیوں کے اندھیرے چھٹ گئے اور خوشیوں نے اپنا چہرہ دکھایا۔ وہ آج کتنے خوش تھے۔ اس کا اندازہ کچھ وہی لگا سکتے تھے۔ انہیں اپنی خوش بختی پر یقین نہ آتا تھا۔ اس سرخوشی کے عالم میں انہوں نے کار نکالی اور کرنل زیدی کے ہاں چل دیئے۔

کار سے اتر کر وہ سیدھے سمیرا خاتون کے پاس پہنچے اور مسرت سے گلنار چہرے کے ساتھ انہیں یہ خوش خبری سنائی۔ وہ بے حد خوش ہوئیں۔ ''مبارک ہو بیٹے!'' انہوں نے ہنس کر کہا۔ ''خدا یہ رشتہ ہر طرح سے مبارک ثابت کرے۔ سارے جہان کی خوشیاں تم دونوں کو نصیب ہوں۔'' ان کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو تھے۔ پھر انہوں نے حمیدن کو بلا کر ہزار روپے کا نوٹ دیتے ہوئے کہا۔ ''کریم خان سے کہو ابھی لڈو اور رس گلے لے کر آئے۔''......

''آپ تو سچ مچ منہ میٹھا کرانے لگیں۔'' رازی نے مسکرا کر کہا۔

''ہاں فرض تو تمہارا تھا لیکن میں چونکہ تم دونوں کی مشترکہ آنٹی ہوں اس لئے میں ہی منہ میٹھا کرائے دیتی ہوں۔'' سمیرا خاتون نے ہنس کر کہا۔

''اچھا یہ بتاؤ اب میں یہ خوش خبری سیفو کو سناؤں یا نہیں۔ اس کو غمگین دیکھ کر میرا دل ٹکڑے ہوتا ہے۔''

''نہیں آنٹی! ابھی نہیں۔'' رازی نے مچل کر کہا۔ ''اور ایک بات کی اجازت بھی آپ سے لینی ہے۔''......

''کہو۔''......

''وہ یہ کہ آپ مجھے آج پھر سیفو کو ہمراہ لے جانے کی اجازت دیں۔ آپ کو مجھ پر اعتماد ہے نا آنٹی۔ یقین کیجئے اس اعتماد کو کبھی مجروح نہ کروں گا۔''

سمیرا خاتون سوچ میں پڑ گئیں۔ پھر کہنے لگیں۔

''اب تو اس کا رشتہ تم سے ہو چکا ہے۔ میں نے تو اس روز بھی تم پر اعتماد کیا تھا جب تم اس کے لئے بالکل غیر محرم تھے۔ اس میں اعتماد کا سوال نہیں بیٹے لیکن مجھے یہ خیال آتا ہے کہ شاید نفیسہ بھابی اور جہاں زیب بھائی اس چیز کو پسند نہ کریں۔ وہ غالباً اس سے تمہارا پردہ کرانا چاہیں گے۔ کیونکہ رواج یہی ہے' اس صورت میں......''

''بے شک کرائیں پردہ۔'' رازی نے بے قرار ہو کر بات کاٹی۔ ''لیکن خدا کے لئے آنٹی آج اجازت دے دیں۔ انہیں اس بات کی خبر کیسے ہو گی آپ تو بتائیں گی نہیں...... پھر کون ہے انہیں بتانے والا...... پلیز مجھے اجازت دے دیجئے۔''

''اچھا بھائی لے جاؤ تم اسے۔'' سمیرا خاتون نے زچ ہو کر کہا۔ ''بڑا تنگ کرتے ہو۔ لیکن یاد رکھو کہ......''

''جی ہاں جی ہاں مجھے اپنا وعدہ یاد ہے آپ فکر نہ کریں۔'' وہ اٹھ کر باہر جاتے ہوئے بولے۔ ''اور اس عنایت کا بہت بہت شکریہ۔'' دروازے میں سے ہاتھ ہلا کر انہوں نے کہا۔

سیفو اپنے کمرے میں ایک تصویر پر جھکی اسے مکمل کرنے میں محو تھی۔ رنگوں کی پیالیاں پاس پڑی تھی۔ اردگرد کئی برش وغیرہ بکھرے پڑے تھے۔ اس کی اپنی لٹیں بھی

الجھی الجھی نظر آ رہی تھیں۔ شاید آج کنگھی نہ کی تھی۔ لباس بھی قدرے بے ترتیب سا تھا۔ لیکن اس حال میں بھی، قالین پر بیٹھی کام میں مشغول وہ کسی تصویر کی طرح حسین لگ رہی تھی۔

دروازے کی جانب اس کی پیٹھ تھی۔ لہٰذا وہ دبے پاؤں آنے والے رازی کو نہ دیکھ سکی۔ اور وہ دبیز قالین پر آہستگی سے قدم رکھتے بالکل اس کے عقب میں آ بیٹھے اور تصویر دیکھنے لگے۔ وہ بے خیالی میں سیفو کے اس قدر قریب آ گئے تھے کہ ان کا گرم سانس اسے اپنی گردن پر محسوس ہوا۔ حیران ہو کر اس نے اچانک مڑ کر جو پیچھے دیکھا تو رازی کے کھردرے گال سے اس کا رخسار رگڑ کھا گیا۔ وہ تڑپ کر پرے ہو گئی۔ رازی خود بھی قدرے شرمندہ نظر آنے لگے۔

ملامت آمیز نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے سیفو نے کہا۔ ''بڑے افسوس کی بات ہے رازی بھائی! یوں چوروں کی طرح آپ میرے کمرے میں کیوں آئے۔ اس حرکت کی آپ سے توقع نہ تھی۔''

''واقعی مجھے بھی توقع نہ تھی۔'' وہ بے پروائی سے بولے۔

''کس چیز کی......؟'' وہ حیران سی رہ گئی۔

''کہ تمہارا نرم رخسار میرے بھدے گالوں سے رگڑ کھا جائے گا۔'' وہ شرارت سے بولے۔ ''اس بھونڈے اتفاق پر مجھے بھی افسوس ہے لیکن قصور تمہارا ہے۔ نہ تم اتنی وحشت زدہ ہو کر پیچھے مڑتیں نہ یہ واقعہ ہوتا...... خیر کوئی بات نہیں۔ ذرا سی کریم لگا لو گال ٹھیک ہو جائے گا۔''

''لگا لوں گی۔'' سیفو کو اس کے یوں مشورہ دینے پر غصہ آ گیا۔ ''آپ مہربانی کر کے جائیے اب۔'' جتنا وہ اسے بھلانے کی کوشش کرتی تھی اتنا ہی یہ نئے دلکش ہتھیاروں سے مسلح ہو کر پھر اس کی محنت پر پانی پھیرنے آ موجود ہوتا تھا۔ اس نے ایک لمحہ کے لئے اسے دیکھا۔ نیلی جرسی میں وہ کتنا حسین نظر آ رہا تھا۔ خدایا وہ اس جادوگر سے کیسے پیچھا چھڑائے۔ کیا کرے۔

''ایک بات کہوں۔ مانو گی......؟'' رازی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

سیفو نے چونک کر نگاہ اٹھائی۔ ''کہیے۔'' اس کی آنکھوں میں تجسس تھا۔

"فقط ایک دفعہ اور میرے ساتھ سیر کو چلو۔"......انہوں نے منت سے دیکھا۔
"دیکھو سیفو انکار نہ کرنا یہ آخری بھیک ہے جو تم نے مانگ رہا ہوں۔ اس کے بعد میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ کبھی واپس نہ آنے کے لئے۔ بولو۔ ایک مایوس انسان کی یہ آخری خواہش بھی پوری نہ کرو گی؟"

اس نے کچھ اس طرح سیفو کی طرف دیکھا کہ اس کا دل تڑپ اٹھا اور بے اختیار اس کے منہ سے نکل گیا۔ "چلئے میں تیار ہوں۔"

رازی حیرت سے اسے سینڈل پہنتے ہوئے دیکھنے لگے۔ انہیں خیال بھی نہ تھا کہ وہ اتنی جلدی مان جائے گی۔ سیفو نے سینڈل پہن کر الماری سے شال نکال کر کندھوں پر ڈال لی۔ اور دروازے کی طرف چلی۔ رازی نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور دونوں باہر نکل آئے۔

آج بھی انہوں نے وہی پرانا راستہ اختیار کیا۔ اونچے اونچے چناروں سے ڈھکی سڑک پر آہستہ آہستہ خاموشی سے چلتے رہے۔ دونوں اپنے اپنے خیالات میں مگن تھے۔ رازی نے کن انکھیوں سے سیفو کو دیکھا۔ وہ حزن کا مجسمہ نظر آ رہی تھی۔

کافی دیر چلنے کے بعد ایک جگہ رازی کو کچھ فاصلے پر درختوں کا جھنڈ سا نظر آیا۔ وہ ادھر بڑھ گئے۔ سیفو بھی ساتھ تھی۔ یہاں خوبانی اور ناشپاتی کے درختوں میں گھرا ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔ قدرے اونچائی پر ایک بڑا سا پتھر گڑا تھا۔ چشمے کا پانی اسی کے نیچے سے بہہ کر ننھی جھلمل کرتی آبشار بناتا نیچے آ رہا تھا۔ "کیا خیال ہے یہاں بیٹھو گی؟"

رازی نے پتھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سیفو سے پوچھا۔ وہ جواباً خاموشی سے اوپر چڑھنے لگی۔ پتھر پر بیٹھتے ہوئے اس نے ادھر ادھر دیکھ کر ماحول کا جائزہ لیا۔ بڑا ہی دلکش منظر تھا۔ دور کاسنی اور گہرے سبز پہاڑ نظر آ رہے تھے اور سرسبز وادی میں ایبٹ آباد کا حسین شہر یوں چمک رہا تھا جیسے صدف میں موتی۔

ان کے اردگرد تمام ثمردار درخت تھے اور قدموں کے پاس جھر جھر کرتا' مدہم سروں میں گنگناتا ہوا شفاف چشمہ بہہ رہا تھا۔ کیسی حسین جگہ تھی یہ۔ منظر کے بے پناہ حسن سے وہ بے خودسی ہو گئی۔ اور اسے یاد ہی نہ رہا کہ قریب ہی دوسرے پتھر پر رازی بیٹھے اسے ایک ساں دیکھے جا رہے تھے۔ اچانک ان سے نظریں مل جانے پر وہ گھبرا سی

گئی۔

''دیکھ چکیں مناظر......'' رازی نے مسکرا کر اس کی گھبراہٹ دور کرتے ہوئے کہا۔ ''پسند آئی یہ جگہ؟''

''بے حد۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ ''کاش میں اپنا مصوری کا سامان یہاں لے آتی۔''

''جی ہاں۔ اور ہم آپ کے رخ روشن کو دیکھتے رہتے یا بیکار بیٹھے کھیاں مارتے۔'' رازی نے اسے دیکھتے ہوئے آہستہ سے یہ شعر پڑھا۔

تیرے لب پر تبسم تو نہیں ہے
ستارے جھلملا کر رہ گئے ہیں

سیفو ایکدم سنجیدہ ہو گئی۔ رازی نے آج تک اس کی موجودگی میں کبھی کوئی شعر نہ پڑھا تھا۔ اس نے رازی کی طرف تند نظروں سے دیکھا تو وہ معصومیت سے مسکرا دیئے۔

''اچھا شعر ہے نا؟''

''مجھے شعروشاعری سے کوئی لگاؤ نہیں۔'' ......سیفو نے چڑ کر کہا۔

''اور ہم سے؟'' رازی نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر شرارت سے پوچھا۔

سیفو حیرت سے اس کی حرکتیں دیکھ رہی تھی۔ یہ اسے کیا ہو گیا تھا۔ پہلے تو اس طرح کا لاابالی پن اس نے کبھی نہ دکھایا تھا۔ اور پھر وہ تو اس سے آخری بار رخصت ہونے آیا تھا۔ یہ مسرور سی شرارتیں کیسی؟

''فضول باتیں نہ کیجئے رازی بھائی......'' وہ تلخی سے بولی۔

''اچھا کارآمد باتیں کرتا ہوں۔'' رازی نے بڑی مستعدی سے کہا۔ ''یہ بتاؤ آج کل کپاس کیا بھاؤ ہے۔''

سیفو ضبط کے باوجود کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''اب اگر شعر پڑھوں گا تو تم مارو گی۔'' رازی نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''بتاؤ کیا کروں۔''

''رازی بھائی مجھے تنگ کرنے کے لئے آپ یہاں لائے ہیں۔'' سیفو نے

پوچھا۔

''ہرگز نہیں۔ تمہیں خوش کرنے لایا ہوں۔ ایسے مناظر پہلے بھی کبھی دیکھے تھے؟ بتاؤ۔ یہ میں نے ہی تو دکھائے ہیں اور اس خاص الخاص مہربانی کی وجہ یہی ہے کہ تمہیں مسرور دیکھنا چاہتا ہوں۔''

سیفو نے ان اوٹ پٹانگ باتوں پر حیران ہو کر رازی کی طرف دیکھا تو وہ بڑے ہی قاتل انداز سے مسکرا دیئے۔ سیفو کا چہرہ لال ہو گیا۔

''اچھا لگتا ہوں نا تمہیں؟'' وہ شرارت سے ہنسے۔

''یہ آپ نے کیسے جانا؟''...... سیفو نے خود پر قابو پا کر ترشی سے کہا۔

''تمہارا رنگ رخ دیکھ کر۔'' وہ بڑے عارفانہ انداز سے بولے۔ ''سنا ہے کسی سے تعلق خاطر ہو تو ایسا ہوتا ہے۔''

''لیکن ان باتوں کا کیا فائدہ ہے اب۔'' سیفو نے جھنجھلا کر کہا۔ ''آپ جان چکے ہیں کہ میری......''

''انوار سے منگنی ہو چکی ہے۔ جانتا ہوں۔'' رازی نے اس کا فقرہ پورا کرتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اس مجبوری کا علاج یہ ہے کہ تم منگنی توڑ دو۔'' انہوں نے بڑے خلوص سے مشورہ دیا۔

''رازی بھائی!'' سیفو نے کانپ کر تیز آواز میں کہا۔ ''یہ مشورہ دینے کی آپ کو جرأت کیسے ہوئی۔ کیا آپ سمجھتے ہیں میں اپنے ماں باپ کے خلاف کوئی قدم اٹھاؤں گی؟ آپ یقیناً مجھے غلط سمجھے ہیں۔ میں اپنے باپ کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کی قیمت اپنی جان سے زیادہ سمجھتی ہوں۔''......

''ارے رے رے تم تو ناراض ہو گئیں۔'' رازی نے جلدی سے کہا۔ ''اچھا میں اپنا مشورہ واپس لیتا ہوں۔ بغیر فیس کے اتنا عمدہ مشورہ تم کو دیا تھا۔ مگر تم نہیں مانتیں تو چھوڑو۔'' سیفو خشمگیں نگاہوں سے انہیں دیکھ کر خاموش ہو گئی۔

''اچھا یہ بتاؤ تمہارے ہونے والے شوہر نامدار انوار صاحب کا حلیہ کیا ہے۔'' رازی نے مزے سے ایک درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔ ''میرا مطلب ہے شکل وصورت کیسی ہے؟ خوبصورت ہیں کیا؟''

سیفو اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''اگر آپ نے ایسی ہی بے ہودہ باتیں کرنی ہیں تو یہاں بیٹھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔''

رازی نے ہنس کر اس کا ہاتھ پکڑ کر پھر بٹھاتے ہوئے کہا۔ ''ارے تو اس میں بے ہودگی کیا ہے۔ تمہارے انوار صاحب کا حلیہ پوچھ رہا ہوں تمہیں برا لگتا ہے تو چلو نہیں پوچھتا۔ میں نے تو موضوع بدلا تھا۔''

سیفو ہونٹ کاٹتی ہوئی پھر بیٹھ گئی اس کی آنکھوں میں آنسو آ رہے تھے جنہیں وہ بڑی مشکل سے ضبط کر رہی تھی۔

''تو پھر تمہی بتاؤ نا کیا باتیں کروں......'' رازی نے بے بسی سے پوچھا۔

''بس آپ خاموش ہی رہیے۔'' سیفو نے بگڑ کر کہا۔

''یہ تو نہیں ہو سکتا...... بولوں گا تو ضرور...... موضوع تم بتا دو یا چلو میں ہی تجویز کرتا ہوں۔ آؤ تمہارے حسن کی باتیں کریں۔'' انہوں نے بڑی معصومیت سے آنکھیں جھپکائیں۔

سیفو جز بز ہوتی ہوئی اٹھی اور رازی کے روکنے کے باوجود چشمہ پھلانگ کر نیچے چلی گئی۔

رازی مسکراہٹ روکتے' دھیمے سروں میں سیٹی بجاتے اس کے پیچھے چل دیئے۔

✪......✪......✪

سمیرا خاتون پرنسپل جہاں زیب کا حالیہ خط پڑھ رہی تھیں۔ انہوں نے سر اٹھا کر بھائی سے کہا۔ ''رازی کے متعلق کیا لکھیں گے آپ۔ انہوں نے اس کے بارے میں تحقیقات آپ کے ذمہ ڈالی ہے۔''

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔'' کرنل زیدی جوش سے بولے۔ ''وہ نہایت عمدہ لڑکا ہے۔ بڑی زبردست تعریف کروں گا اس کی۔'' وہ اس نسبت سے بہت خوش تھے۔ ''اور ہاں یہ انگوٹھی وغیرہ خریدنے کا جھگڑا مجھ سے نہیں ہوتا۔ جہاں زیب والے روپوں میں سے ابھی کچھ باقی ہیں۔ مجھ سے یہ ڈیڑھ ہزار روپے لے لو۔ تم خود انگوٹھی خرید لانا تاکہ شیراز میاں کو پہنچا دی جائے۔'' یہ کہہ کر انہوں نے رقم سمیرا خاتون کے حوالے کی۔

''انہوں نے ہمیں علی پور آنے کے لئے بھی تو لکھا ہے۔'' سمیرا خاتون بھائی کی طرف استفہامیہ انداز سے دیکھنے لگیں۔

''ہاں تو ضرور چلیں گے...... مجھے جہاں زیب سے ملے ویسے بھی عرصہ ہو گیا ہے۔ اگر وہ نہ بھی دعوت دیتا تو میں نے ضرور جانا تھا۔''......

زیدی صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''اور تم ابھی سے سیفو کی اور اپنی روانگی کی تیاریاں شروع کر دو۔ مجھے پتہ ہے خواتین کی تیاریوں میں ہمیشہ دیر لگا کرتی ہے۔'' وہ ہنسے۔ ''اور ہاں یاد آیا۔ میرے رومال بھی ختم ہیں۔ انگوٹھی خریدنے جاؤ تو بازار سے لیتی آنا۔''......

''آپ کے لئے تو موزے بھی خریدنا ہیں۔'' سمیرا خاتون نے کہا......۔

''کریم خان کہہ رہا تھا۔ سب پھٹ چکے ہیں۔''

''ہاں۔ وہ بھی خرید لانا۔ عمر کا تقاضا ہے اکثر چیزیں بھول جاتا ہوں۔'' وہ بولے۔ ''اچھا تم اب تیاری کرو۔'' وہ چلے گئے۔ سمیرا خاتون اسی روز جا کر انگوٹھی اور مطلوبہ اشیاء خرید لائیں۔

دوسرے دن شام کو رازی آئے۔ تو کرنل زیدی نے انہیں اپنے کمرے میں بلا لیا۔ سمیرا خاتون بھی وہیں تھیں۔

''بھئی شیراز میاں مبارک ہو۔ تمہاری منگنی سیفو سے ہوگئی...... جہاں زیب کے خط سے پتہ چلا ہے۔ اب منہ میٹھا نہ کراؤ گے۔'' کرنل زیدی ہنستے ہوئے بولے۔

رازی ہزار بے جھجک اور شریر سہی مگر اس وقت حقیقتاً شرما گئے۔ ان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ تمتمائی ہوئی پیشانی پر نیلی رگیں نمایاں ہو گئیں۔ ہونٹ کاٹتے ہوئے انہوں نے کہا۔ ''شکریہ انکل۔''

''انہوں نے تمہارے لئے انگوٹھی بھیجی ہے۔'' وہ بولے۔ ''لاؤ سمیرا اسے پہنا دو۔''

سمیرا خاتون نے پرس کھول کر ایک خوبصورت سی انگوٹھی نکالی۔ اور مسکراتے ہوئے شیراز کی انگلی میں پہنا دی۔ ''مبارک ہو بیٹے! اللہ یہ رشتہ ہر طرح راس لائے۔'' کرنل زیدی نے ''آمین۔'' کہا اور رازی کی پیٹھ تھپکنے لگے۔

''ہاں یہ بتانا یاد ہی نہ رہا کہ جہاں زیب نے سیفو کے ہمراہ ہم دونوں کو بھی علی پور بلوایا ہے۔'' وہ بولے۔ ''ہم انشاء اللہ اگلے بدھ کو یہاں سے چل دیں گے۔''

رازی نے چونک کر انہیں دیکھا اور کچھ سوچنے لگے۔ تو اب سیفو کو مزید ستانے کا پروگرام ختم۔ ان کا ارادہ تو اسے کئی دفعہ مل کر خوب چھیڑنے کا تھا مگر اب مجبوری تھی۔

''اچھا انکل۔ کسی روز پھر آؤں گا آپ سے ملنے۔'' یہ کہہ کر انہوں نے سلام کیا اور کمرے سے باہر نکل گئے۔ راستے میں سیفو کے کمرے کے سامنے ذرا رک کر انہوں نے بلی کی سی آواز نکالی۔ دروازہ بند تھا وہ ایک طرف کھڑے ہو گئے۔

سیفو اس وقت پلنگ پر بیٹھی کچھ پڑھ رہی تھی۔ وہ بلی سے سخت ڈرتی تھی۔ ارے یہ کمبخت کہاں سے آ گئی۔ اسے بھگانا چاہیئے ورنہ رات کو تنگ کرے گی۔ یہ سوچ کر اس نے جوتا ہاتھ میں لیا اور دبے پاؤں دروازے کی طرف چلی۔

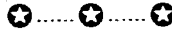
رازی پھر ایک بار اسی طرح بولے۔

خاصی بڑی معلوم ہوتی ہے۔ سیفو نے آواز سے اندازہ لگایا۔ اچھا ٹھہرو اس کو ایسا جوتا مارتی ہوں کہ پھر ادھر کا رخ نہ کرے گی۔ سیفو نے جوتا ہاتھ میں تولتے ہوئے آہستہ سے دروازہ نیم وا کیا۔ ایکدم سے رازی نے پورا دروازہ کھول دیا۔ ''آداب عرض۔'' وہ شرارت سے مسکرائے۔ ''اور فکر نہ کرو بلی ولی کوئی نہیں تھی۔ میں ہی تھا۔ سوچا ذرا تمہیں دیکھتا چلوں......'' یہ کہہ کر وہ مسکراتے ہوئے چلے گئے۔ سیفو حیران سی جوتا پکڑے کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ رازی کی حرکتیں اس کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔ ان کی خوشی اور مسرت کی وجہ اس کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ کچھ سوچتی ہوئی وہ واپس پلنگ پر آبیٹھی۔

دوسرے روز رازی سے ٹیلی فون پر مشورہ کرنے کے بعد سمیرا خاتون نے سیفو کو بتا دیا کہ انوار کے انگلینڈ میں شادی کر لینے پر تمہاری منگنی اس سے توڑ دی گئی ہے اور اب کچھ روز ہوئے جہاں زیب بھائی نے تمہاری نسبت ایک ڈاکٹر سے ٹھہرا دی ہے۔ ڈاکٹر کا نام انہوں نے پوچھنے پر بھی اسے نہ بتایا۔ کوئی انہی کا دوست ہے شاید۔ انہوں نے گول مول سا جواب دے دیا۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ اگلے بدھ کو جہاں زیب بھائی کے کہنے کے مطابق ہم لوگ تمہیں ساتھ لے کر یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔

سیفو کو جہاں انوار سے اپنی منگنی ٹوٹنے کی بے انتہا خوشی ہوئی وہیں یہ سوچ کر رنجیدہ ہو گئی کہ نجانے وہ ڈاکٹر کون ہے۔ جس سے اس کی نسبت ٹھہرا دی گئی ہے۔ ابا سے امید یہی تھی کہ یوں بغیر پوچھے اس کا رشتہ طے کر دیں گے۔ انہوں نے انوار کی دفعہ بھی یہی کیا تھا۔ لیکن انوار کم از کم اس کا دیکھا ہوا تو تھا اور یہ شخص تو اس نے بھی دیکھا تک نہیں۔ اس کے متعلق وہ کچھ بھی نہیں جانتی جسے اس کی زندگی کا ساتھی بنا دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ نام بھی اسے معلوم نہیں۔ اسے زندگی میں پہلی مرتبہ اپنی قسمت کی بجائے ابا پر غصہ آیا۔ اگر رشتہ دوبارہ کرنا ہی تھا تو مجھے بھی پوچھ لیا جاتا۔ کم از کم اطلاع ہی کر دیتے۔ امی نے بھی مجھے اس بارے میں کچھ نہ لکھا۔ کتنی عجیب بات ہے جس کی زندگی کے بارے میں یہ اہم فیصلے ہوئے ہیں۔ اسے لاعلم رکھا گیا۔ وہ دیر تک والدین کے اس رویے پر کڑھتی رہی۔ اپنی بے بسی پر اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ قدرت کی طرف سے ایک پھندہ کٹ گیا تھا تو دوسرا ڈال دیا گیا۔ پتہ نہیں کون ہے وہ۔ لیکن اسے رازی کے

علاوہ کسی سے دلچسپی نہ تھی۔ بلا سے کیسا بھی ہو۔ ابا جان کو پسند ہوگا۔ اسی لئے رشتہ ہو گیا اور وہ پہلے کی طرح اس دفعہ بھی دم نہ مار سکی۔



آج منگل ہے۔ کل صبح چونکہ کرنل زیدی' سمیرا خاتون اور سیفو کی روانگی ہے۔ اس لئے زور شور سے تیاریاں ہو رہی ہیں۔ سمیرا خاتون گھر کے سامان کی دیکھ بھال کر رہی ہیں۔ ایک طرف حمیدن کھڑی کپڑوں کو استری کر رہی ہے صوفوں پر کپڑا اوڑھا دیا گیا ہے۔ ایک جانب کرسی پر منہ میں پائپ لئے کرنل زیدی بیٹھے بہن کو ہدایات دیتے جاتے ہیں۔ وہ ان کا اٹیچی کیس ہمراہ لے جانے کے لئے تیار کر رہی ہیں۔

''دیکھو سمیرا میرے پائپ کا تمباکو نہ بھولنا۔ ٹوتھ پیسٹ رکھ لیا ہے نا تم نے؟'' وہ بولے۔

''آپ دیکھتے تو جائیے۔ سب چیزیں رکھ دی جائیں گی۔'' سمیرا خاتون تولئے تہ کر کے اٹیچی میں رکھتی ہوئی بولیں۔

کریم خان ملازم لڑکے شیر زمان کی مدد سے باہر موٹر کی صفائی میں لگا تھا کہ گیٹ سے رازی کی نیلی فیٹ آتی دکھائی دی۔ اس نے شیر زمان سے کہا اندر جا کر اطلاع کر دو۔

رازی کی آمد کا سن کر کرنل زیدی باہر نکل آئے۔ اور اسے اپنے ساتھ اندر لے گئے۔ رازی کچھ دیر ان کے پاس بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ پھر بہانہ کر کے نکلے اور سیفو کے کمرے کی طرف چل دیئے۔

سیفو اپنے سامنے کتابوں اور رسالوں کا ایک بڑا انبار رکھے ان میں سے کچھ کتابیں اپنے ساتھ لے جانے کے لئے منتخب کر رہی تھی۔ ویسے کل ہی اس نے ساری تیاری مکمل کر لی تھی۔ ایک روز پہلے جا کر غزالہ کو بھی الوداع کہہ آئی تھی۔ اس وقت سر جھکائے بظاہر وہ کام میں مصروف ہے لیکن اس کے دل میں مختلف خیالات کی یورش ہے۔ وہ اس جگہ سے جا رہی تھی جہاں رازی ہیں۔ وہ شاید اب تمام عمر اس سے نہ مل سکے گی۔ قسمت کی اس ستم ظریفی پر اس کا دل فریاد کر رہا تھا۔

وہ اس وقت سلیٹی سوٹ پر سرخ سویٹر پہنے ہے۔ گریبان کی زپ ذرا سی کھل

گئی ہے جس سے اس کی مرمریں گردن کی سپیدی جھلک رہی ہے۔ بڑے بڑے کالروں سے گردن کا پچھلا حصہ ڈھکا ہوا ہے۔ الجھے الجھے بالوں کی ڈھیلی سی چوٹی کمر پر پڑی ہے۔ سیاہ شیفون کا دوپٹہ سر سے پھسل کر اس کی گود میں آ گیا ہے۔ کتابوں کے پاس یوں دوزانو بیٹھی وہ کسی مصور کا شاہکار لگ رہی ہے۔

رازی نے آہستہ سے جھانکا۔ وہ سامنے ہی بیٹھی تھی۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتے رہے پھر دروازے کھول کر اندر داخل ہو گئے۔

''معاف کرنا...... دوسری بار بھی اس معبد میں بغیر اجازت ہی آیا ہوں۔'' وہ مسکرائے۔

سیفو نے گڑبڑا کر اندھا سیدھا دوپٹہ سر پر ڈال لیا۔ سیاہ دوپٹے کے تاریک حاشیے میں اس کا چہرہ چاند کی طرح روشن لگنے لگا۔ رازی اس کے قریب ہی قالین پر بیٹھ گئے۔

''لاؤ کچھ پیکنگ میں کر دوں۔''...... انہوں نے کہا۔

''پیکنگ تو کر چکی۔ تھی ہی کتنی۔'' سیفو ایک رسالہ دیکھتے ہوئے بولی۔

''شادی کے لئے جا رہی ہو۔ ہماری طرف سے پیشگی مبارک۔'' وہ بولے۔

سیفو نے تڑپ کر سر اٹھایا۔ وہ اس کی بے بسی کا مذاق اڑا رہا ہے۔ شاید اسے بھی نئے حالات کا علم ہو چکا ہے۔ ایک ایسی نظر رازی پر ڈال کر جس میں غصہ' بے بسی' رنج' سب کچھ تھا۔ وہ سر جھکا کر پھر کتابیں دیکھنے لگی۔

''سیفو تم نے یہ انگوٹھی دیکھی ہماری۔'' رازی نے اس کی آنکھوں کے سامنے انگلی لہراتے ہوئے کہا۔ سیفو کی نظر بے اختیار اس کے ہاتھ پر گئی جس میں انگوٹھی دمک رہی تھی۔ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ یہ کہاں سے آئی پہلے تو اس کے ہاتھ میں کبھی کوئی انگوٹھی نہیں دیکھی۔

''دیکھ کیا رہی ہو۔'' رازی نے مسکرا کر کہا۔ ''ہماری ایک فرینڈ نے تحفتہً دی ہے۔ ہے نا خوبصورت؟''

سیفو دھک سے رہ گئی۔ اچھا تو یہ بات ہے کچھ دن سے رازی کی بے وجہ مسرت اور خوشی سے وہ کھٹک رہی تھی۔ اور اس کا شبہ صحیح نکلا۔ خوب۔ اس نے ہونٹ

کاٹے۔ تو یہ معاملہ تھا۔ رازی غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''بہت خوب صورت ہے۔'' سیفو نے خود کو سنبھال کر آہستہ سے کہا۔ ''آپ کو بھی مبارک ہو۔''

رازی ہنس دیئے۔ بے پروائی سے بولے۔ ''تمہاری طرف سے ناامیدی ہو جانے پر دوسری جانب رجوع کرنا ہی پڑا۔ کیا کرتا تم جو نہ مل سکیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے میں تمہیں کبھی نہ بھلا سکوں گا۔''

''شکریہ۔'' سیفو نے قدرے طنز سے کہا۔

''خفا تو نہیں ہو مجھ سے؟'' رازی نے پوچھا۔

''خفی کیسی۔ میں تو بہت خوش ہوں۔'' سیفو نے آنسو چھپاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''اچھا تو تم مجھے چاہتی نہیں تھیں؟'' رازی نے گویا حیرت سے کہا۔ ''میرا خیال تو تھا کہ تم اس بات پر مجھ سے لڑ پڑو گی۔ اپنی رقیب کو کون پسند کر سکتا ہے بھلا۔ اب مجھے ہی دیکھو۔ میں انوار کو سخت ناپسند کرتا ہوں دل چاہتا ہے کسی روز اس سے ڈوئل لڑوں۔''

سیفو غصے سے ہونٹ کاٹتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''میں اس قسم کی باتیں برداشت نہیں کر سکتی رازی بھائی۔'' اس نے غصے سے کہا۔

رازی لپک کر اس کے سامنے ہاتھ پھیلا کر کھڑے ہو گئے۔ ''اونہوں جانے نہیں دوں گا۔ میں تمہیں آخری بار ملنے آیا ہوں۔ اتنا تو خیال کرو۔''

سیفو خاموشی سے بیڈ پر جا بیٹھی۔ اس کا دل بھرا آ رہا تھا۔ رازی سے جدائی کا خیال اسے مارے ڈال رہا تھا اس کا جی چاہتا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر روئے مگر ضبط سے کام لے رہی تھی۔

رازی پاس ہی کرسی پر آ بیٹھے۔ ''بات سنو سیفو۔ مجھے اس بدتمیزی اور بے وفائی پر معاف کر دو۔''

''آپ کا اس میں کوئی قصور نہیں۔'' سیفو نے لرزتی ہوئی آواز سے کہا۔

''یہ سب میری بدنصیبی ہے۔''

''اچھا ایک بات کہوں برا تو نہ مانو گی؟'' وہ بولے۔
سیفو نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اس میں اب کسی بات کی سکت نہ تھی۔
''عرض یہ کرنا ہے کہ میں تمہیں شادی پر کوئی تحفہ دینا چاہتا ہوں۔ اپنی پسند بتا دو۔ انگوٹھی پسند کرو گی یا لاکٹ' رسٹ واچ اچھی رہے گی یا آویزے۔''
آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں سیفو کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔ وہ گلوگیر آواز میں بولی۔ ''مجھے ستا کر آپ کو کیا مل جائے گا۔ میں پہلے ہی زندگی سے بیزار ہوں۔''
''خدا کے واسطے رونا مت۔ ورنہ پھر مجھے چپ کرانا پڑا تو تم شکایت کرو گی۔'' رازی نے دھمکی دی۔
سیفو نے جلدی سے آنسو پونچھ کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک انوکھی سی چمک اور لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ سیفو الجھن میں پڑ گئی۔ کیسا عجیب رویہ تھا اس کا۔
''تحفہ تو تم نے بتایا ہی نہیں پھر۔'' رازی نے پوچھا۔ ''یہ تو طے ہے تمہاری شادی میں آؤں گا ضرور...... اور وہ بھی تحفے کے بغیر نہیں۔ اب تم جلدی سے اپنی پسند بتا دو۔''
سیفو کو غصہ آ گیا۔ عجیب مصیبت ہے۔
''تحفہ لانے والے دوسرے کی پسند نہیں پوچھا کرتے۔'' آخر اس نے جل کر کہا۔
''ہاں یہ بھی ٹھیک کہتی ہو۔'' رازی نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ ''چلو جانے دو۔ میں اپنی پسند کا ہی لے آؤں گا۔ اب مجھے جانا ہے۔ لہٰذا مسکرا دو۔ آنٹی میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔''
سیفو چپ چاپ دوسری طرف منہ کئے بیٹھی رہی۔
''جانتی ہو۔ ہم آخری دفعہ مل رہے ہیں۔ کون' جانے ہمیں پھر ایک دوسرے کو دیکھنا بھی نصیب نہ ہو۔'' رازی نے آہستہ سے کہا۔ ''اور تم بسورتا چہرہ بناتی ہو۔ ذرا ہنس دو تاکہ تمہارا مسکراتا ہوا چہرہ میرے تصور میں رہے۔''
سیفو کے دل و دماغ جیسے آگ میں جل رہے تھے۔ اس حالت میں اس سے کیا مسکرایا جاتا۔ اتنے میں باہر کسی کے باتیں کرنے کی آواز آئی۔

''آنٹی آ رہی ہیں شاید۔'' رازی جلدی سے بولے۔''خدا کے واسطے ذرا سا مسکرا دو۔بس ایک بار..... پھر میں چلا جاؤں گا۔''

سیفو سر جھکائے خاموش تھی۔آنسو اس کی آنکھوں میں مچل رہے تھے۔

''نہیں مانو گی؟'' رازی نے قریب آ کر سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔''مسکراؤ جلدی سے۔ورنہ قسم خدا کی تمہیں اٹھا کر کہیں فرار ہو جاؤں گا۔ٹاپتے پھریں گے انوار صاحب بھی۔''

سیفو نے ڈر کر اسے دیکھا۔رازی مسکرا رہے تھے۔ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔

''شکریہ۔'' رازی نے سر کو خم کر کے اٹھتے ہوئے کہا۔''اب میں جا رہا ہوں۔خدا حافظ۔'' انہوں نے اسے فوجی انداز سے سلام کیا اور چلے گئے۔

سیفو کچھ دیر دم بخود بیٹھی رہی۔پھر بوجھل دل لئے اٹھ کر کتابیں سمیٹنے لگی۔



''جہاں نما'' میں آغاز سرما کے رنگا رنگ پھول کھل رہے ہیں۔ فضا میں انجانی سی خوشبو رچی ہے۔ ڈرائنگ روم سے قہقہوں اور باتوں کی آوازیں آ رہی ہیں گھر کے نوکر چاکر بڑی مستعدی سے ادھر ادھر کام کرتے پھر رہے ہیں۔

آج ہی سیفو کو ہمراہ لے کر کرنل زیدی اور سمیرا خاتون علی پور پہنچے ہیں اس وقت سب لوگ ڈرائنگ روم میں بیٹھے باتوں میں مشغول ہیں۔ طویل غیر حاضری کے بعد نفیسہ خانم اور پرنسپل صاحب بیٹی سے مل کر قدرتی طور پر بہت خوش ہیں۔ اس کے علاوہ اپنے جگری دوست کرنل زیدی سے ملنے کی بھی انہیں انتہائی خوشی ہوئی ہے۔ بہت عرصہ ہو گیا تھا دونوں کو ملے۔ اس وقت بڑے بشاش طریقے پر دونوں دوست آپس میں ہنس بول رہے ہیں۔

سمیرا خاتون اور نفیسہ خانم ایک جانب دیوان پر بیٹھی باتوں میں مشغول ہیں۔ پاس ہی کرسی پر سیفو بیٹھی چلغوزے چھیل چھیل کر کھا رہی ہے۔ تلے باداموں اور دوسرے خشک میوؤں سے بھری ایک طشتری سمیرا خاتون کے سامنے بھی پڑی ہے وہ کسی کسی وقت کوئی چیز اٹھا کر منہ میں ڈال لیتی ہیں۔

رازی کی جدائی سے سیفو کا دل انتہائی مغموم تھا۔ لیکن اتنے عرصہ بعد گھر آنے پر وہ خوش بھی تھی۔ اپنی امی سے گلے ملتے ہوئے اس کا دل اس نئے رشتے کے بارے میں پوچھنے کو بے تاب تھا۔ لیکن وہ کسی مناسب موقع کے انتظار میں خاموش رہی۔

رات کو بھی اسے اس قسم کی بات چیت کا وقت نہ مل سکا۔ کیونکہ سمیرا خاتون اور نفیسہ خانم اپنے اپنے پلنگوں پر بیٹھی رات گئے تک شادی کی باتوں میں مصروف رہیں۔ اس کا کسی کو خیال بھی نہ آیا۔ نفیسہ خانم خود چونکہ اس رشتے سے بے حد مطمئن

تھیں اس لئے اپنے ہی خیالات کا عکس ان کو سیفو کے چہرے پر بھی نظر آیا۔ تعجب ہے کہ وہ اس کی اداسی کو بھی شرم پر محمول کرتی ہیں۔ ان کے خیال میں بھی نہ آیا کہ وہ مضطرب یا غمگین ہو سکتی ہے۔

دوسرے روز یہ دونوں خواتین اس کا جہیز الٹنے پلٹنے میں مشغول ہو گئیں۔ طرح طرح کے مشورے دیئے اور لئے جانے گئے۔ سمیرا خاتون نے وہ اشیاء نکال کر دکھائیں جو پرنسپل صاحب کے ارسال کردہ روپوں سے انہوں نے ایبٹ آباد میں خریدی تھیں۔ نفیسہ خانم نے بے حد تعریف کی اور ان کے حسن انتخاب کی داد دیتے ہوئے بولیں۔ "ماشاءاللہ آپ نے بڑی خوبصورت چیزیں خریدیں میں تو اپنی مرضی کے مطابق کچھ بھی نہیں بنا سکی۔ دراصل یہاں علی پور میں تو کوئی چیز کام کی ملتی نہیں۔ اس کے ابا لاہور سے چیزیں خرید کر لاتے رہے ہیں۔ برتن، کپڑے اور دوسری ضروری اشیاء وہیں کی ہیں۔ لیکن سچ پوچھئے تو وہ بھی میری پسند پر پوری نہیں اترتیں۔ دراصل ان کو خرید و فروخت کا سلیقہ ہی نہیں۔" وہ مسکرائیں۔

"اکثر مردوں کو چیزیں خریدنے کا سلیقہ نہیں ہوتا بھابی!" سمیرا خاتون ہنس کر بولیں۔ "اول تو ڈھنگ کی چیز ہی نہیں لاتے۔ دوسرے رقم نسبتاً زیادہ خرچ کرتے ہیں دراصل انہیں عورتوں کی طرح بھاؤ تاؤ کرنے نہیں آتے۔ اسی لئے دکاندار بھی صاحب بہادروں کو دیکھ کر دام بڑھا کر بتاتے ہیں۔ جتنی قیمتیں وہ بتائیں یہ اتنی ہی ادا کر کے چیز خرید لاتے ہیں۔"

یہ دونوں دیر تک اسی قسم کی باتیں کرتی رہیں۔ سامنے برتنوں اور طرح طرح کے ریشمی کپڑوں اور خوبصورت اشیاء کا انبار لگا تھا۔ جسے الگ الگ صندوقوں میں سینت سینت کر رکھا جا رہا تھا۔ سیفو ایک جانب بیٹھی کافی دیر سے ان کی باتیں سن سن کر بور ہو رہی تھی۔ دل کی تپش الگ اسے جلائے ڈال رہی تھی۔ آخر تنگ آ کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی اور عافیہ کو بلانے کے لئے ملازم بھیج دیا۔

ایک گھنٹہ کے اندر ہی عافیہ آ موجود ہوئی۔ وہ آتے ہی سیفو کے گلے سے لپٹ گئی۔ دونوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ عافیہ بولی۔ "بہت راہ دکھائی تم نے سیفو۔ قسم خدا کی تیرے بغیر یہ شہر کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔"

''جھوٹی۔'' سیفو نے مسکرا کر کہا۔ ''دو حرف لکھنے کی تو کبھی توفیق نہ ہوئی تھی اور گپیں مار رہی ہے خواہ مخواہ۔''

''خط لکھنے کی تو میں ہمیشہ سے چور ہوں۔'' عافیہ نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''ویسے یاد تم ہردم آتی تھیں۔ ماشاء اللہ صحت بہت اچھی ہوگئی ہے تمہاری۔''

''آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ایبٹ آباد ایک صحت افزا مقام ہے۔ وہاں رہ کر بھی صحت اچھی نہ ہوتی تو کہاں ہوتی ......'' سیفو نے ہنس کر کہا۔

''اور پھر منگنی کی خوشی نے اور چار چاند لگا دیئے۔'' عافیہ مسکرائی بھئی مبارک ہو سیفو۔ ایک تو انوار سے پیچھا چھوٹنے کی اور دوسرے ڈاکٹر صاحب سے منگنی ہونے کی۔ اچھا یہ بتاؤ ہمیں دوا تو مفت دلوا دیا کرو گی نا۔'' ......

سیفو کا رنگ رخ متغیر ہو گیا تھا۔ انجانے ہی میں عافی نے اس کے زخم چھیل ڈالے تھے۔ وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ''تمہیں اس واقعے کی خبر کیسے ہوئی۔''

''سبحان اللہ۔'' عافیہ نے کہا۔ ''گویا آپ نہ بتائیں گی۔ تو ہمیں کسی بات کی خبر ہی نہ ہوگی۔ جناب عالی ہم آپ کی منگنی کی دعوت میں شریک تھے۔ ویسے اس روز تمہاری غیر حاضری بہت کھلی۔ اگر تم ہوتیں تو کتنا مزا آتا۔''

اچھا۔ یعنی دعوت وغیرہ بھی دی گئی تھی اس موقع پر۔ سیفو نے سوچا اور مجھے کچھ خبر ہی نہیں۔ نہ اس شخص کے متعلق ہی کچھ جانتی ہوں جس سے میری قسمت پھوڑی گئی ہے۔

''عافیہ تم نے شرکت کی تھی دعوت میں۔ کون کون تھا اس روز؟'' سیفو نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''تمہاری ساس' سسر' رشتے کی نند اور نندوئی' ان دونوں کی مائیں۔ سبھی لوگ تھے۔ تمہیں نہیں خبر؟ عافیہ نے پوچھا۔

سیفو نے سر ہلا کر کہا۔ ''نہیں۔ مجھے تو یہ تک معلوم نہیں کہ جس ڈاکٹر سے مجھے منسوب کیا گیا ہے اس کا نام کیا ہے۔ شکل وصورت کیسی ہے۔ عادات و اطوار کس طرح کے ہیں۔ میں کچھ نہیں جانتی عافیہ۔'' اس نے اندوہناک لہجے میں کہا۔

عافیہ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔ ''یہ کیسے ہو سکتا ہے سیفو!'' اس نے حیرت

سے کہا۔ ''میرا تو خیال تھا یہ رشتہ تمہاری پسند کا ہے۔ بلکہ میں نے تو اس روز یہ بھی سنا تھا کہ تم دونوں کافی عرصہ اکٹھے رہے ہو اور اس کی تصویر دیکھ کر تو مجھے تمہاری قسمت پر بے انتہا رشک آیا تھا بہت خوبصورت انسان ہے۔''

''تصویر؟ تم نے اس کی تصویر بھی دیکھی تھی؟'' سیفو نے چونک کر کہا۔

''بالکل۔ وہ تمہاری رشتے کی نند جو ہیں نا۔ کچھ بھلا سا نام تھا ان کا۔ اس وقت یاد نہیں آ رہا۔ انہوں نے دکھائی تھی جو میں نے حمیرا اور سیمیں کو دکھانے کے لئے ان سے لے لی۔ ٹھہرو میں اپنے پرس میں دیکھتی ہوں شاید پڑی ہو......'' وہ اپنا سیاہ پرس کھول کر اس میں دیکھنے لگی۔

''ہاں یہ پڑی تو ہے۔'' وہ بولی۔ ''دیکھو سیفو اسے اور اپنی قسمت پر خود ہی رشک کرو......'' اس نے تصویر سامنے کرتے ہوئے کہا۔ ''اور نام بھی تو بہت اچھا ہے شیراز منصور۔''

''رازی!''...... تصویر کو دیکھ کر بے ساختہ سیفو کے منہ سے نکلا اسے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آ رہا تھا۔ حواس گم تھے۔ اس نے لرزتی ہوئی آواز سے پوچھا۔ ''تمہیں کوئی دھوکہ تو نہیں ہوا عافی......؟''

''دھوکہ کیسا۔ خود تمہاری اس نند نے مجھے ان کا نام بھی بتایا تھا اور یہ بھی کہ وہ ڈاکٹر ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ان حضرت کو جانتی ہو......'' وہ شرارت سے مسکرائی۔

سیفو کا سارا جسم دل بن کر دھڑک رہا تھا۔ وہ بار بار تصویر کو دیکھ رہی تھی۔

''نام کیا بتایا تھا تم نے ان کا؟'' اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں پوچھا۔

''وہی جو آپ جانتی ہیں۔ شیراز منصور......'' عافیہ نے ہنس کر کہا۔ ''اب زیادہ بیوقوف نہ بناؤ سیفو۔ ظاہر ہے تم جانتی تھیں تمہارے منگیتر یہی ہیں۔''

''نہیں عافیہ نہیں۔'' سیفو نے سر ہلا کر کہا۔ ''خدا کی قسم مجھے آج سے پہلے ہرگز پتہ نہیں تھا کہ میرے منسوب یہ ہیں۔ میں تو سمجھتی تھی پتہ نہیں کون ڈاکٹر ہیں۔ مجھے صرف یہی بتایا گیا تھا کہ ڈاکٹر ہیں۔ کیسی عجیب بات ہے امی اور ابا جان نے بھی کچھ نہ لکھا۔ آنٹی نے بھی نہ بتایا اور رازی...... وہ خود بھی معلوم ہوتا ہے اسی سازش میں شریک تھے۔ مجھے انہوں نے خوب الو بنایا عافی!''...... سیفو کے لبوں پر ایک شیریں مسکراہٹ آ گئی۔

''بھئی حد ہے یہ تو۔'' عافیہ نے کہا۔ ''یقین نہیں آتا......''

''ہاں۔'' سیفو پھر کھو سی گئی تھی۔ دھیمے لہجے میں بولی۔ ''اور ذرا سوچو کہ میں اسی رشتے کی مخالفت میں امی سے لڑنے کے منصوبے بنا رہی تھی۔''

''اچھا۔ اب تو پتہ چل گیا تمہیں......'' عافیہ نے شریر نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اب تو مٹھائی کھلاؤ۔ اور ہاں یہ تم نے کیا کہا تھا کہ رازی نے الو بنایا...... کیا وہ ایبٹ آباد گئے تھے؟''

''ہاں۔ ان کی پوسٹنگ وہیں ہوئی ہے۔'' سیفو نے آہستہ سے کہا۔ مسرت سے اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔

''یعنی پہلے ہی سے ہنی مون سپاٹ پر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں۔'' عافیہ نے ہنس کر کہا۔ ''واللہ ان کی دور اندیشی کی قائل ہوگئی میں تو......''

سیفو کا چہرہ کانوں تک سرخ ہو گیا۔ ''بدتمیز کہیں کی۔'' ...... اس نے مصنوعی غصے سے کہا مگر لب مسکرا رہے تھے۔

''رہنے دو۔ خوشی کے مارے چہرہ گلاب کی طرح کھلا جا رہا ہے۔ مجھے ڈانٹنے چلی ہیں۔'' عافیہ ہنسی۔

''بھئی ایک ہی بے شرم ہو تم بھی۔'' سیفو نے ڈانٹا۔

''جی ہاں مگر آپ سے کم۔ آپ تو ایبٹ آباد میں اپنے شیراز سے رومان لڑاتی رہیں۔ ہم نے کبھی یہ کام تو نہیں کیا۔'' ...... عافیہ نے کہا۔

''قسم خدا کی ماروں گی تمہیں......'' سیفو قدرے ترشی سے بولی۔

''ضرور ماریئے۔ آپ ہی کے شوہر نامدار کے پاس مرہم پٹی کروانے آئیں گے۔''

سیفو کچھ کہنے ہی والی تھی کہ نفیسہ خانم اور سمیرا خاتون کمرے میں آ گئیں۔ عافیہ نے اٹھ کر دونوں کو سلام کیا اور دعا لی۔ باتیں ہونے لگیں سیفو محبت بھری نظروں سے اپنی ماں کو دیکھ رہی تھی اس کا دل چاہا کہ اس مہربانی پر اپنے والدین پر سے قربان ہو جائے۔ وہ اس وقت کتنی خوش تھی۔ اس کا اندازہ کچھ وہی لگا سکتی تھی۔

✪......✪......✪

فروری کا بہار آفریں مہینہ ہے۔ ''جہاں نما'' میں بہار کے خوش رنگ پھول مسکرا رہے ہیں۔ تیز گرم ہواؤں میں پیاری سی مہک ہے۔ ہر طرف دلآویز پھولوں پر تتلیوں کے جھرمٹ نظر آ رہے ہیں۔ درختوں میں ننھے منے انگوری رنگ کے شگوفے پھوٹ آئے ہیں۔

کوٹھی کے تمام ملازم مصروف دکھائی دیتے ہیں۔ گھر میں بڑی چہل پہل ہے۔ مہمانوں کی وجہ سے خوب گہما گہمی نظر آ رہی ہے۔ سیفو کی شادی کی تاریخ 25 فروری مقرر ہوئی ہے۔ بارات آنے میں اب صرف دو روز باقی ہیں۔

جمال اور نازیہ' رضیہ بانو کے ہمراہ پرنسپل صاحب کے اصرار پر ایک ہفتہ پہلے ہی آ گئے تھے۔ کرنل زیدی اور سمیرا خاتون بھی آئے ہوئے ہیں۔ نازیہ کی بڑی بہن واسعہ' ان کے شوہر بلال احمد اور تینوں بچے بھی ایک روز قبل راولپنڈی سے آ گئے ہیں۔ گھر میں بڑی رونق نظر آتی ہے۔ سیفو کی لاہور والی دوستوں طاؤسہ' زارا' برجیس اور ریحانہ کو بھی بلوایا گیا ہے۔ انہوں نے بارات کے دن آنے کا لکھا ہے۔

سیفو کے کمرے میں اس کی سہیلیوں عافیہ' حمیرا اور سیمیں نے شور مچا رکھا ہے۔ اس وقت خوب گانے گائے جا رہے ہیں۔ سیفو ایک جانب پلنگ پر بیٹھی ہے۔

''خالہ جان نے ظلم کیا جو حفیظہ' عطیہ کو نہ بلایا۔'' عافیہ گاتے گاتے رک کر بولی۔

''وہ کون ہیں؟''...... حمیرا نے پوچھا۔

''ارے بھئی ان کی ریٹائرڈ نندیں۔ انوار صاحب کی بہنیں۔'' عافیہ نے بتایا۔

''ان کے آنے سے کیا ہوتا بلکہ رنگ میں بھنگ ہی ڈالتیں۔'' سیمیں نے منہ بنا کر کہا۔ ''عافیہ صاحبہ معلوم ہوتا ہے آپ کے دماغ کے کوئی چول ڈھیلی ہے۔ جب بھی بات کریں گی ایسی ہی انوکھی۔''

''ارے نہیں بھئی تم سمجھیں نہیں۔'' عافیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''دراصل ہماری سیفو کو ان کے گانے بہت پسند ہیں۔''

''واقعی؟'' حمیرا نے حیران ہو کر سیفو سے پوچھا۔

''تم ان کی بات کا یقین کر رہی ہو۔'' سیفو نے زیرلب مسکرا کر کہا۔ ''اول درجے کی گپن ہیں۔''

''خوب۔ یعنی آپ کی شادی کی رونق بڑھانے کی خاطر ہم نے گا گا کر آواز گھگھیالی اور انعام یہ دے رہی ہو''...... عافیہ نے ماتھے پر آئی ہوئی لٹیں جھٹکتے ہوئے کہا۔

''تو کس حکیم نے کہا تھا گانے کو۔'' سیفو نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔

''خواہ مخواہ میرے سر میں بھی درد پیدا کر دیا۔ بے سری کہیں کی۔''

عافیہ چمک کر بولی۔ ''اسی لئے تو مشورہ دیا تھا کہ حفیظہ' عطیہ کو بلا لیا جائے۔ تمہیں تو کچھ انہیں کے گانے اچھے لگتے ہیں۔ مگر خالہ جان نہیں مانیں۔''

''ویسے واقعی اگر وہ لوگ آ جاتیں تو خوب خوب جلتیں۔'' حمیرا بولیں۔

''تم جیسی بے وقوف وہ نہیں کہ آ جاتیں۔'' سیمیں نے کہا۔

''پتہ بھی ہے سیفو کی جانب سے قطعی مایوس ہو کر انوار صاحب اب اپنی یورپین بیوی گھر لے آئے ہیں۔'' عافیہ ہنس کر بولی۔

''سیفو یہ سچ ہے کیا؟'' حمیرا نے پوچھا۔

''ہاں۔ نگہت نے مجھے لکھا تھا۔ جو انوار بھائی کی چچا زاد بہن ہیں۔'' سیفو نے کہا۔

''ارے اتنی بے باکی سے تو بچارے کا نام نہ لو۔ آخر وہ تمہارا امیدوار تھا۔'' عافیہ نے ہنس کر کہا۔

''غارت کرو کمبخت کو۔ دھوکے باز کہیں کا۔'' سیمیں نے دانت کچکچا کر کہا۔

''اچھا چھوڑو یہ ذکر بھئی۔'' سیمیں الجھ کر بولی۔ ''کچھ اور باتیں کرو۔''

''سیمیں پتہ ہے تمہیں۔ یہ سیفو بیگم وہاں ایبٹ آباد میں اپنے ہونے والے میاں' شیراز منظور صاحب سے عشق لڑاتی رہیں اور ہمیں خبر بھی نہ کی۔'' عافیہ نے شریر

مسکراہٹ سے کہا۔

''سچ سیفو۔'' تمیرا اور سیمیں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''اور نہیں تو کیا۔'' عافیہ بولی۔ ''تم مجھ سے پوچھو۔ یہ کبھی نہ بتائیں گی بھلا اپنے بھید بھی کوئی بتایا کرتا ہے۔''

''اچھا اگر انہوں نے نہیں بتایا تو تمہیں کیسے پتہ چل گیا؟'' تمیرا نے پوچھا۔

''بس لگ گیا پتہ...... ہمارے بھی آخر ذرائع ہیں۔'' عافیہ نے کہا۔ ''اب انہی سے پوچھو یہ ان سے گلے نہیں ملی تھیں ایک دن؟''

''غلط بالکل غلط۔'' سیفو نے ہڑبڑا کر کہا۔ ''عافی کیوں بے پر کی اڑاتی ہو۔''

''اچھا بھئی یہ گلے نہیں ملی تھیں۔'' عافیہ نے ہنس کر کہا۔ ''وہ ملے تھے۔'' سیفو کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔

''یہ دیکھ لو ان کا چہرہ......'' عافیہ نے تمیرا سے کہا۔ ''میری بات کی تصدیق کر رہا ہے یا نہیں؟''

سیفو جز بز ہو کر کچھ کہنے ہی لگی تھی، کہ نازیہ نے آ کر کہا۔ ''بھئی لڑکیو چائے تیار ہے۔ آ کر پی لو......'' پھر وہ سیفو سے مخاطب ہو کر ہنسیں۔ ''اور دلہن بیگم۔ تم ہمارے ساتھ چائے پیو گی یا یہیں بھیج دوں؟''

''نہیں آپا!...... میں وہیں آ رہی ہوں۔'' سیفو نے اٹھتے ہوئے کہا اور یہ سب لوگ ڈائننگ روم میں آ گئیں۔

آخر وہ دن بھی آ پہنچا جس روز بارات آنی تھی۔ طاؤسہ، ریحانہ، زارا اور برجیس صبح کی گاڑی سے آ گئی تھیں۔ گھر کی رونق و مسرت میں دو چند اضافہ ہو چکا تھا۔ مقامی مہمان بھی آئے ہوئے تھے۔

نازیہ، اس کی امی رضیہ بانو اور سمیرا خاتون نے دن رات کی محنت سے جہیز بالکل تیار کر دیا تھا۔ جوڑے بھی ٹانک دیئے گئے تھے۔ تاہم وہ ان کاموں میں مصروف تھیں جو آج کل ان کے کندھوں پر آ پڑے تھے۔ نفیسہ خانم پر کچھ تو مہمانداری کا بوجھ تھا۔ کچھ بیٹی کے جدا ہونے کا غم تھا۔ وہ کافی زرد نظر آ رہی تھیں۔

سیفو کے کمرے میں اس کی سہیلیاں ٹھنسی ہوئی ہیں۔ کچھ قالین پر بیٹھی ہیں۔

کچھ سیفو کے ساتھ ہی پلنگ پر براجمان ہیں۔ کسی نے کھڑکی میں جگہ سنبھالی ہے۔ تو کوئی میز پر چڑھی بیٹھی ہے۔

''دوسب اب کہو۔'' طاؤسہ نے سیفو کی ٹھوڑی اوپر اٹھا کر چہرہ اپنے مقابل کرتے ہوئے کہا۔ ''ہم نے کہتے تھے دال میں کالا کالا ہے۔ ان دنوں تو بہت جھلاتی تھیں اب بتاؤ کیا سزا دوں؟''

''واقعی سزا کے قابل ہیں یہ۔'' زارا نے اپنے سبز دوپٹے پر کرن لگاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ ''اچھی بھلی بچاری نیلم افتخار کو مجنوں کا جانشین بنا دیا۔''

''ارے ہاں سیفو! یہ بتانا تو یاد ہی نہ رہا۔'' ریحانہ میز پر سے اترتی ہوئی بولی۔ ''ان محترمہ نے تو شیراز بھائی کے پیچھے باقاعدہ جوگ لے لیا ہے۔ نہ میک اپ کرتی ہیں۔ نہ کچھ' فلسفے میں ایم اے کرنے جا رہی ہیں۔''

''فلسفے میں ایم اے کرنا کیا جوگ لینے کی نشانی ہے؟'' عافیہ نے پوچھا۔ یہ لوگ آپس میں خوب گھل مل گئی تھیں۔

''ارے بھئی جس قسم کی وہ نیلم صاحبہ ہیں۔ ان سے یہ بعید نہ تھا کہ ایکٹریس وغیرہ بن جاتیں۔'' برجیس نے کہا۔ ''ایسی لڑکی اگر فلسفے میں ایم اے کرنے کا فیصلہ کر لے تو عجیب بات ہے یا نہیں۔''

''دوسرے یہ کہ انہوں نے گھر والوں سے کہہ دیا ہے کہ شادی قطعی نہ کروں گی۔'' ریحانہ بولیں۔ ''ایک قابل اعتماد جاسوس نے بتایا ہے ہمیں۔''

''اور یہ واقعہ شیراز بھائی کے دھتکارنے کے بعد ہی پیش آیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ انہی سے مایوس ہو کر اس نے یہ جرأت رندانہ کی ہے۔'' طاؤسہ نے مفکرانہ انداز سے کہا۔

''لیکن اس نے ابھی بی اے تو کیا نہیں۔ ایم اے کس طرح کرنے لگی۔'' سیفو نے حیران ہو کر پوچھا۔

''بھئی بی اے کرنے کے بعد انسان ایم اے کرتا ہے یا نہیں۔'' زارا نے جواب دیا۔ ''سو ابھی سے نہ صرف انہوں نے اس کی ذہنی تیاری شروع کر دی ہے بلکہ کالج میں ڈھنڈورا بھی پیٹ دیا ہے اپنے فلسفہ میں ایم اے کرنے کا۔''

''اچھا دفع کرو نیلم کو۔'' برجیس نے اکتا کر کہا۔ ''یہ بتاؤ کہ وہ۔ ''ویر میرا گھوڑی چڑھیا۔'' والا گیت کسی کو آتا ہے یا نہیں۔ ذرا گائیں گے۔''

''ارے بیوقوف وہ گائے گی تو۔'' زارا ہنستے ہوئے بولی۔ ''پتہ بھی ہے وہ لڑکے کے گھوڑی پر سوار ہونے کے موقع پر گایا جاتا ہے اور ظاہر ہے بارات کے موقع پر لڑکے والوں کے ہاں...... یہاں کون ہے جسے تو گھوڑی پر چڑھائے گی؟''

سب کے ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑے جا رہے تھے۔

''قسم خدا کی بالکل احمق ہے تو......'' ریحانہ ہنسی سے بے تاب ہوتے ہوئے بولی۔

سیفو کے چہرے پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ برجیس پہلے تو کچھ شرمندہ سی بیٹھی رہی پھر خود بھی ہنسنے لگی۔

اتنے میں نازیہ خوب بھاری کامدار ساڑھی پہنے ہوئے آئیں۔ ''پتہ بھی ہے ساڑھے دس بج گئے ہیں۔ گیارہ بجے بارات کا وقت مقرر ہے۔ زارا تمہارا دوپٹہ پورا ہوا یا نہیں۔ تم لوگوں نے ابھی تک کپڑے ہی نہیں بدلے۔ اٹھو جلدی کرو۔ وقت تھوڑا رہ گیا ہے۔''...... انہوں نے کہا۔ زارا کا دوپٹہ مکمل ہو چکا تھا۔ یہ سب اٹھ کر کپڑے بدلنے چلی گئیں۔

عین وقت پر بارات آ گئی۔ دوسرے لوگوں کے علاوہ ترنم تبسم بھی آئی تھیں۔ لڑکیوں نے انہیں دوسری سسرال والیوں کے ہمراہ ڈرائنگ روم میں ہی بٹھایا اور سیفو کی جھلک تک نہ دیکھنے دی۔ مردوں کی نشست کا انتظام باہر شامیانے کے نیچے کیا گیا تھا۔ وہاں اعجاز' رازی کے لئے مستقل عذاب جان بنے ہوئے انہیں چھیڑ رہے تھے۔

لڑکیاں دلہا کو دیکھ کر آئیں تو بے اختیار تعریف کرنے لگیں۔

''ماشاء اللہ بالکل شہزادے لگ رہے ہیں شیراز بھائی۔'' ریحانہ نے کہا۔

''سیفو تمہیں قسم ہے ایک مرتبہ یہیں سے جھانک کر دیکھ لو۔ وہ سامنے ہی تو بیٹھے ہیں صوفے پر۔'' طاؤسہ نے سیفو سے کہا۔

''انہیں کچھ مت بتائیے۔ یہ انہیں کافی دیکھ چکی ہیں۔ اکیلے اکیلے۔'' عافیہ ہنس کر بولی۔

''لیکن اس لباس میں پہلے نہیں دیکھا ہوگا۔'' حمیرا نے کہا۔ ''واقعی سیفو ایک دفعہ جھانک کر دیکھو تو سہی۔''

''دیکھ ہی لیں گی۔ ابھی نہ سہی کل سہی۔'' زارا نے مسکرا کر کہا۔

ان سب نے جھلمل کرتے ہوئے لباس پہن رکھے تھے۔ کافی دیر تک یہ لڑکیاں یونہی باتیں کرتی رہیں۔ دوپہر کے بعد نکاح ہوا۔ رات کو بڑا شاندار ڈنر دیا گیا۔ باہر کی ہماہمی اس وقت دیکھنے کے قابل تھی۔ طرح طرح کے مسرور چہروں کے درمیان رازی کا مسکراتا ہوا درخشاں چہرہ نمایاں لگ رہا تھا۔ وہ اس وقت انتہائی حسین معلوم ہو رہے تھے۔ اعجاز حسب معمول اس وقت بھی شرارتوں میں مصروف تھے۔

اندر لڑکیوں نے سیفو کو بنا سنوار کر دلہن بنا دیا تھا۔ عروسی لباس اور زیورات نے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ وہ بے انتہا خوبصورت لگ رہی تھی۔ شہابی چہرے پر افشاں کے ذرے چمک رہے تھے۔ جھکی جھکی سیاہ پلکوں کی جھالر تلے گلابی گال فروزاں تھے۔ اور بھرے بھرے پیازی لبوں پر گہری سرخ لپ سٹک بہار دکھا رہی تھی۔ رات کو رخصتی ہوئی۔ اور سہیلیوں، رشتہ داروں اور ماں باپ کی دعاؤں اور خلوص بھرے آنسوؤں کا انمول تحفہ لئے سیفو اس گھر سے وداع ہو گئی۔ جہاں بچپن سے جوانی تک کا وقت گزرا تھا۔

اپنے سسرال میں پھولوں سے لدی مسہری پر سیفو سر جھکائے بیٹھی تھی۔ شام ہو رہی تھی اور ابھی تک عورتوں کے رش میں کمی نہ ہوئی تھی۔ وہ اسے دیکھنے کے لئے ایک دوسرے پر گری پڑ رہی تھیں۔ سیفو کی گود میں روپوں اور نوٹوں کا ڈھیر لگ گیا تھا۔ ترنم، تبسم بہتیرا ان عورتوں کی خوشامدیں کرتیں کہ ''دلہن بھابی تھک گئی ہیں۔ اب آرام کرنے دیجئے۔'' مگر توبہ کیجئے وہ لوگ کہیں ماننے والی تھیں۔ آخر رات گئے یہ ہنگامہ فرو ہوا۔ تو سیفو نے اطمینان کی سانس لی۔

توقیر جہاں نے پاس آ کر محبت سے کہا۔ ''صفورا بیٹی! ذرا تکیے پر سر رکھ کر لیٹ جاؤ۔ صبح سے یہ وقت آ گیا ہے۔ بیٹھے بیٹھے بدن بھی دکھنے لگا ہوگا۔''

ترنم نے جلدی سے تکیہ ٹھیک کیا اور پیار بھرے اصرار سے سیفو کو لٹا کر سر دبانے لگی۔

''نہیں ترنم!'' سیفو نے آہستہ سے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ ''سر میں درد نہیں ہے۔ بس تھکاوٹ ہے۔ لیٹنے سے دور ہو جائے گی۔''

''بھئی انہیں ہمارے ہاتھ اچھے نہیں لگتے۔'' تبسم نے ہنس کر کہا۔ ''اب تو بھائی جان ہی آئیں تو سر درد دور ہو۔''...... تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد یہ دونوں رخصت ہو گئیں۔

سیفو پر غنودگی طاری ہونے لگی تھی کہ رازی اندر آئے۔ وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔

دروازہ بند کر کے رازی نے کرسی گھسیٹ کر پلنگ کے ساتھ کی اور بیٹھ گئے۔ وہ اس وقت ننگے سر تھے۔ صافہ وغیرہ کہیں اتار آئے تھے۔ اچکن کی بجائے شلوار پر سفید قمیص اور گہرا نیلا اپل اوور پہنے تھے سفید پیشانی پر سیاہ بال بکھرے ہوئے تھے۔

''سیفو! مجھے معاف کر دو۔'' انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''تمہارے سامنے خوب جھوٹ بولتا رہا جس سے تم تنگ ہوتی رہیں...... لیکن ان میں سے ایک بات جھوٹ نہ تھی۔''

''کونسی؟'' بے اختیار سیفو کے منہ سے نکل گیا۔

''انگوٹھی والی۔'' انہوں نے شرارت سے کہا۔ ''یہ واقعی مجھے ایک گرل فرینڈ نے دی تھی۔''

سیفو سے تیوری چڑھا لی۔ اب تک جھوٹ بولے جاتے ہیں۔ اسے سمیرا خاتون کی زبانی سب باتوں کا پتہ چل گیا تھا۔ ''باز نہیں آئیں گے آپ جھوٹ بولنے سے۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

رازی ہنس دیئے۔ ''اچھا بھئی حسب وعدہ ایک تحفہ لایا ہوں تمہارے لئے۔'' وہ جیب سے کچھ نکالتے ہوئے بولے۔ ''لیکن دوں گا نہیں۔ شرط یہ ہے کہ پہلے مسکرا کر دکھاؤ۔ اس طرح کی رونی صورت کو نہیں دونگا۔''

انہوں نے ڈبیا اس کی آنکھوں کے سامنے نچائی۔

جواب میں سیفو نے اور بھی سر جھکا لیا۔

(ختم شد)